حیات

سِراجُ الاُمّت

عمدۃ السالکین سراج العارفین

حضرت مولانا **سراج احمد** امروہویؒ

کے حالات زندگی اور ملفوظات

بحکمِ فرمائش

بقیۃ السلف عارف باللہ حضرت الحاج ماسٹر الشاہ

محمد قاسم صاحب مدظلہ العالی

متوطن کھور مدنپور، مدھوبنی

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا چریا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا چریاکوٹ ضلع مئو اترپردیش

حیات

سِرَاجُ الاُمّت

یعنی

عمدۃ السالکین سراج العارفین حضرت مولانا **سراج احمد** صاحب امروہوی ؒ
کے حالاتِ زندگی اور ملفوظات

● **بحُکمِ فرمائش** ●

بقیۃ السلف عارف باللہ حضرت الحاج ماسٹر الشاہ محمدؐ قاسم
(متوطن کھورمدنپور، ضلع مدھوبنی، وناظم مدرسہ اشرفیہ عربیہ)

● **مُرتّبہ** ●

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی
حضرت المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا چریا کوٹ

کتاب	حیات سراج الامت
بحکم فرمائش	حضرت ماسٹر محمد قاسم کھورمدنپور
مرتب ملفوظات	مولانا حکیم عبد المنان صاحب ہرسنگ پوری
طباعت بارِ سوم	سنہ ۲۰۱۲ء
قیمت	150 روپے

(۱) القاسمی ایجوکیشنل ٹرسٹ، مقام کھورمدنپور۔ فون:9570806326
(۲) جناب ابتہاج احمد صاحب، محلہ بٹوال، امروہہ، ضلع مراد آباد
(۳) مکتبۂ ضیاء الکتب، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی
(۴) حافظ فرحان احمد۔ جلگاؤں۔ فون:09766814038
(۵) مکتبہ اشرفیہ۔ مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا۔ فون:9934450409

فہرست مضامین

فہرست مضامین 3
کلماتِ برکات 5
حرفِ اوّل 8
سراج الاولیاء 12
ابتداء 20
پیدائش ووطن 25
والدمحترم 25
تعلیم وتربیت 26
تدریس 28
بیعت وقیام تھانہ بھون 28
قیام امروہہ 30
قیام الہ آباد 31
درس قرآن 31
علمی استعداد وذکاوت 32
الہ آباد کے تلامذہ 33
دوبارہ قیام امروہہ 34
حضرت اقدس کے اسفار 35
دورۂ تبلیغ وارشاد 40
حساس طبیعت 40
قیام ہرسنگ پور 40
دھموارہ کا قیام 41
مرزاپور کا قیام 41
قیام دھمسائن 42
مدرسہ اشرفیہ پوہدی بیلا میں تشریف آوری 43
بارش کی دعا 44
دعا کی قبولیت کے آثار 45
درزیا میں قیام 46
دلدل میں قیام 46
کھورمدنپور میں رات کا قیام 47
ملفوظات سنانے کے اجازت 48
کھور سے روانگی 49
حق تعالیٰ کی قدرت اور مصلحت 49
حضرت والا کا اطمینان وسکون 50

حضرت کی مصلحت بینی و باریک بینی 51
مدھے پور میں ضیافت 51
تموریا اسٹیشن 52
جمال چک میں قیام 54
سمتی پورا اسٹیشن 55
ذوق و مزاج 57
فنائیت 58
ضبط اوقات 58
استغنا و توکل 60
استقامت 61
اہل تعلق کی دلداری 63
ایک ٹھنڈی رات 64
کھانے میں رفقاء کی رعایت 65
متوسلین کی نفع رسانی 66
شان اصلاح و تربیت 68
ریا نہیں وسوسۂ ریا 69
خدا کا فضل اور بندہ کا عمل 70
نماز میں خشوع کی حقیقت 71
ایک غلط فہمی کا ازالہ 71
صدق و اخلاق 72
صبر کی حقیقت 73
کرامات و قبولیت دعا 74
وقت میں برکت 75
قبولیت دعا 75
ایک عجیب سرگزشت 76
کچھ انجانی باتیں 79
اعتماد علی اللہ کی برکت 79
زندہ کرامت 82
حضرت کی برکت 83
حضرت سے تعلق کی برکت 84
حضرت والا کے متوسلین 84
نکاح اور اولادیں 86
وفات 87
فہرست مجازین بیعت 88

کلمات برکات

احقر محمد قاسم ناظرین کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ سیدی و مرشدی قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، عمدۃ المحققین، مرجع اربابِ ہدایت، مرکز، دائرہ ولایت، عارف بارگاہِ احد، سراج الامت حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب قدس سرہٗ العزیز، ہم خدام و متوسلین کے درمیان موجود تھے۔ اور ہم گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کے لئے ایک روشن چراغ اور مکمل دلیل راہ تھے۔ حضرت کی ذاتِ سالکین کے لئے نعمت کبریٰ اور طالبین کے لئے غنیمت عظمیٰ تھی۔ سب اپنے اپنے ظرف کے مطابق اکتسابِ فیض کرتے تھے پھر دستورِ خداوندی کے مطابق یہ روشن چراغ ایک مدت تک دنیا کو فروزاں کر کے اپنے روشن کرنے والے کے حضور میں پہونچ گیا۔ حضرت کے متوسلین میں علماء بھی تھے اور اصحابِ قلم بھی!

دلوں میں خیال جمے، ارادے بھی ہوئے کہ حضرت کے حالات زندگی، جو اَب سینوں کی امانت بن چکے ہیں، انہیں سفینوں میں منتقل کر کے، امانت کا حق ادا کر دیا جائے، اس سلسلے میں کسی قدر پہل بھی ہوئی چنانچہ حضرت اقدس کے برگزیدہ خلیفہ و مجاز حضرت مولانا حکیم عبدالمنان صاحب صدیقی علیہ الرحمۃ نے اس کی طرح بھی ڈالدی تھی، مگر ابھی وہ تحریر بالکل ابتدائی مرحلہ میں تھی کہ ان کا بھی بلاوا خالق حقیقی کی طرف سے آگیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے حکیم صاحب کے وصال کے بعد ارادوں میں اضمحلال آگیا بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ کام نہ ہو سکے گا لیکن احقر کے دل میں بار بار یہ پیدا ہوتا تھا کہ ہمت نہیں ہارنی چاہئے، لیکن اپنے اندر اتنی صلاحیت نہیں پاتا تھا کہ چند سطریں ہی لکھ سکوں، مجبور ہو کر رہ جاتا۔

اسی دورانِ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے قلم سے نکل کر شائع ہوئی۔ یہ سوانح اس قدر دلچسپ، مرتب اور از دل خیزد بر دل ریزد کی مصداق ثابت ہوئی کہ بے اختیار دل سے تحسین اور دعائیں نکلیں، مولانا سے میری واقفیت پہلے ہی سے تھی، مجھے معلوم تھا کہ مولانا ایک بہترین مدرس اور طلبہ کے اعلیٰ درجہ کے مربی ہونے کے ساتھ تصوف وسلوک کے ذوق آشنا، اور مشائخ صوفیہ کے شیدائی و دلدادہ ہیں۔ صرف شیدائی ہی نہیں ان کے بہترین شارح وترجمان بھی ہیں، لیکن ان کے صاحب قلم ہونے کا اندازہ نہ تھا۔ "حیاتِ مصلح الامت" پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مولانا اعلیٰ درجہ کے صاحب قلم اور انشاء پرداز بھی ہیں۔ اسی وقت میں نے ازراہ بے تکلفی فرمائش کردی کہ مرشدی حضرت اقدس مولانا سراج احمد صاحب قدس سرہ کی سوانح حیات بھی آپ مرتب کردیں عرصہ کے بعد مولانا نے خود کو اس کام کے لئے فارغ کیا، اور کرم فرما کر مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا میں تشریف لائے، مدرسہ میں ایک ہفتہ قیام رہا۔ ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں مولانا نے سوانح مرتب کردی۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کے وقت میں بہت برکت رکھی ہے۔ تھوڑے وقت میں زیادہ کام مولانا کی خصوصیت ہے۔ اس ایک ہفتہ میں اگر مولانا کی مشغولیت کو دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہیکہ اتنی مختصر مدت میں اتنا اہم کام کیسے مکمل ہوگیا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

بعد نماز فجر روز آنہ پون گھنٹہ وعظ ہوتا۔ وعظ سے فارغ ہو کر تالیف وترتیب کے کام میں لگ جاتے۔ درمیان میں ناشتہ ہوتا۔ اسی وقت ملنے والوں سے ملاقاتیں بھی کرتے۔ بارہ بجے تک سوانح کی مشغولیت رہتی ظہر کی نماز کے بعد کھانا اور قدرے آرام کے بعد آس پاس کے قریبی مواضعات پروگرام کے مطابق کبھی بیل گاڑی سے اور کبھی پیدل تشریف لے جاتے، کبھی مغرب کے بعد اور کبھی عشاء کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وعظ کہتے، پھر رات ہی میں مدرسہ واپس آجاتے، رات کو تھوڑا آرام کرتے، اور پھر صبح وہی مشغلہ۔!

ہفتہ بھر کا روز آنہ یہی معمول رہا، اتنی مشغولیت اور آمد و رفت کے باوجود کتاب کا مکمل ہو جانا، حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی کرامت اور مولانا کے وقت میں برکت اور خاص فضل الٰہی کا نتیجہ ہے۔

ارادہ تھا کہ فوراً کتابت کرا کے کتاب جلد از جلد منظر عام پر شائع کر دی جائے گی۔ کتابت کا کام بھی مولانا ہی کے حوالے کیا گیا۔ انہوں نے کتابت مکمل کرا دی، مگر میرے حالات ایسے دگرگوں ہوئے کہ کتاب کی طباعت کا کوئی سامان نہ ہو سکا۔ اب اللہ کی حمد ثناء کے ساتھ یہ کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچا کر دل کی گہرائیوں سے اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ایک امانت اس احقر کے ہاتھوں اپنے بندوں تک پہنچا دی۔ اس سلسلے میں میرے جن جن دوستوں نے میری مدد اور ہمت افزائی کی ہے، سب کا میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ اور سب کے لئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

محمد قاسم عفی عنہ
مقام کھور مدنپور، مدہوبنی
ناظم مدرسہ اشرفیہ عربیہ
پوہدی بیلا، ضلع دربھنگہ

حرفِ اوّل

حق تعالیٰ کی تدبیر و انتظام کا ادراک انسانی عقل کیا کر سکتی ہے۔ قضا و قدر کی اعجوبہ کاریوں نے ہمیشہ عقل انسانی کو غرق حیرت رکھا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو اس پوری کائنات کا وسیع و عریض دامن تعجب خیز اور حیرت افزا وقائع و حوادث سے لبریز ہے، ایک سے بڑھ کر ایک، ہر آنے والا دن تاریخ کے دامن میں اتنے عجائب و غرائب کی سوغات ڈالتا جاتا ہے کہ اگر انھیں شمار کرنے بیٹھے تو عمر کی گنتی ختم ہو جائے گی مگر اِن عجائب کا شمار پورا نہ ہوگا جب عالم تمام آئینہ خانۂ حیرت ہے تو اِس پر کیا تعجب کیجئے کہ ایک اناڑی ایک عامی ایک بے حس و بے ادراک، علم کے نام سے کورا، ذوق و وجدان سے کورا، ایک اللہ والے کی ایک خدا رسیدہ کی۔ ایک صاحب فضل و کمال کی سیرت لکھنے بیٹھ جائے۔ حیرت انگیز واقعات میں ایک اضافہ اور سہی!

ابھی چند برس پہلے کی بات ہے کہ اسی کم سواد اور بے علم نے ایک اور جلیل القدر اللہ والے کی سیرت لکھنے کی جرأت کی تھی، ایسے اللہ والے کی جن کی بلندی شان اور رفعت مرتبہ کا اندازہ لگانے سے اچھے اچھے بصیرت والے عاجز تھے، انہی کی سیرت و سوانح ایک اناڑی نے لکھی، خیر یہ اِتنے تعجب کی چیز نہیں، تعجب اس پر ہوا کہ اہل نظر نے اسے قبولیت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ یقینا یہ انہیں بزرگ کی روحانیت کا اثر تھا ورنہ ادھر کی ہر نقدی کی کھوٹی ہر سکہ بے وزن اور ہر بات بے معنی ہوتی ہے۔ ابھی کئی دن کی بات ہے کہ عارف باللہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ جو حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی صاحب کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے، اور اپنے شیخ کے نمونہ! کچھ بزرگوں اور دوستوں کے حکم پر ان کی سوانح مرتب کی تھی، وہ جب شائع ہو کر ناظرین کے ہاتھوں میں پہونچی تو میرے ایک بزرگ جو

عرصہ سے اس عاجز و ناتواں پر شفقت کی نظر رکھتے تھے حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب دربھنگوی مدظلہ کی نظر سے بھی وہ کتاب گزری، حضرت موصوف نے اسی وقت اپنے دل میں ارادہ فرمالیا کہ وہ اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب امروہی کی سیرت نگاری کی سعادت اسی خاکسار کے سپرد کریں گے، چنانچہ کبھی زبانی اور کبھی تحریراً اس کا تذکرہ کرتے رہے، میں اپنی بے بضاعتی، کم مائیگی اور طبعی کاہلی کے باوجود اقرار کرتا رہا کہ میں ضرور اس سعادت کے حصول کی کوشش کرونگا، گو اپنی کاہلی پر نظر جاتی تھی تو حوصلہ سرد ہو جاتا تھا۔ میں الفاظ سے حضرت موصوف کو خوش کر دیتا تھا۔ مگر کام کے نام پر ذرا بھی اٹھنے کی ہمت نہ کرتا۔ وقت گذرتا رہا، حضرت امروہوی کی سیرت نگاری کا خیال دل کے گوشے میں دبا دبا کمزور سا ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے بمصداق

مہ دہد یزداں مراد متقیں

اس سال تعطیل عید الاضحی سے پہلے حضرت ماسٹر صاحب کے ایک عزیز اور میرے چہیتے دوست حافظ آفتاب عالم سلمہ مدرسہ پر تشریف لائے اور حضرت ماسٹر صاحب مدظلہ کا حکم سنایا کہ اس سال پوہدی بیلا کا سفر کرنا چاہئے، جہاں سے سوانح نگاری کا کام با آسانی انجام پاسکے گا، یعنی موصوف کے علاقے میں حضرت ماسٹر صاحب ایک عربی مدرسہ، مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ کے مہتمم ہیں، عید الاضحی کی تعطیل میں وقت کم ملتا، اور بارش کی بھی کثرت تھی، اس لئے میں نے امتحان ششماہی کی تعطیل میں جو ایک ہفتہ ہوتی ہے، حاضریٔ خدمت کا وعدہ کر لیا۔ حضرت ماسٹر صاحب نے اس سفر کا بہت اہتمام کیا۔ ۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کو امتحان ششماہی ختم ہوا۔ اسی دن میں دربھنگہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ساتھ میں حافظ آفتاب عالم صاحب مولوی محمد ہاشم فرزند حضرت ماسٹر صاحب، مولوی مہتاب عالم صاحب استاذ مدرسہ شیخ الاسلام اور مولوی ابوالخیر صاحب استاذ مدرسہ دینیہ غازیپور تھے، ۹؍ ربیع الاول کو صبح کے وقت ماسٹر صاحب کی خدمت میں

پہنچ گئے۔ حضرت موصوف نے نہایت سکون واطمینان کا ماحول مہیا کر دیا تھا۔ لیکن حضرت کی سوانح کے سلسلے میں جو معلومات فراہم کیں تھیں وہ بہت مختصر تھیں۔ میں انہیں دیکھ کر سمجھا کہ چند صفحات میں یہ قصہ تمام ہو جائیگا۔ مگر جب قلم اُٹھایا تو ایک ایک گوشہ روشنی میں آتا چلا گیا۔ ایک ہفتہ وہاں قیام رہا۔ لکھنے کی ترتیب یہ تھی کہ صبح ساڑھے چھ بجے سے قرطاس وقلم کی محفل ترتیب دیتا جو بیچ میں ناشتے کے مختصر سے وقفے کے علاوہ مسلسل قائم رہتی، بارہ بجے یہ محفل برخاست کر دیتا۔

دو دن فراہم شدہ معلومات کی چھان بین میں گزرے، چار دِن رہوارِ قلم صفحۂ قرطاس پر دوڑتا رہا اور سوانح کا اکثر حصہ وہیں تیار ہو گیا۔ چند صفحات مدرسہ واپس آ کر لکھے گئے۔

جو کچھ اور جیسا کچھ ایک بے علم اور کم سواد سے بن سکتا تھا۔ اسے ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ کوئی دعویٰ کمال نہیں، ادعائے خود بینی نہیں، تکلف کی خاکساری بھی نہیں، اگر اِس میں کچھ خوبی اور اچھائی نظر آئے، اور کسی صاحب پر کوئی اچھا اثر مرتب ہو، تو یہ صاحب سوانح کی روحانی برکت اور حضرت ماسٹر صاحب مدظلہٗ کی دعا و توجہ کا اثر ہے۔ بزرگوں کی نگاہیں نہ جانے کتنے مس خام کو کندن اور کتنی بے مایہ خاک کو کیمیا بنا چکی ہیں۔ اگر یہاں بھی اس کا تجربہ ہو جائے تو یہ میری اور ناظرین کی خوش بختی اور سعادت ہے، اور اگر اس میں عیب، کجی اور بے ڈھنگا پن نظر آئے۔ تو سمجھ جائے کہ لکھنے والے کے نفس امارہ نے اپنا مکروہ جلوہ دکھایا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اس کتاب کے دو جز ہیں ایک سیرت وسوانح پر مشتمل ہے، اس میں سفرنامہ کے علاوہ جو کچھ ہے، میرے ہی قلم سے ہے، سفرنامہ حضرت مولانا حکیم عبدالمنان صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ جو حضرت کے بہت محبوب خلیفہ تھے۔

کتاب کا دوسرا جزو صاحب سوانح کے ملفوضات کا ہے، یہ تمام تر حضرت مولانا حکیم عبدالمنان صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اس پر نظر ثانی حضرت مفتی نسیم احمد صاحب امروہوی علیہ الرحمہ نے کی ہے۔ اس کا پیش لفظ حضرت حکیم صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے۔ ملفوظات کی دلآویزی اور تاثیر کا اندازہ پڑھنے ہی سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اعجاز احمد اعظمی
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اعظم گڈھ
۲۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری پچھرا چریا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

سراج الاولیاء

(از حضرت مولانا محمد فاروق صاحب الہ آبادی مدظلہٗ)

سوانح کی ترتیب وتکمیل ہوچکی تھی مگر طبیعت کو احساس تھا کہ اس کا ایک حصہ قیام الہ آباد کا بیحد تشنہ ہے، اس کے لئے بعض اکابر سے رابطہ قائم کیا گیا مگر خاطر خواہ معلومات فراہم نہ ہوسکیں۔ اسی دوران مخدوم محترم حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب دامت برکاتہم نے ہدایت فرمائی کہ حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اتراواں الہ آباد سے رجوع کرو، وہ حضرت اقدس کے شاگرد ہیں، ان سے مفصل معلومات حاصل ہوں گی۔ یہ اطلاع میرے لئے نئی تھی، میں نے فوراً حضرت موصوف سے رابطہ قائم کیا۔ حضرت مولانا نے میرے عریضہ کے جواب میں ایک مبسوط مقالہ قلمبند کرکے بھیجا، یہ مقالہ بہت مستند اور موثر ہے، اس لئے من وعن نقل کیا جارہا ہے۔ سوانح میں قیام الہ آباد کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اگر زیر نظر مضمون سے کچھ مختلف ہو تو اسی مضمون کی معلومات کو صحیح سمجھنا چاہئے۔ چونکہ سوانح کی کتابت ہونے کے بعد یہ مضمون دستیاب ہوا، اس لئے اس میں ترمیم وتنسیخ نہ کی جاسکی۔ (مرتب)

الہ آباد کے متعدد دائروں میں سے ایک دائرہ، دائرہ شاہ عبدالجلیل صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ اس محلہ کا نام ”چک عبدالجلیل“ ہے، اس محلہ میں ایک گھرانہ عبدالباقی خاں مرحوم کا ہے۔ عبدالباقی خاں صاحب شہر کے سربرآوردہ بارسوخ، بہت ہی زیرک اور دلیر رئیس اور شہر کے لیڈر تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے محب اور محبوب مرید تھے، محلہ مذکور میں حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا وعظ المسمی بہ ”الظاہر“ ہوا تھا، انھیں بزرگ شاہ عبدالجلیل صاحب کے مزار کے ایک در پر کھڑے ہوکر بیان فرمایا تھا، خانصاحب مرحوم مذکور الصدر کی وجہ سے ان کا گھرانہ اور اہل محلہ حضرت تھانویؒ کے معتقد تھے، دینی جذبہ کے تقاضا سے ایک مکتب مدرسہ اشرفیہ کے نام سے

قائم کیا تھا۔ جو مکتب ہی کی صورت میں مدت تک جاری رہا، پھر اس میں درس نظامیہ جاری کرنے کا خیال ہوا۔ اسکے لئے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کیرانوی تشریف لائے۔ نظم و اہتمام کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ شہر میں دیوبندی مکتب فکر کے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی۔ جامع مسجد چوک الہ آباد میں مدرسہ سبحانیہ اور جناب مولانا حکیم فخر الدین صاحب مرحوم کا مدرسہ مصباح العلوم پہلے سے قائم تھا۔ ان میں بھی تنزل شروع ہوگیا تھا۔ مدرسہ اشرفیہ مذکورہ کی نہ تو کچھ شہرت تھی اور نہ کوئی باقاعدہ نظام تھا، لہذا طلبہ کا رجوعہ بھی بہت کم تھا۔ ۱۹۳۹؁ء کے لگ بھگ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک مہلک پھوڑے میں مبتلا ہوگئے، الہ آباد میں علاج سے جب فائدہ نہ ہوا اور تکلیف بڑھی تو وطن کیرانہ تشریف لے گئے، اور چند ہی روز میں رہگذار عالم جاودانی ہوئے۔ انا للہ الخ

اس کے بعد سراج الاولیاء، عمدۃ الصلحاء حضرت مولانا سراج احمد خانصاحب امروہوی رحمتہ اللہ علیہ اسی مدرسہ اشرفیہ میں تشریف لائے اور ایک مدت تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، باہر کے طلبہ تو تھے نہیں، مقامی طلبہ بہت ہی قلیل تعداد میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وہ بھی نہ رہے، حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں قرآن شریف کی تفسیر بھی بعد نماز ظہر بیان فرماتے تھے، جس سے لوگ بہت متاثر اور محظوظ ہوتے تھے، باہر سے امداد و چندہ کا سلسلہ تو تھا نہیں، اپنی جماعت بھی قلیل تھی، پڑھنے والوں کا بھی فقدان، اسلئے حضرت کا ارادہ مراجعت فرمائے وطن ہونے کا ہوا، مگر لوگوں کو حضرت سے ایک تعلق ہوگیا تھا، اور تفسیر کلام پاک کی افادیت کا بھی احساس تھا، اسلئے باصرار والحاح روزمرہ مختلف مساجد میں درس قرآن کے بہانے سے روک لیا، اس میں زیادہ دخل اور کوشش جناب محمد مبین صاحب مرحوم کی طرف سے تھی، جو ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھے اور باہر کے رہنے والے تھے اور غالباً مسلک اہل حدیث رکھتے تھے۔

حضرت مولانا مدرسے سے الگ ہو کر بڑے اسٹیشن کے قریب مسجد شیخ عبداللہ مرحوم میں واقع مدرسہ احیاء العلوم میں قیام پذیر ہو گئے، جو بالکل ویران اور خالی تھا۔ اور ہے، اور وہیں سے مختلف مساجد میں بعد نماز ظہر تفسیر قرآن پاک بیان فرمانے کا التزام فرمالیا۔ ایک روز مدرسہ اشرفیہ کی مسجد میں، ایک روز ڈھال والی مسجد میں جو بخشی بازار میں اب "مولانا کی مسجد" (یعنی مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کی۔ مرتب) کہلاتی ہے، ایک روز حسن منزل کی مسجد میں، ایک روز شاہ گنج کی مسجد میں، ایک روز شیخ عبداللہ کی مسجد میں ایک روز کسی اور مسجد میں جو اِس وقت یاد نہیں۔

جاڑا ہو، گرمی ہو، برسات ہو، ظہر سے قبل قرآن شریف بغل میں داب کر پیدل ہی سر جھکائے نظریں نیچے کئے چل دیتے تھے، مجال نہیں کہ کسی روز ناغہ ہ، ایک مدت دراز تک یہی معمول رہا۔ معمول میں فرق نہ آیا۔ تفسیر بیان القرآن سامنے ہوتی تھی۔ علوم اشرفیہ کی بارش ہوتی تھی، وہ علوم ومعارف کہ سبحان اللہ وہ حقائق ودقائق کہ صل علیٰ، روح عش عش کرتی تھی۔ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اہل الٰہ آباد نے قدر نہیں کی۔

اسی زمانۂ قیام مسجد شیخ عبداللہ مرحوم میں بندہ بغرض حصول علم خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میزان ومنشعب وپنج گنج اور قدوری حضرتؒ سے پڑھا۔ بقیہ کتابیں مدرسہ سبحانیہ میں پڑھتا رہا، بعض وجوہ سے مستقلاً مدرسہ سبحانیہ میں داخلہ ہو گیا۔ متوسطات پڑھ ہی رہا تھا کہ مظاہر علوم سہارنپور چلا گیا۔ چند ماہ کے بعد بیمار ہو کر گھر آ گیا۔ بعد صحت سہارنپور جا رہا تھا کہ راستہ میں دلی کے قریب حادثہ کا شکار ہو گیا یعنی بس کے نیچے آ گیا۔ زندگی تھی کہ بچ گیا۔ جسم کے بعض ہی حصے زد میں آئے جس کی وجہ سے سال بھر صاحب فراش رہا۔ اچھا ہونے کے بعد پھر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر مختصر معانی، قطبی، میر قطبی، میبذی، ہدایہ اور جلالین پڑھی اور مظاہر علوم سہارنپور جا کر دورۂ حدیث میں شامل ہوا، یہ سنہ ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا۔

بچپن سے مزاج مناظرانہ تھا، اہل باطل روافض اور رضا خانیوں سے مقابلہ رہتا تھا۔ پڑھنے کے زمانہ میں ایک جگہ کتاب مناظرہ رشیدیہ مل گئی۔ کچھ سمجھتا بوجھتا تو تھا نہیں، کتاب ہاتھ آئی تو بہت خوشی ہوئی کہ بس اب مناظرہ کرنا آجائے گا، اس کو پڑھنا چاہیے، خوش سبق کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت ایک کتاب مناظرہ رشیدیہ ملی ہے اس کو پڑھا دیجئے ہنس کر فرمایا، اس کو پڑھ کر کیا کیجئے گا، عرض کیا مناظرہ کریں گے۔ فرمایا کس سے کریں گے، عرض کیا اہل باطل سے کرینگے، مثلاً روافض سے رضا خانیوں سے، فرمایا تو پھر کیا ہوگا؟ عرض کیا کہ بس پھر ہم غالب ہوں گے۔ اور اہل باطل مغلوب ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت نے قدرے سکوت فرما کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا کہ میاں مولوی حافظ فاروق صاحب اب اس زمانے میں اصول بیکار ہو گئے ہیں۔ کون اصول کو سننے والا اور سمجھنے والا ہے، اب اصول وانصاف کہاں؟ اب تو مکر وخداع، کذب اور مجادلہ کے سوا کچھ نہیں رہ گیا۔ اس لئے اس قسم کی کتابیں پڑھ کر کیا کریں گے، یہ سن کر میری ساری خوشی کر کری ہوگئی، اور مایوسی طاری ہوگئی، مجھ کو مایوس دیکھ کر ازراہ شفقت فرمایا، اچھا جب آپ کو شوق ہی ہے تو لائیے پڑھ ہی لیجئے۔ اور پھر چند عرصے میں پوری کتاب پڑھا دی۔ حضرت کو علوم وفنون درسیہ مستحضر تھے، بہت اچھی طرح سے کتاب سمجھا دیتے تھے، نفس کتاب سمجھنے اور سمجھانے پر زور دیتے تھے، اگر کبھی کوئی حاشیہ کی یا کوئی خارجی بات پوچھی یا اشکال کیا تو فرماتے کہ کیا آپ "خارجی" ہونا چاہتے ہیں، ارے نفس کتاب تو سمجھ میں آجائے، خارج کی بات مت کیجئے۔ ناغہ میری طرف سے ہوتا تھا، ورنہ حضرت تو کسی حال میں ہوتے پڑھانے میں ذر کسل یا لیت ولعل کو دخل نہ دیتے ایک روز تقریباً ۹ بجے دن میں کتابیں لیکر حاضر خدمت ہوا۔ درس گاہ میں گدے پر زمین ہی پر ننگے بدن لیٹے ہوئے تھے۔ لیٹے لیٹے ہی سب اسباق پڑھائے۔ آواز میں کچھ ضعف ونقاہت تھی، میں نے عرض کیا حضرت کچھ تکلیف ہے۔ فرمایا آج کل اجابت میں خون آرہا ہے۔ آج صبح آدھ سیر خون آیا ہے، اس سے کچھ

ضعف ہو گیا ہے، سبق میں علم و عرفان کی بارش فرماتے تھے۔ تھانہ بھون کے اور حضرت تھانوی قدس سرہ کے واقعات اور اقوال و احوال بیان فرماتے، سیاسی بحران کا زمانہ تھا ہی، اس وقت کے سیاسی واقعات اور تھانہ بھون کے بصیرت افروز معاملات کا ذکر فرماتے، اور خود خوب خوب عالمانہ تبصرہ فرماتے، بڑی بصیرت حاصل ہوتی، بڑا لطف آتا، ایک مرتبہ مست ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ باتیں کہاں سننے کو ملیں گی، ایسا جی چاہتا ہے کہ یہ سب باتیں دل و دماغ میں بھر لیں، افسوس کہ یہ ہیرے جواہرات ضائع ہو رہے ہیں۔ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ ان کو لکھ لیا کروں، ارشاد فرمایا: لکھ کر کیا کریں گے، وہ بھی کاپی میں رہے گا، ایسا کیوں نہیں کرتے کہ خود صاحب ملفوظات بنیں، آخر تو بننا ہی ہے، آپ لوگوں کو تو ہماری آواز بننا ہے، ہمارے بعد ہماری آواز قوم کو کون پہونچائے گا۔ ایسا ہی ہوتا آیا ہے، ایسا ہی ہونا چاہئے، سبحان اللہ، کتنی عمدہ بات فرمائی۔

کمترین کے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد تازیانہ ثابت ہوا، ہمیشہ برابر یہ خیال دامن گیر رہا۔ عرصہ کے بعد ایک کتاب میں حضرت امام مالک بن انس علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد نظر سے گزرا جو اپنے تلامذہ سے اس موقعہ پر جبکہ آپ کی زبانِ مبارک سے نفیس علم و معرفت کی باتیں سن کر تلامذہ نے قید تحریر میں لانے کے لئے قلم و دوات سنبھالنا شروع کیا تو ارشاد فرمایا تھا۔

تعلموا وتفقهوا حتى تستنير	علم حاصل کرتے رہو اور سمجھتے رہو یہاں تک کہ تمہارے
قلوبكم ثم لا تحتاجون الى الكتابة	قلوب نورانی ہو جائیں، پھر تم لکھنے کے محتاج نہ رہو گے۔

حضرت امام عالی مقام کا یہ قول دیکھ کر ایک تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد عالی کی صداقت پر مزید شرح صدر ہوا۔ دوسری طرف اپنے خیال میں مزید پختگی ہوئی۔ اسی طرح حضرت نے بڑی ہی قیمتی قیمتی، کارآمد اور مفید پند و نصائح سے سرفراز فرمایا، بہت سوں پر الحمد للہ عمل کی توفیق ہوئی۔ جن کے حد درجہ مفید ہونے کا اپنے اپنے موقعہ پر مشاہدہ بھی ہوتا رہا۔

فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

عجیب شان تھی حضرت والا کی، اپنی معیشت کے سارے امور خود انجام دیتے تھے عرصہ تک خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا، مگر کبھی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کی بھی فرمائش نہ کی۔ حتیٰ کہ ایک گلاس پانی لانے کا بھی حکم نہ دیا "تم" کبھی نہ کہا ہمیشہ "آپ" کہہ کر خطاب فرماتے۔ کلام کتنا ہی روا ہو، کتنی ہی جلدی ہی ہو۔ مگر کبھی سیدھا سادھا نام نہ لیا۔ جب تخاطب فرماتے "میاں مولوی حافظ محمد فاروق صاحب" ہی فرماتے کبھی اس میں تخلف نہیں ہوا، میں ناغہ اکثر کرتا۔ جمعرات کو گھر جاتا مگر کبھی خفا نہ ہوئے نہ شکایت کی ایک مرتبہ میری غیبت میں میرے بڑے بھائی صاحب مرحوم میری شکایت کرنے لگے تو ہنس کر فرمایا کہ ان کو کچھ نہ کہیئے مجھے ان کا مزاج معلوم ہے وہ اپنی آزاد مزاجی میں معزور ہیں اسی لئے میں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے۔ اللہ اکبر

ا: یہ بات اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ حضرت والا مغربی یوپی کے رہنے والے تھے جہاں (آئندہ پر)

از راہ ذرہ نوازی میری درخواست پر متعدد بار سرزمین اتراؤں کو بھی قدوم میمنت سے مشرف فرمایا۔ میرے پڑھنے کے زمانے میں الٰہ آباد اور بنگال کے دو ایک طلبہ بھی ان سے پڑھتے تھے، پھاپھامئو اور مئو آئمہ کے وسط میں ایک موضوع سویتھ ہے۔ وہاں کے رہنے والے جناب مولوی محمد صدیق صاحب مظاہری حضرت سے بعیت تھے، وہ اکثر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ بعد میں وہ منجانب حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجاز بعیت ہو گئے ابھی بقید حیات ہیں بوڑھے ہو گئے ہیں چراغ سحری ہیں۔

الٰہ آباد تشریف آوری سے قبل ایک مدت تک خانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون میں منجانب شیخ مدرسی پر مامور تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں پڑھانے کا انتظام تھا، مگر خانقاہ میں آنے جانے والے لوگوں نے بھی مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی استفادہ فرمایا تھا۔ چالیس روپیہ مشاہرہ مقرر تھا، اہل وعیال بھی ہمراہ

تھے، پہلی تاریخ کو بعد نماز ظہر حضرت تھانوی قدس سرہ خود ہی مدرسوں کے پاس جا کران کو تنخواہ دیتے تھے۔ حضرۃ الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت کا یہ معمول میں نے دیکھا تو بعد نماز ظہر میں حاضر ہو کر تنخواہ لے لیتا تھا، گھر میں بچہ پیدا ہوا تو حسب معمول تنخواہ لینے حاضر ہوا تو حضرت نے چالیس روپئے عنایت فرمانے کے بعد پانچ روپئے مزید عنایت فرمائے، اور فرمایا کہ گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے۔ خرچ کچھ بڑھ گیا ہوگا۔ دورانِ قیام الہ آباد میں شیخ شیخنا حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ لکھنو بغرض تشریف لائے۔ محلہ مولوی گنج میں مولانا محمد حسن صاحب مالک احسن المطابع کے یہاں قیام تھا، خلفاء اور متوسلین کا بڑا مجمع جمع ہو گیا تھا۔ حضرت مولانا بھی الہ آباد سے تشریف لے گئے۔ مسجد خواص میں نماز ہوتی تھی اور وہیں بعد عصر مجلسِ عام ہوتی تھی۔ جب حضرت مولانا تشریف لے گئے تو مسجد خواص میں سامان رکھا، پیروں میں کچھ تکلیف تھی، دونوں پیر میں معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لنگ ہے۔ بہر حال پیروں میں زیادہ طاقت نہ تھی، سفر کر کے گئے تھے، تھک گئے تھے، جاتے ہی مسجد میں لیٹ گئے، حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے بے تکلف پاؤں دبانا شروع کر دیا، اور دیر تک دباتے رہے، اور مولانا خاموش دبواتے رہے، عوام وخواص کا بڑا مجمع موجود تھا سبحان اللہ کیسے بے نفس لوگ تھے، اب ایسے حضرات کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس رہی ہیں۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) مادری اور گھریلو زبان میں اپنے بڑوں کو بھی تم کہنے کا عام دستور ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا نے آداب کے پیکر میں خود کو کتنا ڈھال لیا تھا۔

الاستقامة فوق الکرامة (استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے) سنتے تھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس میں اس کی زندہ نظیر اور نمونہ دیکھ لیا۔ اپنے معمولات کے نہایت درجہ پابند تھے، گویا ایک مشین تھی جو نہایت ترتیب کے ساتھ سب کام منظم طور پر انجام دے رہی تھی، ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا، انقطاع وتبتل کی شان نمایاں تھی، دنیا میں کچھ ہو، اپنے کام سے کام

تھا، بس احیاالعلوم کا حجرہ تھا، اور مولانا تھے، تنہائی اور ہمہ وقت یادِ الٰہی نماز نہایت خشوع وخضوع اور طویل رکوع وسجود کے ساتھ ادا فرماتے جماعت کی کمال درجہ پابندی تھی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، الٰہ آباد والوں نے قدر نہ کی توجہ کم ہوتی گئی، مبین صاحب مرحوم بھی نہ رہے۔ لہٰذا مراجعت فرمائے وطن ہونے کا فیصلہ فرما لیا۔ حسن منزل کے حاجی عبدالوحید صاحب کبھی کبھی اپنے یہاں بلاتے تھے، حضرت مولانا تشریف لاتے اور ہفتہ عشرہ قیام فرماتے، زمانۂ قیام الٰہ آباد میں حاجی صاحب نے بھی کچھ حضرت تھانوی کی کتابیں حضرت مولانا سے پڑھی تھیں۔

جب اپنے وطن ہندوستان کے مشہور تاریخی شہر امروہہ پہونچے تو امروہہ کے عظیم الشان مدرسہ جامعہ اسلامیہ عربیہ میں درس وتدریس پر مامور کئے گئے، نیز مدرسہ کی جامع مسجد میں جمعہ وعیدین کے خطیب بھی رہے، یہ مدرسہ قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتوی قدس سرہ کے ایماء سے قائم ہوا تھا۔ جس کو آپ کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا سید احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاگرد امامین ہمامین نانوتوی وگنگوہی قدس سرہما محدث ومفسر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب صدیقی سہروردی محشی بیضاوی ومطول ومختصر معانی رحمۃ اللہ علیہ نے پروان چڑھایا، اسی مدرسہ میں ہمارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی گزار دی۔ آخر وقت موعود آگیا اور یہ نمونۂ اسلاف بلبل چمنستان اشرفی، میرا محسن، میرا شفیق مربی اور میرا مشفق ومہربان استاد عالم فانی کو چھوڑ کر بگذر عالم جاودانی ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

احقر محمد فاروق

اتراؤں الٰہ آباد

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَعَلٰی آلِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

سنہ ۱۹۶۹ء کے اواخر کا مہینہ تھا۔ ہم چند طالب علم نیرنگی تقدیر سے حصول علم کیلئے مغربی یوپی کے ایک مشہور قصبہ امروہہ میں جا پہونچے۔ امروہہ کے محلہ چلہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ دارالعلوم چلہ کے نام سے قائم تھا۔ اسی میں داخلہ ہوا، رہائش کے لئے جو حجرہ ملا، اس کا ایک دروازہ باہر سڑک کی طرف کھلتا تھا۔ جاڑوں کا موسم تھا اسلئے وہ دروازہ اکثر بند رہتا تھا۔ ایک روز صبح تعلیمی وقت سے کچھ پہلے کسی ضرورت سے دروازہ کھولا تو باہر سڑک پر دیکھا کہ ایک ضعیف العمر زرگ عصا بدست نہایت وقار اور آہستگی کے ساتھ سر جھکائے نظر سامنے جمائے ہوئے، جس میں ڈائیں بائیں التفات کا شائبہ بھی نہیں چلے جا رہے تھے۔ نظر ان پر پڑی اور جم کر رہ گئی۔ چہرہ پر ایک خاص طرح کی ہیبت برس رہی تھی لیکن اس ہیبت کے ساتھ بڑا اُنس محسوس ہو رہا تھا۔ بڑھاپے نے قامت کسی قدر جھکا دی تھی، جوانی میں خوب کشیدہ قامت رہے ہوں گے، چہرہ بڑا، ناک اونچی، داڑھی خوب بھری ہوئی۔ بدن کسی قدر بھاری، رفتار میں حد درجہ تناسب غلبہ ضعف کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب بیٹھے تب بیٹھے مگر وہ آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے جب تک نظر آتے رہے۔ نگاہ انہی پر جمی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو دل میں سوال پیدا ہوا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ حالانکہ طالب علمانہ لاابالی پن بہت زیادہ تھے۔ بزرگوں سے مناسبت زیادہ نہ تھی مگر یہ شخصیت دل میں کھب گئی۔ دوسرے دن پھر اسی وقت دروازہ کھولا تو آج بھی وہ بزرگ اسی شان کے ساتھ نظر آئے، پھر تو ہر روز کا معمول ہو گیا۔ میں ٹھیک اسی وقت دروازہ کھولتا اور وہ بزرگ ہر روز اس وقت ٹھیک اسی جگہ نظر آتے جہاں پہلے دن نظر آئے تھے، ان کے ضعف

و ناطاقتی کو دیکھتا، پھر ان کی جواں ہمتی اور استقامت دیکھتا تو طبیعت حیرت میں پڑ جاتی۔

دو تین روز کے بعد اپنے ایک استاد سے ان بزرگ کا تذکرہ کیا اور انکی استقامت و پختگی عمل پر اپنی حیرت بھی ظاہر کی۔ فرمایا کہ انھیں تم نہیں جانتے یہ حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت مولانا سراج احمد صاحب ہیں، جامع مسجد میں پڑھاتے ہیں۔ اس وقت ان کے بارے میں اتنی معلومات کافی تھیں، کچھ اور نہیں تحقیق کی، اور نہ دریافت کیا لیکن ان کی پابندیٔ اوقات کو دیکھتا رہا، جاڑا گزرا، گرمیاں آگئیں اور مولانا کی آمد و رفت اسی شان کے ساتھ قائم رہی، برسات کی جھڑی لگی، حجرہ نشینوں تک کے حالات درہم برہم ہونے لگے لیکن مولانا کی پابندیٔ اوقات کا راستہ نہ بارش روک سکی، نہ ابل کر بہ پڑنے والی نالیاں، نہ راہ کی کیچڑ اور غلاظتیں، مولانا اسی شانِ وقار کے ساتھ مقررہ وقت پر جامع مسجد کی طرف جاتے نظر آتے، پھر کبھی کبھی جامع مسجد میں پڑھنے والے طلبہ سے مولانا کی بزرگی اور خلوص وللہیت کے تذکرے سننے میں آئے، طبیعت ان سے متاثر تو تھی ہی، ان تذکروں کے بعد مزید عظمت دل میں بیٹھ گئی۔

ایک روز مدرسہ کے کتب خانہ میں ماہنامہ رسالوں کو الٹ پلٹ رہا تھا اس میں ایک شمارہ ماہنامہ اشرف العرفان کا مل گیا۔ جو پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ سے مولانا حکیم عبدالمنان صاحب کی ادارت میں اسوقت نکل رہا تھا۔ اس کے اوراق پلٹے تو انہیں مولانا کے ملفوظات نظر پڑے، پڑھا تو پڑھتا چلا گیا، پڑھ لینے کے بعد ایسی فرحت اور تازگی دل میں محسوس ہوئی جیسے گرمیوں کی شدت اور پیاس کی سختی میں نہایت ٹھنڈا اور لذیذ شربت پی لیا ہو۔ اور پرچے تلاش کئے تو دو تین اور مل گئے اور تمام ملفوظات حرفاً حرفاً پڑھ گیا۔ وہی دلآویزی اور تاثیر محسوس ہوئی، جیسی حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات پڑھنے سے محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت تک حضرت تھانوی کے ملفوظات پڑھنے کا کم ہی اتفاق ہوا تھا۔ دل نے کہا کہ ان باتوں میں تھانہ بھون کا رنگ پورے طور پر نمایاں ہے ملفوظات پڑھنے کے بعد حضرت مولانا کی عارفانہ اور عالمانہ شان جلوہ

گر نظر آنے لگی۔ یہ ملفوظات کچھ اس درجہ دلآویز اور دلچسپ تھے کہ ان کا بیشتر حصہ مجھے یاد ہوگیا، اور اب تک ذہن میں محفوظ ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد تدریسی مصروفیات میں زندگی مشغول ہوگئی۔ اسی سلسلہ میں کچھ دنوں تک الہ آباد میں رہنا ہوا۔ الہ آباد میں ایک قصبہ پھولپور ہے وہاں ایک مدرسہ کے سنگ بنیاد کے سلسلے میں ایک جلسہ ہوا، جس میں مَیں بھی شریک تھا۔ عشا کے وقت وہاں حاضری ہوئی، تحقیق کی کہ اور کون کون سے علماء تشریف لائے ہوئے ہیں، کسی نے بتایا کہ مولانا صدیق صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ذہن حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی کی طرف گیا، مگر معلوم ہوا کہ یہ دوسرے مولانا صدیق صاحب ہیں، جو الہ آباد ہی ضلع کے ایک قصبہ سویتھ کے رہنے والے ہیں۔ اور بڑے رتبہ کے بزرگ ہیں، غایتِ شوق میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا، پہلی ملاقات تھی، مگر دل پر ایسا اثر ہوا کہ حدِ بیان سے باہر، اور پھر رات میں جب ان کا بے تکلف اور برجستہ وعظ سنا، تو اپنی وعظ گوئی پر شرم آنے لگی۔ ایسا موثر، معلومات افزا، روح پرور اور ایمان افروز وعظ سننے کا بہت کم اتفاق ہوا تھا، الفاظ جو اِن کے منہ سے نکل رہے تھے، الفاظ نہ تھے، بجلی تھی، جو بار بار دل پر کوند رہی تھی، ایسی لذت و مستی چھا گئی کہ بے ساختہ زبان سے نکلا کہ یہ سفر سوارت ہوگیا اور افسوس ہونے لگا کہ میں ان کو اب تک کیوں نہیں جانتا تھا۔ مجھے ان سے ایسی مناسبت ہوئی کہ جب تک وہ پھولپور میں رہے، میں ان سے جدا نہیں ہوا، بزرگی کے رعب سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، مگر انھوں نے ایسی شفقت فرمائی کہ ہمت کر کے چند باتیں پوچھ ہی لیں۔ مجھے سب سے زیادہ جستجو اس کی تھی کہ یہ نور و جمال اور یہ تاثیر و کمال، جو انھیں حاصل ہے اس کا منبع فیضان کہاں ہے؟ مولانا نے پوچھنے پر بتایا کہ جو کچھ آپ محسوس کرتے ہیں یہ فیض ہے میرے شیخ حضرت مولانا

سراج احمد صاحب امروہوی کا۔ میں نے تعجب سے دریافت کیا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے الہ آباد کے باہر بہت کم قدم نکالا ہے، حضرت مولانا کی ملاقات آپ کو کہاں سے حاصل ہوئی، فرمایا کہ حضرت مولانا بہت دنوں تک الہ آباد میں تشریف فرما رہے ہیں۔ اب حضرت مولانا کی عظمت کا کسی قدر ادراک ہونے لگا۔

الہ آباد ہی کے زمانۂ تدریس میں ایک بار خانقاہ وصی اللہی میں بہار کے چند بزرگ تشریف لائے۔ ان بزرگوں کی صورت دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، چہرہ پر معصومیت برستی تھی، نہایت متواضع اور خاشع، قرآن میں عباد الرحمن کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ان کا نمونہ۔ ملاقات اور تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حضرات امروہہ جارہے ہیں۔ حضرت مولانا سراج احمد صاحب کے متوسلین و منتسبین کے زمرہ میں داخل ہیں اس سلسلہ میں امروہہ جارہے ہیں۔ حضرت مولانا کا وصال ہوگیا ہے ان میں ایک بزرگ مولانا حکیم عبدالمنان صاحب ہیں جن سے اس ایک ملاقات کے بعد دوبارہ ملاقات نہیں ہوئیں، وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

دوسرے مخدوم محترم حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب ہیں جن کی شفقتیں اور عنایتیں بعد میں خوب حاصل ہوئیں۔

ان حضرات کی بزرگ للہیت، خاموشی اور سادگی دیکھ کر حضرت مولانا کی عظمت و رفعت کا مزید احساس ہوا لیکن اب اس کے ساتھ حسرت کا عنصر بھی شامل ہوگیا کہ ایسے بزرگ کی ان کی حیات میں قدر نہ ہوئی۔ اب جبکہ کسی قدر معرفت حاصل ہو رہی ہے تو وہ دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، یہ کم نصیبیاں نہ جانے کتنے محروم انسانوں کا نصیبہ بن چکی ہیں، آدمی ایک نعمت کو پاتا ہے، اس کو اپنے قریب محسوس کرتا ہے، اسے چھوتا ہے، اسے برتتا ہے اور پھر اس سے بے پروا رہتا ہے اور اس کی قدر اسے اس وقت نہیں ہوتی اور نہ اسے پہچانتا ہے بلکہ پہچاننے

کاارادہ بھی نہیں کرتا، سورج چمکتا رہتا ہے اور آہستہ آہستہ مغرب کی جانب اپنی منزلیں طے کرتا رہتا ہے، اس کی روشنی میں ہر چیز نمایاں ہوتی ہے، آنکھوں کا نور بھی اس کی روشنی کا سہارا پا کر خوب کام کرتا ہے، اس وقت احساس نہیں ہوتا کہ کتنی بڑی دولت حاصل ہے، لیکن جب وہ چھپ جاتا ہے اور اسے نہ پا کر آنکھوں کی بینائی بھی اپنی قوت کار کھو دیتی ہے، جب احساس ہوتا ہے کہ کیسی عجیب نعمت حاصل تھی اور اب کھوگئی۔ ٹھیک یہی حال بزرگوں کے وجود کا بھی ہے وہ جب تک ہمارے درمیان موجود ہوتے ہیں ہمیں نہ ان کی معرفت ہوتی اور نہ اس معرفت کی فکر ہوتی. ہم سوچتے ہیں کہ ہماری ہی طرح ہمارے درمیان ایک انسان ہیں، ہماری ہی طرح کھاتے پیتے ہیں، ہماری ہی طرح صحت و بیماری سے دوچار ہوتے ہیں، ہماری ہی طرح ضروریات وحاجات کے دائرہ میں محصور ہیں۔ پھر ان کا کیا امتیاز ہے کہ انکی جانب خصوصی التفات کیا جائے، یا کون سی خاص دولت ونعمت ہے، جو ان سے حاصل کی جائے، اور اس کے لئے ان کے حضور میں خصوصی حاضری دی جائے، اپنی اس خام خیالی میں انسان خام ہی رہ جاتا ہے اور پختگی کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے، تاریخ کی نگاہوں نے انسان کی یہ حرماں نصیبیاں اس کثرت سے دیکھی ہیں، گویا یہ انسانی تقدیر کا ایک لازمی عنصر ہے لیکن حرماں نصیبی پھر حرماں نصیبی ہی ہے۔ اس پر افسوس وحسرت ناگزیر ہے اور اگر یہ حسرت آدمی کے لئے تنبیہ وعبرت کا تازیانہ بن جائے اور جو نعمتیں اسے بروقت میسر ہیں، ان کی قدرشناسی اور عرفان کا جذبہ بیدار کردے تو اس حسرت پر تمام خوش نصیبیاں قربان!

حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہ سے جب مزید قرب ہوا اور تعلقات عام تعلقات کے دائرہ سے اٹھ کر خصوصیت کے حدود میں داخل ہوئے تو حضرت مولانا سراج احمد صاحب علیہ الرحمہ کے حالات مزید روشنی میں آتے چلے گئے۔

پیدائش و وطن: آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مولانا امروہہ کے رہنے والے تھے، امروہہ مغربی یوپی کے شہروں اور قصبات میں ایک خاص مقام کا حامل ہے۔ اس سرزمین سے ہمیشہ ارباب فضل وکمال اٹھتے رہے، کتنے اکابر بزرگان دین ہیں، کتنے ہی بڑے بڑے ادباء و شعراء ہیں، کتنے حاذق وماہر اطباء ہیں جو خاک امروہہ سے اٹھے اور اپنے فضل وکمال کا خراج تحسین دنیا سے وصول کیا۔ بزرگوں میں خواجہ عضد الدین، شاہ عبدالہادی اور شاہ عبدالباری صاحب سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامور مشائخ میں سے ہیں، جن کے انفاس قدسیہ سے امروہہ ایک طویل عرصہ تک علماء وصلحاء کا مرجع بنا رہا۔ علماء میں حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب اور حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدی اسی قصبہ کی زینت تھے۔ شعراء وادباء کی تو کوئی گنتی ہی نہیں اور ان سب پر بھاری مشہور شاعر غلام ہمدانی مصحفی کا نام ہے جو ایک مستقل دبستان شاعری کے بانی ہیں اور اطباء تو ایک سے بڑھ کر ایک ہوئے ہیں جو شاہی درباروں سے منسلک رہے، جن کی حذاقت ومہارت کا شہرہ آج تک قائم ہے اور ان کے اخلاف میں اب بھی ایسے ایسے لوگ ہیں جن سے طب کا نام روشن ہے۔

حضرت مولانا سراج احمد صاحب نے اسی سرزمین فضل وکمال پر وجود کی آنکھیں کھولیں۔ امروہہ کے محلہ بٹوال میں آپ کی ولادت ہوئی۔ میونسپلٹی کے کاغذات میں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹ر نومبر ۱۸۸۲ء بروز جمعہ درج ہے۔ اس حساب ہجری ۱۳۰۱ یا ۱۳۰۲ھ کا کوئی مہینہ ہوگا۔

والد محترم: حضرت مولانا کے والد محترم کا پورا نام جناب محمد اویس النبی خاں صاحب ہے۔ مولانا کے والد نہایت نیک نفس صاحب اوقات اور تہجد گذار بزرگ تھے، حضرت کے اہل خاندان نے بتایا کہ وہ مسجد میں جا کر تہجد پڑھنے کے پابند تھے، منہ اندھیرے اٹھ جانے

کے عادی تھے، یقیناً یہ کسی بزرگ کی صحبت کا اثر تھا۔ اس وقت امروہہ میں اہل اللہ کی کمی نہ تھی، لیکن متعین طور سے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کس بزرگ کہ صحبت یافتہ تھے، تاہم ان کی تہجد کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ خواہ حالات کیسے بھی ہوں بیماری ہو یا صحت، پریشانی ہو یا خوشحالی ہر حال میں وہ نہایت پابندی کے ساتھ صبح صادق سے بہت پہلے اٹھ کر مسجد میں چلے جاتے، اور تنہائی میں خدا کے حضور عبادت کا نذرانہ پیش کرتے، یہ ذوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ شدید بارش ہوتی راستہ میں گھٹنوں پانی ہوتا مگر آپ اسی حالت میں پائنچے چڑھائے، ہاتھ میں ڈنڈا تھامے، پانی میں گھستے ہوئے مسجد تک پہونچتے، جس کی پابندیٔ تہجد کا یہ عالم ہو بقیہ اوقات زندگی کا اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تعلیم وتربیت: ابتداء حضرت مولانا نے ایسے نیک اور بزرگ باپ کی آغوش تربیت پائی، پھر جب کچھ ہوشیاری کا زمانہ آیا اور عمر اس مرحلہ کو پہنچی کہ انہیں زیورِ علم سے آراستہ کیا جائے تو اپنے فرشتہ صفت نانا جناب حافظ رحمت علی صاحب کی آغوش میں پہونچا دیئے گئے، ایسا اندازہ ہوتا ہیکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق حافظ صاحب کا دولت کدہ بچوں کے لئے مکتب اور درسگاہ کا بھی کام دیتا تھا، ایسے مکاتب جو مختلف اساتذہ نے اپنے گھروں پو قائم کر رکھے تھے۔ ان میں قاعدہ بغدادی سے لے کر ناظرہ قرآن مجید، اردو پڑھنے لکھنے کے مرحلہ سے گزرتے ہوئے طالب علم فارسی کی گلستان بوستاں، سکندر نامہ، یوسف زلیخا، رقعات ظہوری اور شاہنامہ تک تعلیم کی منزل طے کر لیتا تھا، غالباً حافظ رحمت علی صاحب کی درسگاہ بھی اسی طرز کی رہی ہوگی۔ ایسی درسگاہوں میں اساتذہ کی بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔ ایک ہی استاذ ہوتا تھا، جو قاعدہ بغدادی بھی پڑھاتا تھا، قرآن شریف ناظرہ کی بھی تعلیم دیتا، اردو زبان کی کتابیں بھی پڑھاتا، اور وہی بڑے طلبہ کو گلستاں بوستاں کی بھی تعلیم دیتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی

ہوتا کہ منتہی طلبہ سے ابتدائی طلبہ کی بعض کتابیں یا ناظرہ وغیرہ پڑھوا دیا جاتا، [1] چنانچہ حضرت مولانا کے ابتدائی حالات سے واقفیت رکھنے والے بتاتے ہیں کہ حضرت نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے نانا حضرت حافظ رحمت علی صاحب کی آغوشِ عاطفت میں پائی اور ناظرہ قرآن اپنی خالہ ذکیہ انبیاء سے مکمل کیا۔ جب یہ مکتبی تعلیم ختم ہوئی تو آپ کا داخلہ امروہہ کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کرادیا گیا۔ یہ مدرسہ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمۃ کا قائم کیا ہوا، اور آپ کی توجہات کا مرکز رہا ہے۔ علم دین کی خدمت میں اس کا ایک خاص مقام رہا ہے، حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کے نہایت چہیتے شاگرد جنہیں حضرت نانوتوی کے علوم سے غایت درجہ مناسبت تھی، اور علماء دیوبند میں ان کو مرکزی مقام حاصل تھا، یعنی حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہوی ، تاعمر یہاں شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے اور علوم وفنون کا دریا بہاتے رہے۔

علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں اس مدرسہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حضرت مولانا نے اسی مدرسہ میں علوم کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی، آپ نے جس زمانے میں تعلیم حاصل کی ہے، اس وقت حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہوی حیات تھے، اس لئے غالب گمان ہے کہ آپ نے علومِ حدیث کی تحصیل اُنہی سے کی ہوگی۔ حضرت محدث امروہوی کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں امروہہ کے مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب تھے۔ جو ایک نہایت فرشتہ صفت اور معصوم طبیعت عالم دین تھے، نیز حضرت محدث امروہوی کے شاگرد خصوصی اور داماد حضرت مولانا سید رضا حسن صاحب بھی آپ کے استاد تھے۔

---

[1] ایسے مکاتب کی تفصیل کیلئے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کی مشہور کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت'' کا مطالعہ کریں۔

تدریس : تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے اساتذہ کے حکم سے مختلف جگہوں پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ مختلف اوقات میں آپ کا قیام سیوہارہ، اجھاری، مینڈھو، تھانہ بھون اور الہ آباد میں رہا ہے۔ دارالعلوم چلہ میں بھی آپ نے اپنے تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ اخیر عمر میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں یہ خدمت انجام دی، اور عمر کی اخیر منزل تک وہیں رہے۔

ان جگہوں میں آپ کے قیام کی تفصیلات معلوم نہیں، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ابتداءً آپ نے کہاں تدریسی مشغلہ اختیار فرمایا، لیکن تھانہ بھون اور الہ آباد کے کچھ کچھ احوال معلوم ہوئے انہیں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بیعت و قیام تھانہ بھون : یہ تو معلوم ہے کہ حضرت والا کو بیعت و اجازت کا شرف، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے حاصل ہے لیکن اب کوئی ذریعہ اس کی معلومات کا نہیں ہیکہ آپ حضرت سے کب بیعت ہوئے، سلوک کے کن کن مراحل سے کب کب اور کن کن احوال میں گزرے اور بیعت کی اجازت کب پائی، خود حضرت پر اخفاء و خاموشی اور تستر احوال کا اتنا غلبہ تھا کہ باید و شاید کبھی ذکر کرتے، لیکن بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ دورانِ تعلیم ہی میں حضرت والا تھانہ بھون سے منسلک ہو گئے تھے اور تدریس کے لئے جہاں جہاں گئے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت ہی کے حکم سے گئے۔ آپ کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ ریاست مینڈھو میں جب آپ مقیم تھے اور غالباً قیام تھانہ بھون سے پہلے کا زمانہ ہے، اس وقت آپ حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے تھے، چنانچہ ملفوظات میں آپ پڑھیں گے کہ ہمارے بزرگوں کے مشہور خادم اور صاحب الحفظ والامانة راوی امیر شاہ خاں جو ریاست مینڈھو میں رہتے تھے اور حضرت والا سے فرمائش کر کے

حضرت تھانویؒ کے احوال و واقعات سنا کرتے اور فرماتے کہ اس سے مجھے نہایت خوشی ہوتی ہے، بہرکیف یہ نہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ آپ کب حضرت حکیم الامت کے حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے، اندازہ یہی ہے کہ ابتداء ہی سے داخل سلسلہ ہو گئے تھے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی نگرانی اور انتظام میں خانقاہ امدادیہ کے اندر ایک مدرسہ بھی چلتا تھا جس میں انتہائی درجوں تک تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت نے آپ کو اس مدرسہ میں بھی مدرس مقرر کیا اور وہاں آپ نے باضابطہ درس دیا۔ یہ زمانہ ؁۱۳۵۰ھ سے ؁۱۳۵۵ھ تک کا ہے۔

قیام تھانہ بھون کے تلامذہ میں جہاں اور لوگ تھے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے جو حضرت تھانوی کے محبوب اور عاشق زار مرید وخلیفہ تھے، اپنے کو بھی حضرت مولانا کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ اشرف السوانح میں ایک جگہ حضرت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ

"استاذی حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہوی"

اندازہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب طویل طویل عرصہ تک تھانہ بھون میں قیام فرمایا کرتے تھے، ممکن ہے کہ کسی دور قیام میں آپ نے حضرت مولانا سے عربی وفارسی کی کچھ کتابیں سبقاً سبقاً پڑھی ہوں۔ واللہ اعلم

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتابوں پر نظر ثانی کا کام بعض علماء کے سپرد فرمایا تھا۔ حضرت نے "بیان القرآن" پر جن علماء سے نظر ثانی کرائی تھی ان میں حضرت مولانا سراج احمد صاحب بھی شامل تھے۔ اس سے حضرت والا کی علمی استعداد کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اہلِ علم کا طبقہ بخوبی واقف ہے کہ حضرت تھانوی علم کے باب میں کس قدر باریک بین اور محتاط تھے۔ ان کا کسی شخص پر اعتماد کر لینا یہ اسکے علمی فضل وکمال کی روشن دلیل ہے۔

قیام امروهه : یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا، مگر غالباً حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد آپ نے امروہہ میں اپنے محلہ بٹوال میں بڑ والی مسجد کے حجروں میں ایک مدرسہ خادم الاسلام کے نام سے قائم فرمایا جو کم وبیش ایک سال تک چلتا رہا، اور پھر بند ہو گیا۔ مدرسہ بند ہونے کا واقعہ بڑا سبق آموز تھا، جس سے حضرت کی طبیعت کا اندازہ جھلکتا ہے۔

منشی معراج الدین خان صاحب کا بیان ہے کہ محلہ بٹوال میں ایک خانقاہ تھی اس میں ایک بدعتی پیر سال بسال آیا کرتے تھے، ان کے اثر سے امروہہ میں بدعات کا رواج بہت تھا اور قریب قریب نصف امروہہ ان سے متاثر تھا۔ ایک بار وہ جب آئے تو انھوں نے حضرت تھانوی کے ایک تربیت یافتہ کو پایا کہ ان کے مرکز میں مدرسہ کھولے بیٹھے ہیں تو انھیں اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا، انھیں ایسا لگا کہ بدعات و رسومات کا جو جنگل انھوں نے پھیلا رکھا ہے، اب اس میں آگ لگ جائے گی، انکی آنکھوں میں یہ مدرسہ کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگا، انھوں نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ورغلایا کہ کسی طرح اس مدرسہ کو یہاں سے ہٹادو، حضرت مولانا چونکہ نہایت یکسوئی اور خاموشی سے کام کرتے تھے، عوام سے سوائے وعظ و تذکیر کے اور کوئی خصوصی ربط نہ رکھتے تھے۔ اسلئے انھیں اس سازش کی بالکل خبر نہیں ہوئی، معاندین نے موقع پا کر ایک رات مدرسہ کی تمام کتابیں باہر نکال دیں اور اس حجرہ میں تالا بند کر دیا جس میں مدرسہ چل رہا تھا۔ صبح کو جب یہ خبر عام ہوئی تو مولانا کے اہلِ خاندان اور دوسرے اہل محلہ نے چاہا کہ اس حرکت کا جواب دیا جائے اور مدرسہ پر از سر نو قبضہ کیا جائے، حالات ایسے تھے کہ اگر یہ اقدام کیا جاتا تو سخت جھگڑا ہوتا۔ اسلئے حضرت نے اپنے لوگوں کو بہت قوت سے روکا اور فرمایا کہ بھائی! آپ کے لئے لڑنے کے بہت سے مواقع ہیں اس جنگ میں میری اور علماء کی بدنامی ہے، لوگ کہیں گے کہ ایک مولوی نے اپنے مفاد کی خاطر محلہ والوں کو لڑا دیا۔ میں یہ ہر گز نہیں چاہتا۔ آپ لوگ پیچھے ہٹ جائیں۔ چنانچہ لڑائی نہیں ہوئی اور مدرسہ بند ہو گیا۔ اللہ والوں کی نگاہ محض مدرسہ کے

ڈھانچے پر نہیں ہوتی، ان کی نگاہ حق تعالیٰ کی رضا اور عام مسلمانوں کی مصلحت پر ہوتی ہے اپنے ذاتی مفاد کو وہ ابتداء ہی میں قربان کر ڈالتے ہیں۔ حضرت مولانا نے خدا تعالیٰ کی مرضی اور مسلمانوں کی مصلحت اسی میں سمجھی کہ مسلمانوں میں گروہ بندی اور لڑائی نہ ہو۔ اس لئے آپ نے مدرسہ کا بند ہو جانا گوارا کیا، مگر مسلمانوں میں لڑائی کو گوارہ نہیں فرمایا۔

قیام الہ آباد: امروہہ سے آپ الہ آباد تشریف لے گئے، الہ آباد میں محلہ کٹرہ میں ایک خاموش مگر نہایت بابرکت بزرگ حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب جو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ ان سے قیام الہ آباد کے کچھ حالات معلوم ہوئے۔ قاری صاحب موصوف، حضرت مولانا کے تلامذہ میں ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں مدرس ہو کر تشریف لائے تھے، یہ مدرسہ الہ آباد کے مشہور رئیس شیخ عبداللہ مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے۔ شیخ عبداللہ نے الہ آباد اسٹیشن کے قریب ایک عالیشان مسجد بنوائی اور اس سے ملحق مدرسہ اور مسافر خانہ تعمیر کرایا۔ حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے الہ آباد میں کئی بار اس مدرسہ میں قیام فرمایا ہے، غالباً مدرسہ اور اہل مدرسہ کا حضرت اقدس سے خصوصی تعلق تھا اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے اسی خصوصی تعلق کی وجہ سے حضرت کو بھیجا ہوگا۔

درس قرآن: حضرت مولانا مدرسہ میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ مختلف مساجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے، یہ درس تذکیری انداز کے ہوتے تھے، حضرت قاری حبیب احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے سات دنوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی مسجد متعین تھی۔ مساجد کے منتظمین شوق سے حضرت کو بیان تفسیر کے لئے مدعو کرتے، آپ مقررہ وقت پر ہر روز مختلف

مساجد میں تشریف لیجاتے تھے اور قرآن سامنے رکھ کر اس کی تفسیر بیان فرماتے۔ انداز یہ ہوتا ہے کہ ایک آیت پڑھتے، اس کی تشریح وتفسیر کرتے، اس کے متعلق احادیث اور تفسیری نیز تذکیری نکات اس کثرت سے بیان فرماتے کہ سامعین کو حیرت ہوجاتی، ایک ہی آیت کی تشریح وتفسیر اور اس کے متعلقات کی تفصیل میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لگ جاتا۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے پوچھا کہ حضرت آپ جو یہ علوم ومعارف بیان فرماتے ہیں اس کے لئے کن کتابوں کا آپ مطالعہ کرتے ہیں، فرمایا کہ مولوی صاحب میں اس کے لئے حضرت تھانوی کی تفسیر بیان القرآن اور حضرت کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کرتا ہوں اور بس اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو ذکاوت و ذہانت اور حافظہ کا بھرپور حصہ قدرت کی طرف سے عنایت ہوا تھا کہ اس مختصر سے مطالعہ سے بہترین نتائج اخذ کرتے اور انھیں عوام کے ذہن و دماغ کے مطابق بیان فرماتے۔

علمی استعداد اور ذکاوت: قاری صاحب موصوف نے فرمایا کہ مولانا کو زیادہ مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھتا تھا۔ ایک تو مولانا کے اوقات اتنے گھرے ہوئے اور منضبط تھے کہ اس میں مطالعہ کا زیادہ وقت نہیں نکل سکتا تھا۔ دوسرے مولانا کثرت سے اشغال واوراد میں بھی مشغول رہتے تھے اور پھر یہ کہ اپنے تمام کاموں کو بذاتِ خود انجام دینے کے عادی تھے، اپنے ہاتھوں سے کپڑے دھونا، کھانا پکانا، پانی بھرنا وغیرہ، ایسے میں مطالعہ کی فرصت زیادہ کہاں دستیاب ہوتی لیکن استعداد علمی کا یہ حال تھا کہ قاری صاحب کو دیوان متنبی کے اسباق پڑھنے تھے، قاری صاحب نے حضرت مولانا سے اس کی درخواست کی، حضرت نے نہایت بشاشت کے ساتھ اسے قبول فرمالیا، انھوں نے وقت کے متعلق پوچھا فرمایا کہ فلاں فلاں وقت میرا خالی ہے، ان وقتوں میں جو وقت آپ کی سہولت کا ہو تشریف لائیں۔ میں حاضری دینے لگا میں نے کبھی نہیں

دیکھا کہ باقاعدہ اس کا مطالعہ کبھی کرتے ہوں، مگر جب پڑھاتے تو آسودہ کر دیتے، ایسا معلوم ہوتا کہ آپ نے ہمیشہ اس کتاب کا درس دیا ہو، الفاظ ولغات کی تحقیق، معانی ومطالب کی تشریح، شعر کی خوبی وخرابی کی وضاحت اسی خوبی سے کرتے کہ ذہن ودماغ بالکل مطمئن ہو جاتا۔

الہ آباد کے تلامذہ: الہ آباد کے تلامذہ میں ایک نام تو آپ نے سن لیا یعنی حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب مدظلہ۔

حضرت کے دوسرے شاگرد حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ ہیں جو سویتھ ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں جن کا ابتدائی سطور میں ذکر آچکا ہے۔ ان کو بھی درس قرآن کا خوب ذوق ہے۔ یہ نہایت خاموشی سے کام کرنے والے بزرگ ہیں۔ سویتھ ضلع الہ آباد ان کی محنتوں کا مرکز ہے جو کبھی اہل بدعت کا گڑھ تھا۔ مگر اب بحمد اللہ وہاں کے تمام مسلمان صحیح العقیدہ اہل سنت ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا کی کوششوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

استاذ کے باکمال ہونے، نہ صرف باکمال ہونے بلکہ باکمال بنانے والا ہونے کی یہ بین دلیل ہے کہ اس کے شاگردوں اور تلامذہ میں اس کا ذوق خاص سرایت کر جائے ہمارے علماء دیوبند میں مردم سازی کی یہ صلاحیت خصوصیت کے ساتھ رہی ہے۔ حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی، علامہ انور شاہ کشمیری جیسے اکابر مردم سازی کے امام تھے انھوں نے ایک گروہ کا گروہ اپنے اپنے رنگ کا تیار کر دیا۔ اس خصوصیت کی جھلک حضرت مولانا سراج احمد صاحب قدس سرہٗ میں بھی نظر آتی ہے کہ جو ذوق حضرت کا تھا، آپ کے تلامذہ میں بھی وہی اثر آیا چنانچہ یہ دونوں بزرگ اسی خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ جو حضرت کی طبعی خصوصیت ہے، اپنے دائرۂ عمل میں انتہائی شغف کے ساتھ مشغول رہے۔ ان کوششوں کے نتائج ذرا دیر میں ظاہر ہوتے تھیں، مگر بہت پختہ اور دیرپا ہوتے ہیں۔

دوبارہ قیامِ امروھہ: الٰہ آباد کے دورانِ قیام ایک بار حضرت والا امروہہ تشریف لائے ہوئے تھے، مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کے مہتمم حضرت مولانا سید اعجاز حسنین صاحب مرحوم، حضرت والا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مولانا! جب آپ طالب علم تھے تو آپ کو مدرسہ کی ضرورت تھی لیکن آج مادرِ علمی کو آپ کی ضرورت ہے حضرت نے فرمایا کہ میں حاضر ہوں، چنانچہ اسی وقت جامع مسجد میں آپ کا تقرر ہوگیا اور آپ منتہی طلبہ کو دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ جس زمانے میں راقم الحروف دارالعلوم چپلہ میں زیرِ تعلیم تھا، حضرت مولانا جامع مسجد میں مسلم شریف پڑھاتے تھے۔ حضرت مولانا درس کے اندر مختصر مگر جامع کلام فرماتے تھے، اور بہت ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے جس کو ہر طالب علم سمجھ لیتا تھا، ضعف و کبر سنی کی وجہ سے آواز بھی کسی قدر پست ہوگئی تھی لیکن طلبہ پوری بات سن لیتے تھے، جامع مسجد میں حضرت والا نے بیس سال درس دیا، اخیر میں دو سال تک صاحب فراش رہے اور ۲۴ر صفر ۱۳۹۹ھ کو وفات پائی۔

امروہہ میں بھی درس قرآن اور ترجمہ احادیث کا سلسلہ قائم رہا۔ چنانچہ مسجد لوہاران محلہ بٹوال میں مسلسل درس قرآن اور درس حدیث جاری رہا۔ اسی طرح بازار شفاعت پوتہ کی مسجد میں ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، غرض امروہہ میں بھی آپ کے فیوض و برکات کا تسلسل قائم رہا۔

امروہہ کے زمانۂ قیام میں جہاں درس و تدریس کے ذریعہ سے طلبہ کو اور درسِ قرآن کے ذریعہ عوام الناس کو استفادہ کا موقع مل رہا تھا، اور ہر شخص اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے مطابق فیضیاب ہو رہا تھا۔ وہیں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی دی ہوئی امانت یعنی بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی قائم تھا۔ اگرچہ حضرت کی طبیعت اخفاء و خمول کی خوگر تھی، مگر طالبِ صادق جس کا جہاں حصہ مقدر ہوتا ہے، کسی نہ کسی حیلہ سے پہونچ جاتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس راہ سے بھی فائدہ اٹھایا اور جو بھی سچا طالب آیا حضرت نے اس کی خدمت سے دریغ نہیں کیا اور آگے چل کر آپ

پڑھیں گے کہ طریقۂ تربیت بالکل وہی تھا۔ جس کی بنیاد تھانہ بھون میں ڈالی گئی تھی بالکل اپنے شیخ کے انداز تربیت پر آپ گامزن تھے۔

حضرت اقدس کے اسفار: جو لوگ حضرت کے ذوق اور مزاج سے کسی درجہ میں واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت کا مزاج، نظم وضبط اور خلوت ویکسوئی کا کتنا خوگر تھا۔ اس ذوق اور کیفیت کے ہوتے ہوئے، سفر اور وہ بھی لمبے سفر کا تصور ہی مشکل ہے کیونکہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی اوقات ومعمولات کا پابند اور اس پر سختی سے کاربند ہو، لیکن سفر بہرحال سفر ہوتا ہے سفر کیا ہے، برہم زن اوقات واعمال ہے، سفر کی دشواریاں، پیچیدگیاں اچھے اچھے صاحبان مال وثروت اور مالکان اسباب وذرائع کو پروگراموں اور ارادوں میں بےبس کر دیتی ہیں، اگر ضبط اوقات کی حفاظت کرنی ہے تو سفر کا تصور دل میں نہ لائے اور اگر سفر کا تہیہ ہے تو خبط اوقات ومعمولات کے لئے بالکل تیار رہے، حضرت اقدس کی استقامت وعزیمت پر نگاہ پڑتی ہے تو تصور بھی نہیں ہو پاتا کہ آپ نے کبھی طویل سفر کا ارادہ کیا ہوگا۔ یوں کسی جگہ مستقل اقامت رہی ہو اور وہاں آنے جانے کیلئے وطن سے اسفار ہوئے ہوں تو اس کی دوسری حیثیت ہے لیکن اصلاحی وتبلیغی سلسلہ کے اسفار جو دورہ کی شکل میں ہوتے ہیں ان کا تو کم از کم مجھے حضرت کے بارے میں تصور نہ تھا، مگر حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہ نے بتایا کہ بہار کے ایک ایسے علاقہ کا دورہ حضرت نے بیس بار فرمایا ہے، جس میں آج بھی سفر کرنا زمانۂ قدیم کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ایسا علاقہ جہاں نہ سڑکوں کا عمدہ انتظام، نہ سواریوں کا اچھا اہتمام، دیہاتی پگڈنڈیاں، کھیتوں کے درمیان مینڈیں۔ کچھ کشادہ راستہ ہوا تو بس چک روڈ، اس سے آگے کہیں کہیں سڑک کی جھلک نظر آئی تو اس پر سڑک کا اطلاق مشکل کہیں ڈامر وہ بھی اکھڑا ہوا، کہیں پتھر کی گٹیاں، کہیں سڑک کاٹ کر پانی کی نالیاں، غرض ایسی سڑک کہ اسے سڑک کے علاوہ جو چاہے کہہ لیجئے اور سواریاں تو وہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ کار نہیں،

جیپ نہیں، موٹر سائیکل نہیں، پاؤں کی سواری یا سائیکل یا بیل گاڑی اور بہت اہتمام کیا گیا تو پالکی، اور علاقہ کا حال یہ کہ سال کے چھ ماہ سیلاب میں محصور، ندیاں اور نالے بغاوت کرتے ہوئے، سڑک بنے تو کیسے بنے، سواریاں چلیں تو کیسے چلیں، غرض ایسے دشوار گزار علاقے میں ایک دو بار نہیں پورے بیس سفر کئے ہیں اور پھر یہ خیال کر لیجئے کہ آپ کی طاقت اور جوانی کا زمانہ نہیں ہے، جوش اور حوصلہ مندی کا وقت نہیں، ضعف اور بڑھاپے کا وقت ہے، جب تمام ولولے سرد پڑ جاتے ہیں اور آدمی ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر خاموشی سے اللہ اللہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ اندازہ کیجئے۔ ۷۲ سال کا بوڑھا، مدرسہ کے حجروں میں طالب علموں کو درس دینے والا یا یکسوئی کے ساتھ مسجد کی چٹائی پر قرآن پاک کی تفسیر بیان کرنے والا، جب اپنے ان کاموں سے ذرا فرصت پاتا ہے تو اُٹھتا ہے اور اٹھ کر کہاں جاتا ہے، دور دراز علاقے میں طویل طویل سفر کرکے، راستے میں متعدد جگہوں پر سواریوں کے بدلنے کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا، ایک ایسے علاقے میں جہاں نہ سفر کی کوئی سہولت ہے نہ زندگی کی کوئی آسائش ہے، دیہاتی اور نیم قصباتی آبادیوں میں نامانوس لوگوں اور نامانوس ماحول کے درمیان صرف اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کو دین حاصل کرنے، دینی تعلیمات سیکھنے اور بزرگوں کے انفاس قدسیہ سے فیضیاب ہونے کا جذبہ ہے، حضرت ایسے علاقے میں تشریف لاتے ہیں، کبھی ہفتہ بھر کا، کبھی دو ہفتہ کا، کبھی مہینہ بھر کا پروگرام بنتا ہے۔ ایک جگہ قیام نہیں رہتا مختلف جگہوں پر جانا ہے، پیاسوں کو سیراب کرنا ہے، مشقت اٹھاتے ہیں، دھوپ اور گرمی کی سختیاں سہتے ہیں، مگر خوش ہیں کہ اللہ کا نور پھیل رہا ہے۔ محبین کی دلداری ہو رہی ہے۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے، ہمیشہ حمد و شکر بجا لاتے ہیں، دوستوں کی محبت کی قدر کرتے ہیں اور سفر کے اوقات و معمولات کی پابندی کا یہ عالم کہ جو وقت جس جگہ کے لئے مقرر ہے۔ وہاں وقت پر پہونچنا ضروری ہے۔ ورنہ دوستوں کو انتظار کی تکلیف ہوئی فرماتے۔

’’جہاں کا جو وقت مقرر ہے اس وقت وہاں کے لوگ منتظر رہتے ہیں،

تھوڑا سا بھی فرق ہونے سے انھیں تکلیف پہونچتی ہے۔"

اور دیکھنے والے دیکھتے کہ حضرت کی اس استقامت کی لاج حق تعالیٰ رکھ لیتے اور موانع کے باوجود جہاں کا جو وقت ہوتا، اللہ تعالیٰ ضرور پہونچا دیتے، آئندہ سطروں میں اس کی جھلکیاں آپ دیکھیں گے۔

یہ علاقہ جس کا ذکر کیا جا رہا ہے شمالی بہار کا علاقہ ہے، جو ہمالیہ کے دامن میں آباد ہے۔ ہمالیہ سے بارش کا پانی جب اترتا ہے تو اس علاقہ کو الٹ پلٹ دیتا ہے، اسی لئے حکومت کی تمام ترقیاتی اسکیمیں یہاں پہونچ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقہ میں آج بھی قدیم زمانہ زندہ ہے۔ دنیا جہان میں دولت وثروت جگمگاتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا کیا برق رفتار اور سبک رو سواریاں ہیں، کیسے کیسے آنکھوں کو خیرہ کرتے ہوئے برقی قمقمے ہیں۔ کیسے کیسے زرق برق لباس ہیں، کیا اونچی اونچی بلڈنگیں اور رنگ برنگ کے خوبصورت محلات ہیں، کیسی کیسی صاف ستھری اور وسیع سڑکوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ جن پر سواریاں بے تحاشا دوڑ رہی ہیں لیکن ایک ذرا اس علاقہ میں آپ آجائیے، اب بھی غربت وفلاکت کے ڈیرے پڑے ہوئے ہیں۔ لوگ ذرا سنبھلنے کی تیاریاں کرتے ہیں کہ ہمالیہ کی وادیوں سے سیلاب کا ریلا آتا ہے اور گھروں تک کو اجاڑ کر چلا جاتا ہے، کہیں کہیں کوئی سڑک نظر آتی ہے، ورنہ بجز کچی پگڈنڈیوں کے اور کوئی گزرگاہ نہیں، اب بھی یہاں مٹی کے تیل کی لالٹینیں اور دھواں پھینکتی ہوئی چمنیوں سے گھر کو روشن کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ اونچی بلڈنگوں کی تلاش میں نکلتے تو سفالہ پوش بھی نہیں، محض پھوس کے مکانات آپکا استقبال کریں گے۔ لباس کے نام پر اب بھی کپڑوں کے چیتھڑوں کا استعمال عام ہے۔

ایسے حلقے میں اور ایسے علاقے میں آنا اور کام کرنا اور دورے کے پروگرام کو سنبھالنا جوانوں اور جواں ہمتوں کے بس کا روگ نہیں ہے لیکن حضرت مولانا نے جب اس علاقہ کا پہلا

سفر کیا ہے تو آپ بہتر ۷۲ کی منزل سے گزر چکے تھے اور جب آخری سفر فرمایا ہے تو ۹۲ کی منزل کو پار کر چکے تھے۔ ان بیسوں اسفار کا حال تو معلوم نہیں، مگر ہماری خوش قسمتی سے ۱۳۸۶؁ھ مطابق ۱۹۶۶؁ء کے ایک سفر کے احوال کو حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا حکیم عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ نے قلمبند کرلیا ہے، نیز اس سفر کے ملفوظات کو بھی حکیم صاحب نے نوٹ کرلیا ہے۔ ملفوظات آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے، سفرنامہ یہاں درج کیا جاتا ہے یہ سفرنامہ حکیم صاحب مرحوم ہی کے الفاظ میں ہم درج کریں گے، کیونکہ وہ عینی مشاہد ہیں، البتہ کہیں الفاظ وعبارت میں جزوی تغیر وتبدل مرتب حالات کی طرف سے ہوگا۔ حضرت اقدس کا یہ سفر امروہہ سے ۲۹/اپریل ۱۹۶۶؁ء مطابق ۷/محرم الحرام ۱۳۸۷؁ھ بعد نماز جمعہ شروع ہوا، اور ۱۸/محرم کو یہاں سے واپسی ہوئی، حکیم صاحب مرحوم اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ

اب الحمد للہ ثم الحمد للہ، وہ دن آگیا کہ حسب معمول حضرت والا کی رفاقت کے لئے ماسٹر صاحب موصوف (ماسٹر محمد قاسم صاحب) اور جناب حاجی ظہور الحق صاحبؒ (جمال چک در بھنگہ) سمتی پور تشریف لے گئے اور دوسرے دن صبح یعنی ۹/محرم الحرام ۱۳۸۶؁ھ مطابق یکم مئی ۱۹۶۶؁ء اتوار کی صبح سات بجے حضرت والا در بھنگہ سے ہرسنگھ پور براہ راست بذریعہ جیپ اس عاجز کے غربت کدہ پر تشریف لائے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

تشریف لاتے ہی چشمۂ فیض جاری ہوگیا۔ پاس بیٹھنے والوں نے فیوض وبرکات حاصل کرنے شروع کردیئے۔

تبلیغ وارشاد کے سفر کیلئے جو پروگرام تجویز کیا گیا تھا الحمد للہ بالکل اسی کے مطابق بلاکم وکاست تبلیغی سفر مکمل ہوا اور وقت مقرر پر حضرت والا کی واپسی ہوئی۔

[1] مولانا حکیم عبد المنان صاحب ضلع دربھنگہ کے ایک گاؤں ہرسنگھ پور کے رہنے والے حضرت مولانا محمد عارف صاحب قدس سرہٗ، جو حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید اور حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری کے خلیفہ تھے اور اس علاقہ کے نہایت بافیض و بابرکت بزرگ تھے، موجودہ امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کی تربیت و پرداخت حضرت مولانا محمد عارف ہی کے زیرِ سایہ ہوئی ہے۔ حکیم صاحب مرحوم انھیں بزرگ کے بلند مرتبہ صاحبزادہ تھے۔ حکیم صاحب بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، ہرسنگھ پور کے قریبی گاؤں پوہدی بیلا میں اور حضرت ماسٹر محمد قاسم سے مشورہ کیا اور دونوں حضرات سے مدرسہ قائم کیا جو ایک دینی مدرسہ بنام مدرسہ اشرفیہ عربیہ قائم کیا اور تازندگی اس کی خدمت میں مصروف رہے، حکیم صاحب سے علمی و دینی فیضان بہت ہوا، حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ حضرت حکیم صاحب کے شاگرد ہیں اور اب مدرسہ کا اہتمام حضرت ماسٹر صاحب ہی کرتے ہیں۔ ماشاءاللہ اس مدرسہ کا فیضان اس علاقہ میں عام ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی وجہ سے اس علاقہ میں دینی چہل پہل پائی جاتی ہے۔ یہی دونوں حضرات اور ان کے احباب حضرت مولانا امروہوی کے سفر کے داعی اور منتظم ہوتے تھے۔

دربھنگہ، مدھوبنی شہر کے رہنے والے، ابتدائی زندگی نہایت آزادانہ تھی، پھر حضرت والا کے تعلق کے بعد ماشاءاللہ ظاہر و باطن کی دنیا ہی بدل چکی ہے۔ سراپا اخلاص اور حضرت والا کے عاشق ہیں۔

[2] گرمی کے موسم میں ندی نالے خشک ہو جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر اکّا دکا جیپوں کی رسائی بعض گاؤں تک ہو جاتی ہے۔

دورۂ تبلیغ وارشاد

حضرت والا کی حسّاس طبیعت: سفر کے پروگرام کی ایک تحریر حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کردی گئی تھی، روانگی سے قبل ہی دریافت فرمالیتے کہ یہاں سے کس وقت روانگی ہوگی اور کس سواری سے اور تاکید فرماتے رہتے کہ وقت کی پابندی کا لحاظ کیا جائے، پروگرام کی ذرا بھی تبدیلی گوارہ نہ فرماتے اور فرماتے کہ

”جہاں کا جو وقت مقرر ہے، اس وقت وہاں کے لوگ منتظر رہتے ہیں، تھوڑا سا بھی فرق ہونے سے انھیں تکلیف پہونچتی ہے۔“

حضرت والا کو دوسروں کی تکلیف کا بے حد احساس ہوتا ہے، عموماً یہ دیکھا ہے کہ ٹرین سے سمتی پور میں اترنے کے لئے گاڑی کے اسٹیشن پر رکنے سے قبل ہی دروازہ کھول کر کھڑے ہوجاتے، تاکہ وہاں جاکر لانے والے حضرات کو جو پلیٹ فارم پر کھڑے رہتے ہیں، ڈھونڈنے کی تکلیف نہ ہو۔

قیام ہرسنگ پور: ۹ رمحرم کی صبح ۷ بجے سے ۱۰ رمحرم کی صبح ۵ بجے تک حضرت والا کا قیام ہرسنگھ پور میں رہا، صبح کے کھانے سے فراغت کے بعد (حضرت والا کے کھانے کا وقت صبح ۷ / ۸ ربجے اور پھر رات کے ۷ / ۸ ربجے تھا) دس بجے تک خدام اور ملاقات کے کرنے والوں سے گفتگو فرتے رہے۔

چونکہ سفر نہایت لمبا تھا، ڈیڑھ دن اور دو راتیں ایسی گزر چکی تھیں جن میں آرام کا بالکل موقع نہ ملا تھا، اس لئے عرض کیا گیا کہ حضرت والا آرام فرمالیں تو بہتر ہے۔ فرمایا ”کھانے کے فوراً بعد لیٹنے کی عادت نہیں ہے، اور اگر لیٹ ہی جاؤں تو نیند نہیں آتی۔“

سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے دو گھنٹوں تک مسلسل مجلس میں تشریف فرما رہے اور گفتگو فرماتے رہے۔ دس بجے تو ہم لوگوں نے پھر آرام کی درخواست کی تو فرمایا بہت اچھا

تقریباً ایک بجے غسل فرما کر تلاوت میں مشغول ہو گئے اس کے بعد نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے، دھوپ نہایت تند و تیز اور ہوا نہایت گرم اور تکلیف دہ تھی۔ نماز ظہر کے بعد سے عصر تک ارشادات کا سلسلہ جاری رہا، عصر کی نماز کے بعد مغرب تک تنہا ایک چار پائی پر لیٹے رہے، نماز مغرب کے بعد کھانا تناول فرمایا، اور چاء سے فراغت کے بعد ملنے والوں اور پاس بیٹھنے والوں سے، ان کے موضوعات پر ہی گفتگو فرماتے رہے عشاء کی نماز کے بعد فوراً آرام فرما ہوئے، صبح کی نماز کے بعد دھموارہ کے لئے روانگی ہوئی۔

دھموارہ کا قیام: ۵ ر بجے صبح کو ہرسنگھ پور سے روانہ ہو کر حضرت والا اپنے خدام کے ساتھ دھموارہ پہونچے۔ یہ مقام ہرسنگھ پور سے ۳ میل شمال کی جانب ہے، یہاں آپ ماسٹر محمد عیسیٰ صاحب ہیڈ ماسٹر بیسک اسکول کے مہمان ہوئے، حسب معمول تشریف لاتے ہی ارشادات کے فیوض و برکات جاری ہو گئے۔ یہاں آ کر حضرت والا کو بواسیر دموی کا خفیف سا دورہ ہوا، اس کی ابتداء ہرسنگھ پور سے ہی چند قطرات سے ہی ہو چکی تھی لیکن اس کو ظاہر نہیں کیا تھا یہ دورہ پچیس برس کے بعد ہوا تھا۔ اس لئے طبعی طور پر ضعف پیدا ہونا لازمی تھا۔ خدام کو تشویش ہوئی تو فرمایا کہ یہ بات میری سمجھی بوجھی تھی، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ہاں خون کے جاری ہونے کے باعث کمزوری معلوم ہوتی ہے۔

باوجود اس ضعف کے حضرت والا کے کسی معمول میں کوئی فرق نہیں آیا، اور حضرت والا کے مجالس و اوقات کے معمول کی پابندی کی وجہ سے عام طور پر لوگوں کو اس کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ پر ضعف کا اثر ہے یا آپ کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے۔

مرزاپور کا قیام: ۱۱ر محرم کی صبح ۵ ر بجے دھموارہ سے روانگی ہوئی اور ۶ بجے مرزاپور

پہونچے آپ یہاں جناب ماسٹر محمد قاسم صاحب کے مہمان ہوئے، گاؤں کے لوگ آآ کر ملتے اور مصافحہ کرتے رہے۔ ابتدائی ملاقات کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے، پھر صبح کا کھانا تناول فرمایا اور ۸؍ بجے سے دس بجے تک مجلس ہوتی رہی، دوپہر کو آرام فرما کر بعد نماز ظہر عصر تک حسب معمول مجلس میں ارشادات عالیہ سے نوازش فرماتے رہے، عصر کے بعد سے مغرب تک تنہا آرام فرماتے رہے، نماز مغرب کے بعد فرمایا کہ آرام کی ضرورت ہے، اسلئے ہم سب لوگ منتشر ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے، عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر پھر آرام فرما ہوئے اور کوئی گفتگو نہ فرمائی۔

قیام دھمسائن : ۱۲؍ محرم کی صبح ۶؍ بجے دھمسائن پہونچے۔ ماسٹر عبدالحلیم صاحب کے آپ مہمان ہوئے، کھانے سے فارغ ہو کر مجلس میں تشریف فرما ہوئے، زیادہ تر گفتگو علمی مسائل پر ہوتی رہی، دس بجے سے دوپہر تک آپ نے آرام فرمایا، پھر بعد نماز ظہر مجلس شروع ہوئی جو عصر تک جاری رہی، عصر کی نماز کے بعد یہاں سے مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ بہار کیلئے روانگی ہوتی۔ [۱]

---

[۱] مدرسہ اشرفیہ پوہدی بیلا، ایک چھوٹا سا مدرسہ ہے۔ جسے حضرت مولانا حکیم عبدالمنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کے ایما پر قائم کیا تھا۔ حکیم صاحب یہیں گاؤں میں سرکاری اسکول میں ٹیچر تھے۔ انھیں دین اور علم دین کی تڑپ بہت زیادہ تھی، علاقہ میں جہالت پھیلی ہوئی دیکھتے تو کڑھتے، نہایت جوش اور لگن کے ساتھ عوام میں دینی باتیں کرتے، انھیں راستے پر لانے کی کوشش کرتے، پھر انھیں محسوس ہوا کہ جب تک نوخیز بچوں پر کافی محنت نہ کی جائے گی، خاطر خواہ اور دیرپا اثر ظاہر نہ گا۔ اسی جذبہ اور لگن کے تحت یہ مدرسہ حضرت حکیم الامت کے اصولوں کی بنیاد پر قائم کیا۔ چنانچہ حکیم صاحب تاحیات اس کی سرپرستی فرماتے رہے۔ حکیم صاحب خود انتہائی مخلص اور صاحب جذبہ انسان تھے، پھر انھیں رفقاء بھی بہت مخلص ملے، گو مدرسہ عمارت

کے اعتبار سے مختصر ہے، مگر اپنی خدمات کے اعتبار سے بہت وسیع وعریض ہے۔ اس مدرسہ کی آغوش سے تربیت پاکر اب بہت سے علماء دین کی خدمت میں لگ چکے ہیں اور یہ علاقہ علم دین کے نور سے جگمگا رہا ہے۔ حضرت حکیم صاحب کی وفات کے بعد ان کے محبوب شاگرد اور حضرت اقدس امروہوی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ اس کے مہتمم ہیں۔ حضرت ماسٹر صاحب کے خلوص اور محنت کی برکت سے مدرسہ ترقی کر رہا ہے۔ یہاں کے طلبہ واساتذہ میں بڑی سادگی اور خلوص ہے۔ بچوں کی تربیت تو ایسی ہے کہ باید وشاید مدرسوں میں نظر آتی ہے، مدرسہ پر ایک سکون واطمینان کی فضا چھائی رہتی ہے۔ اہلِ خیر حضرات کیلئے خدمت کا بہت زریں موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ترقی بخشے اور مزید دینی خدمات اس سے سرانجام پانے کی سبیل پیدا فرمائے۔ خاکسار اس سوانح کی ترتیب کے سلسلے میں ایک ہفتہ اس مدرسہ میں مقیم رہا، یہاں رہ کر طبیعت بہت مسرور ہوئی۔

مدرسہ عربیہ اشرفیہ پوھدی بیلا میں تشریف آوری:

۱۲ محرم کی شام کو قبل نماز مغرب حضرت والا مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا تشریف لائے، تشریف لانے کے کچھ دیر بعد تک ملاقاتوں کا سلسلہ رہا، پھر مغرب کی نماز کے بعد کھانے سے فراغت ہوئی۔ گاؤں کے سمجھدار لوگ باہر سے آنے والے مہمان اور مدرسہ کے طلبہ و مدرسین منتظر تھے کہ ارشادات عالیہ سے مستفید ہوں گے لیکن حضرت والا کی طبیعت پر کچھ سفر کا اثر اور کچھ بواسیر کے دورہ میں خون کی زیادتی سے ضعف کا اثر، اور پھر یہ کہ تمام اعذار کے باوجود اپنے معمولات کی پابندی، وقت کا لحاظ، اور ہر مجلس میں کچھ نہ کچھ مسلسل فرماتے رہنا، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ

آج حضرت والا پر اثر زیادہ تھا فرمایا کہ طبیعت پر اثر ہے اسلئے آرام ہی کرنا چاہتا ہوں، بیٹھ کر باتیں کرنے کو اس وقت طبیعت نہیں چاہتی، ہم لوگوں نے بھی حضرت والا سے

آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی اور مجمع منتشر ہو گیا، سب لوگ اپنے اپنے مشاغل میں لگ گئے اور حضرت والا صحن میں ایک چارپائی پر لیٹ کر آرام فرمانے لگے۔

عشاء کی نماز کے بعد احقر نے ایک دوا کے استعمال کی درخواست کی، حضرت پر اب تک اثر موجود تھا، فرمایا تھوڑی دیر بعد، حسب الحکم آدھ گھنٹہ پر دوا لے کر حاضر ہوا، حضرت والا نے دوا کھائی اور گفتگو فرماتے رہے۔

سلسلۂ گفتگو میں ایک چھوٹی سی مجلس ہو گئی، جو ملفوظات میں انشاءاللہ آپ پڑھیں گے۔

مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا چونکہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس لئے یہاں قیام کی مدت پورے دو دن رکھی گئی تھی۔ پوری مدت قیام میں مجلسوں کا سلسلہ حسبِ معمول جاری رہا اور فائدہ اٹھانے والوں نے اپنی اپنی قسمت کا حصہ لیا۔

بارش کی دعا: جمعرات ۱۳ر محرم الحرام بعد نماز ظہر، حضرت والا حسب معمول مجلس میں تشریف فرما تھے، بعض احباب نے علاقہ والوں کی خواہش پر بارش کے لئے دعا کی درخواست کی، حضرت والا نے فرمایا کہ

”آج کل تو تیز گرم ہوا اور چلچلاتی دھوپ ہی کا موسم ہے اور اس زمانہ میں اسی کی ضرورت ہوتی ہے یہ سب کارخانۂ قدرت کے مصالح کے مطابق ہے۔ ہمارے علاقہ میں تو اس وقت اگر بارش ہو جائے تو اسے لوگ مفید نہیں سمجھتے۔“

عرض کیا گیا کہ اس علاقہ میں اس وقت بارش کی سخت ضرورت ہے، مکئی، پٹوا اور دوسری فصلیں جو اس موسم کی ہیں برباد ہو رہی ہیں اور بعض فصلیں بارش ہونے ہی پر لگائی جا سکتی ہیں اگر بارش کچھ دنوں اور بند رہی تو اس حلقہ میں سخت نقصان ہوگا، حضرت والا نے بایں الفاظ دعا فرمائی۔

”یا اللہ اس حلقہ کے لئے بارش کی ضرورت ہے اپنے فضل سے سیراب فرما دیجئے۔“

اب تک حضرت والا نے تیز دھوپ، جلتی ہوئی فضا اور گرم ہواؤں کے تند و تیز جھونکوں کے باوجود اپنے معمولات میں ذرہ برابر کہیں فرق پیدا ہونے نہیں دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس سخت موسم کا کوئی اثر حضرت والا پر نہیں پڑ رہا ہے، باوجود شدید ضعف اور انتہائی لطافت مزاج کے اس قدر ضبط و تحمل قابل حیرت معلوم ہوتا تھا۔

دعا کی قبولیت کے آثار: ابھی آپ کا قیام مدرسہ میں ہی تھا، پوہدی سے آگے کا جو حلقہ سفر کے لئے پیش نظر تھا، اس کے منظر کا تصور ہی سخت روح فرسا تھا، بالخصوص سخت گرمیوں کے موسم میں حضرت والا جیسے لطیف المزاج، ضعیف العمر مہمان کو ادھر گزارنے کے خیال ہی سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔

ہر گاؤں دریائے کوسی اور دریائے بلان کے موٹے اور مہین ریتوں سے بھرا ہوا، مکانات بھی محفوظ نہیں، زیادہ تر ٹٹیوں اور پھوس کے بنے ہوئے، ادھر دھوپ کی شدت اور ہوا کی وحشتناک تندی! یہ ایسے مناظر تھے جو اب سامنے آنے والے تھے، اور ان کے تصور تک سے ہم لوگ گھبرا رہے تھے، ہم سب اپنے دل میں اس موسم میں پروگرام بنانے اور ایسے وقت میں حضرت اقدس کو مدعو کرکے تکلیف دینے سے نادم و شرمندہ ہو رہے تھے کہ یکایک حضرت والا کی ”دعاء بارش“ کی قبولیت کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے، ابر کے ٹکڑے کبھی آفتاب کے منہ پر آجاتے اور ہلکی سی ٹھنڈک بکھیر جاتے، جمعہ کی رات میں ہوا کی گرمی ٹھنڈک میں تبدیل ہوگئی اور آسمان پر ابر کی تہیں جمنے لگیں، ہم لوگ پر امید ہو گئے۔ جمعہ کو دن بھر یہی کیفیت رہی کہ کبھی ابر اور کبھی دھوپ کی آنکھ مچولی ہوتی رہی، گرمی کی شدت اب اپنا زور کھو چکی تھی، جمعہ کی نماز نہایت راحت کے ساتھ ادا ہوئی، اور نماز عصر پڑھ کر جب یہ قافلہ ”درزیا“ کے لئے روانہ ہوا ہے تو ایسی کیفیت پیدا ہوئی جیسے ٹھنڈے وقت میں تفریح کو جا رہے ہیں، ہوا میں خنکی، دھوپ میں نرمی، فضا صاف ستھری، سب لوگوں نے درزیا تک نہایت لطف و آرام کے ساتھ سفر کیا۔

درزیا میں قیام: ۱۴؍محرم جمعہ کے دن نماز مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل درزیا میں پہونچے۔ حضرت والا مولوی محمد یٰسین صاحب کے مہمان تھے، نماز مغرب کے بعد معمولات سے فراغت کے بعد کھانا تناول فرمایا، پھر ایک چارپائی پر حضرت والا تشریف فرما ہوئے، خدام بھی چاروں طرف سے فرش پر بیٹھ گئے۔ لیٹے ہی لیٹے حضرت والا ارشادات عالیہ سے نوازتے رہے۔ گویا آج لیٹے لیٹے ہی آرام کے وقت میں بھی مجلس ہوتی رہی۔ ادھر ارشادات عالیہ کی بارش سے مردہ دلوں میں زندگی پیدا ہو رہی ہے اور ادھر رحمتِ خداوندی ٹھنڈی ٹھنڈی تیز ہوا کے جھونکوں میں بارش کی چند بوندوں کے ساتھ اپنی جھلک دکھا رہی ہے اور مردہ زمینوں کو پیغامِ حیات دے رہی ہے۔ اب موسم میں اتنا تغیر ہو چکا تھا کہ سب نے موٹے کپڑے اپنے بدن پر ڈال لئے۔ رات کو گرم چادر اور ہلکے کمبل یا لحاف کی ضرورت پڑی۔ ہلکی سی بارش سے فضا کی صفائی کے ساتھ ساتھ ریت کے اڑتے ہوئے غبار زمین پر آدبے تھے، صبح ہوئی تو نہایت پرلطف، صبح بہار معلوم ہوتی تھی۔

نماز فجر کے بعد حسبِ معمول حضرت والا تلاوت میں مشغول رہے پھر کھانے کے بعد صبح مجلس اور بعد نماز ظہر سے عصر تک مجلس ہوتی رہی۔

آج کی دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، صبح کے ساڑھے سات بجے جبکہ حضرت والا اپنے میزبان کے گھر جا کر کھانا تناول فرما رہے تھے زوروں کی بارش ہوئی، گو خشک زمین پورے طور پر سیراب تو نہ ہو سکی، مگر بارش اتنی ہوئی کہ کھانا کھا کر واپسی میں راستہ میں رکے ہوئے پانی اور کیچڑ کی وجہ سے ننگے پاؤں اپنی مجلس میں تشریف لائے۔

دلدل میں قیام: ۱۵؍محرم بعد نماز عصر درزیا سے بذریعہ کشتی دلدل (گاؤں) کے لئے روانگی ہوئی۔ کشتی کا سفر حضرت والا کو بے حد پسند ہے۔ مغرب سے ۱۵؍منٹ قبل دلدل پہونچے، یہاں آپ مولوی محمد حسین صاحب کے مہمان ہوئے، یہ گاؤں دریائے کوسی کے مغربی

بند سے ایک میل پچھم اور دریائے بلان کے ایک میل پورب ہے۔ ہر طرف ریت ہی ریت ہے لیکن اس ریگستانی زمین کے اڑتے ہوئے بالو میں قوت پیداوار دیکھ کر قدرت الٰہی یاد آتی ہے۔ ریت والے کھیتوں میں ہرے بھرے مکے اور پٹ سن کے لہلہاتے ہوئے شاداب پودے نہایت ہی نظر فریب اور خوشنما معلوم ہوتے تھے اور "تسر النٰظرین" والی کیفیت پیدا کر کے دلوں کو نہایت فرحت و لذت بخشتے ہیں۔ بارش ہو چکی تھی اس لئے گرد وغبار کا کوئی اثر نہ تھا، مغرب کی نماز مسجد جا کر باجماعت ادا کی گئی، معمولات سے فارغ ہو کر حضرت والا قیام گاہ پر تشریف لائے، رات کو کھانے کے بعد آرام فرماتے رہے اور بعد نماز عشاء فوراً لیٹ گئے۔

صبح کو دن کے کھانے کے بعد دس بجے تک حسب معمول مجلس ارشاد منعقد رہی۔ پھر دوپہر کو آرام کر کے بعد نماز ظہر عصر تک دوسری مجلس میں ارشادات عالیہ سے نوازش فرماتے رہے، عصر کی نماز کے بعد کھور کے لئے روانگی ہوئی۔

کھور مدنپور میں رات کا قیام: نماز مغرب سے قبل ۱۶ر محرم اتوار کے دن یہ قافلہ کھور مدنپور پہونچا۔ نماز مغرب کے بعد معمولات اور رات کے کھانے سے فراغت کر کے حضرت والا چائے پی رہے تھے اور مختلف مضامین پر سلسلہ کلام دو ایک مخصوص حضرات کے ساتھ جاری تھا۔ باہر ایک بڑی سی جماعت پر جو منتظر مجلس تھی نظر پڑی فرمایا کہ یہ حضرات کیوں بیٹھے ہیں؟

احقر خاموش رہا کہ حضرت والا ہی کچھ ارشاد فرمائیں گے، فرمایا کہ مجھکو بھی خیال ہو رہا تھا کہ کھور کے لئے صرف رات بھر کا وقت ہے۔ کچھ بولنا ہی چاہئے، مگر بات یہ ہے کہ دورۂ بواسیر کی وجہ سے طبیعت پر ضعف کا اثر ہے، اور کھانے کے بعد بیٹھے رہنے کو جی نہیں چاہتا، آرام ہی کرنے کو دل چاہتا ہے۔

ملفوظات سنانے کی اجازت: احقر نے عرض کیا کہ آرام کرنا حضرت کیلئے نہایت ضروری ہے، باقی یہ حضرات جو جمع ہیں……

اتنا ہی عرض کر سکا تھا کہ ارشاد فرمایا کہ

میرا اعذر ان حضرات سے بیان کر دیجئے

احقر نے یہ سوچ کر کہ یہ حضرات اتنے شوق میں آ کر بیٹھے ہیں، واپسی سے انھیں کچھ صدمہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ حضرت والا کے ملفوظات جو اس سفر میں احقر نے جمع کر لئے ہیں پڑھ کر سنا دیئے جائیں تو بمصداق ؎

بوئے گل از کہ بجوئیم از گلاب

کچھ تو ان کے لئے سبب تسکین بن جائے گا۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ضرت والا کے ملفوظات جو احقر نے جمع کئے ہیں، اگر اجازت ہو تو انھیں میں سے کچھ سنا دیا جائے، فرمایا کہ

اس کا (ملفوظات کا) تو اچھا خاصا ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہو گیا ہوگا۔

عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا

بہت اچھا، آپ انھیں ضرور سنا دیجئے۔

احقر نے حسب الحکم حضرت والا کا عذر حاضرین سے کہا تو سب نے نہایت خوشی سے اپنی خوشی پر حضرت والا کی راحت کو ترجیح دی، پھر احقر نے پوری ایک مجلس کے ملفوظات پڑھ کر سنائے، حاضرین نہایت شوق سے سنتے رہے، جب میں نے سنانا بند کیا تو ان کی خاموشی اور مشتاق نگاہوں نے ماسٹر صاحب کو مجبور کر دیا اور انھوں نے مزید فرمائش کی، ماسٹر صاحب کی فرمائش بھی پوری کی گئی، حاضرین کی خاموش نگاہوں میں مزید فرمائش جھلک رہی تھی، تو میں نے ماسٹر صاحب سے کچھ اور سنانے کی درخواست کی، ماسٹر صاحب نے بھی ایک مجلس

کے ملفوظات پڑھ کر سنائے، اخیر میں دعاؤں پر یہ مجلس ختم کی گئی۔ پھر عشاء کی اذان ہوئی، نماز جماعت سے پڑھی گئی نماز عشاء کے بعد یہ ناکارہ اور ماسٹر محمد قاسم صاحب حضرت والا کے حضور میں تھے،

آپ نے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا

> ''حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ بندۂ رحمانی ہیں۔ رحمت خداوندی سے خوش وخرم رہتے ہیں، اس پر دل سے شکر ادا کرتے ہیں، دیکھئے ٹھنڈا پانی پیتے ہیں تو دل سے اور بڑی جا سے الحمد للہ کہتے ہیں اور اگر پانی کم ٹھنڈا یا گرم رہا تو زبان سے تو الحمد للہ کہتے ہیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی جا سے کہی ہو، راحتوں سے دل خوش ہوتا ہے۔ آرام و راحت میں انسان ہوتا ہے تو نماز میں بھی دل لگتا ہے، تکلیف و مصیبت میں طبعی طور پر انتشار پیدا ہوتا ہے، غرض ہم لوگ رحمت ہی کے پروردہ ہیں اور رحمت ہی چاہتے ہیں۔''

کھور سے روانگی: پھر ارشاد فرمایا کہ یہاں سے روانگی کا کیا سامان ہے۔ عرض کیا گیا کہ محافہ اور کہار سے حضرت والا اور باقی لوگ بیل گاڑی سے چلیں گے، فرمایا کہ روانگی کا وقت کیا ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ بیل گاڑی سے جانے والے نماز فجر سے قبل اور حضرت والا بعد نماز فجر صبح کے کھانے سے فارغ ہو کر تشریف لیجائیں گے، فرمایا کہ اس کا لحاظ رکھا جائے کہ وقت سے ایک گھنٹہ قبل اسٹیشن پہونچ سکیں تا کہ اطمینان کے ساتھ سگرام اور پیرولیا کی طرف سے ملاقات کو آنے والے حضرات سے ملاقات ہو سکے۔ عرض کیا گیا بہت اچھا، پھر ہم لوگ اپنی اپنی جائے قیام کیلئے روانہ ہو گئے اور حضرت والا لیٹ گئے۔

حق تعالیٰ کی قدرت اور مصلحت: حق تعالیٰ کے مصالح واقعی انسانی عزائم سے بہت بلند ہیں اور اس کی قدرت کے سامنے اپنے ارادے ہیچ در ہیچ ہیں، رات کے

بارہ بجے تھے کہ ابر و باد کا سلسلہ شروع ہوگیا اور دو بجتے بجتے بوند پڑنا شروع ہوگئی۔ ادھر یہ ہوا کہ کہاروں نے باوجود کہ دس روپئے پختہ گفتگو کر کے تھام لئے تھے، مگر عین وقت پر اپنی معذوری پیش کر کے انکار کر دیا، دو تین دن پہلے سے جیپ کی کوشش کی گئی تھی کہ دس میل کا لمبا سفر بسہولت طے ہو سکے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ماسٹر محمد یونس صاحب نے مدھے پور سے لکھا کہ ہر چند کوشش کی مگر جیپ نہ مل سکی۔ آپ حضرت والا کو محافہ سے مدھے پور تک لائیں اور یہاں سے ٹائر گاڑی پر اسٹیشن لے چلیں، سوموار کی صبح کو سب لوگ ناشتہ مدھے پور میں کریں۔

احقر نے حضرت کے اصول کے خلاف وقت بدلنے سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے اپنی مجبوری پیش کر دی کہ پروگرام کے خلاف کچھ کرنا مناسب نہیں ہے، اگر مدھے پور کیلئے پہلے سے پروگرام مرتب ہوتا تو ممکن تھا اب کسی طرح ممکن نہیں۔

رات کے دو بجے ایک صاحب دلدل سے اپنی بیل گاڑی لے کر آگئے اور کہاروں کے انکار کی اطلاع دی، ماسٹر محمد قاسم صاحب احقر کے پاس آئے اور حالات بتا کر مشورہ طلب کیا۔ طے پایا کہ کہاروں سے کہا جائے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر بیل گاڑی سے قبل فجر ہی سب لوگ روانہ ہو جائیں۔ کہاروں کا نظم یہاں بھی نہ ہو سکا۔ بالآخر بیل گاڑیاں تیار کی گئیں۔ ابھی سامان ہو ہی رہا تھا کہ سخت زور کی آندھی آگئی اور ترشح شروع ہوگیا، پھر اچھی خاصی بارش ہوگئی، ساڑھے چار بجے ہوا کم ہوئی ترشح قدرے رکا تو احقر نے فجر کی اذان دی اور حاضر خدمت ہو کر حضرت والا سے عرض کیا کہ یہ یہ حالات پیدا ہوگئے ہیں۔

یہ بھی بیل گاڑی ہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس میں ٹائر کے پہیئے لگتے ہیں۔

حضرت والا کا اطمینان وسکون: خاموش سنتے رہے اور پھر نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ فرمایا کہ

”کچھ بھی دلگیر نہ ہوں۔ اسی میں حق تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ اس کا کوئی

بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا، پریشانی کی کیا بات ہے۔"

حضرت والا کے اس ارشاد سے بے حد تسلی ہوئی۔ پھر مسجد تشریف لائے اور باطمینان تام نماز پڑھائی، نماز کے بعد حضرت والا اپنے کمرے میں تشریف لائے ماسٹر صاحب بھی ساتھ تھے، احقر مسجد ہی میں تھا کہ حضرت والا نے یاد فرمایا۔

ترشح رک چکا تھا، مگر ابر و باد کا سماں ابھی اسی طرح تھا، بجلی چمک رہی تھی اور کبھی کبھی بوندیں بھی پڑنے لگتی تھیں۔ ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اب خواہ تین بجے کی ہی گاڑی سے جانا پڑے، مگر ایسی فضا میں حضرت والا کو روانہ کرنا مناسب نہ ہوگا۔

حضرت کی مصلحت بینی وباریک بینی: حاضر خدمت ہوا تو ارشاد ہوا کہ اب کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا کہ فضا کے صاف ہونے کا انتظار ہے۔ رفتہ رفتہ فضا صاف ہوتی جارہی ہے، فرمایا کہ اگر فضا کی حالت ایسی ہی رہی تب کیا ہوگا، کیونکہ احتمال دونوں طرح کا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ فضا صاف ہوجائے اور اس کا بھی تو امکان ہے کہ فضا اسی حال پر رہے، اس لئے انتظام ایسا ہو کہ خواہ جیسی بھی حالت ہو، مگر سفر میں رکاوٹ نہ ہو، اگر بارش ہوتی رہی تو بھی سفر جاری رہے گا اور اگر فضا صاف ہوگئی تو یہ انتظام اس میں کچھ مخل نہ ہوگا۔"

اب سفر کا نظم حسب الحکم شروع کردیا گیا۔ بیل گاڑی پر ترپال کا پردہ لگایا گیا حضرت والا نے کھانے اور چائے سے فراغت فرما کر سامان روانگی درست فرمایا، ٹھیک سات بجے بیل گاڑی کھور سے روانہ ہوئی، اس گاؤں سے بیل گاڑیاں عموماً ۵ گھنٹے میں تموریا اسٹیشن پہونچتی ہیں لیکن حق تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ بیل اپنی عام رفتار سے زیادہ تیز چل رہے ہیں اور دونوں گاڑیاں ایک ساتھ صرف ساڑھے تین گھنٹے میں تموریاں اسٹیشن پہونچ جاتی ہیں۔

مدھے پور میں ضیافت: کھور سے پانچ میل پر مدھے پور ایک قصبہ ہے، احقر کے ایک دیرینہ مخلص جناب ماسٹر محمد یونس صاحب کو پچھلے دن کے جواب سے بڑی مایوسی

ہوئی تھی لیکن ان کی دانشمندی قابل داد ہے کہ حضرت والا کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ضیافت کی عزت حاصل کرنے کی ایک نئی تدبیر برجستہ سوچ نکالی۔ مدھے پورا ابھی کچھ دوری پر تھا کہ وہ اپنے چند عزیزوں کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔ ہائی اسکول کے قریب ایک مکان میں شربت روح افزاء کی بوتل، بالٹی میں پانی اور صاف ستھرے شیشے کے گلاس تیار رکھے ہوئے ہیں ، جب گاڑی وہاں پہونچی تو فوراً ہی رکوا کر حضرت کی خدمت میں نہایت خوشنما شربت پیش کیا۔ حضرت والا نے اور ہم سب نے پیا۔ ماسٹر صاحب نے درد بھرے دل سے کہا کہ کہئے ایک غریب کی دلشکنی کا اثر کیا ہوتا ہے، ماسٹر صاحب کو ہم لوگوں سے اور حضرت والا سے دلی تعلق و محبت ہے، محبت کے اس جملہ نے مجھکو تو پانی پانی کر دیا۔ آپ نے اس سے قبل بھی ایک سفر میں مدھے پورکا اور راومری کا پروگرام رکھا تھا اور دونوں مقامات میں مسلمانوں نے حضرت والا سے فیوض و برکات حاصل کیئے تھے۔

تموریا اسٹیشن: دن کے ساڑھے دس بجے یہ قافلہ تموریا اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ ٹرین کا وقت پونے گیارہ بجے تھا۔ ابھی گاڑی کے آنے میں سوا گھنٹہ کی دیر تھی۔ حلقہ پیر ولیا اور سگرام کے مخصوص محبین و خدام نہایت بے چینی کے ساتھ حضرت والا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سب نے حضرت والا سے ملاقات و مصافحہ کیا، پھر حضرت والا استنجے سے فارغ ہو کر ویٹنگ روم میں لیٹ گئے، اور خدام و محبین بھی زمین پر بیٹھ گئے۔ لگ بھگ ایک گھنٹہ تک یہ مجلس ملاقات جاری رہی، حضرت والا باتوں ہی باتوں میں تلقین بھی فرماتے جاتے تھے۔

عام طور پر اپنے معمول کے مطابق حضرت خطاب خاص نہیں فرماتے، بس خطاب عام میں فیوض و برکات کا ظہور ہوتا رہتا۔ بزرگوں کے واقعات، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، مصائب کی مصلحتیں ، گزری ہوئی امتوں کے حالات و واقعات ارشاد فرماتے، ان سے نتائج اخذ کرتے، ہر شخص کے دل پر ایسی کیفیت ہوتی کہ سب سمجھتے کہ جو کچھ فرمایا جا رہا ہے۔ سب میرے ہی حالات

کے مطابق ہے، مجھ سے ہی فرمایا جارہا ہے۔ میری ہی اصلاح مقصود ہے لیکن حضرت والا کا خطاب عام ہوتا، مخاطبت میں کسی کی خصوصیت نہ ہوتی اور بالکل یہ منظر سامنے ہوتا کہ

نگاہ مست گو بیگانہ دارست
مگر ز دیدہ بر ہر میگسار است

ترجمہ "محبوب کی مستانہ نگاہ بہ ظاہر بیگانہ سی معلوم ہوتی ہے مگر در پردہ ہر عاشق کی طرف متوجہ ہے۔"

ادھر سے الطاف و عنایات کا یہ حال کہ ہر شخص اپنے کو حضرت والا سے قریب تر سمجھتا، اور ادھر غیبی رعب و ہیبت کا یہ عالم کہ سارا مجمع مہر بہ لب ہے اور بہ زبان حال یہ کہہ رہا ہے

ایں جا کرا مجال کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

ترجمہ "کس کی مجال ہے جو باغبان سے یہ سوال کرے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور بادِ صبا نے کیا کیا؟"

حضرت اقدس کی ہر مجلس میں یہی نقشہ سامنے آتا تھا، اور اس کا ظہور ہوتا تھا کہ

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

ترجمہ "یہ ہیبت حق تعالیٰ کا عطا کردہ رعب ہے مخلوق کی جانب سے نہیں ہے، اس فقیر کی یہ ہیبت اپنی نہیں موہوب من اللہ ہے۔"

اور

نہ ملکے نہ تختے نہ تاجے
مگر شاہانہ میدارد مزاجے

ترجمہ ''ملک وتخت تاج نہیں ہے، مگر مزاج شاہانہ ہے۔''

الغرض اس اُنس و ہیبت کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ جب تک گاری اسٹیشن پر نہیں آگئی، اس وقت تک کلمات طیبات سے پیاسوں کو سیراب فرماتے رہے۔

ٹھیک وقت پر ٹرین آکر پلیٹ فارم پر رکی، اپنے سارے سامان حسبِ معمول اپنی نگرانی میں اٹھوائے اپنے ساتھ ساتھ لے کر گاڑی میں سوار ہوئے اور گن گن کر خود سے رکھوالیا تب باطمینان تشریف فرما ہوئے، گاڑی میں ساتھ جانیوالے سارے خدام کو جگہ مل گئی۔ راستہ میں سب سے باتیں فرماتے، سب کی سنتے، سب کے لئے دعائیں فرماتے جارہے تھے۔

جمال چک میں قیام: دو بجے کے قریب گاڑی دربھنگہ اسٹیشن پر رکی جہاں پہلے ہی سے حاجی ظہور الحق صاحب اپنے بعض احباب کے ساتھ منتظر تھے، حضرت والا نے اپنے سب سامان پھر اپنی ہی نگرانی میں اتروا کر پلیٹ فارم پر رکھوایا اور باطمینان وہاں سے باہر تشریف لائے، جمال چک ڈھائی بجے پہونچ گئے، ظہر کی اذان ہو چکی تھی۔ سب لوگوں نے جماعت سے نماز پڑھی، نماز کے بعد حضرت والا نے آرام فرمایا، تمام رفقاء سفر بھی آرام میں اور دوسری مشغولیات میں لگ گئے۔

عصر کی نماز کے بعد سے قبل مغرب تک نہایت بشاشت کے ساتھ حضرت والا مجلس میں ارشادات عالیہ سے نوازش فرماتے رہے۔ نماز مغرب کے بعد پھر آرام فرمایا۔ نماز صبح کے بعد حسب معمول تلاوت پھر صبح کے کھانے کے بعد ۹ بجے تک مجلس میں تشریف فرمارہے، نماز ظہر کے بعد ایک ہلکی سی مجلس تین بجے تک ہوئی اور ٹھیک چار بجے دربھنگہ اسٹیشن کے لئے روانگی ہوئی۔ دربھنگہ کے راجہ کے حلقے میں ایک غیر آباد مسجد میں حاجی صاحب کی خواہش پر نماز عصر باجماعت ادا فرمائی، پھر اسٹیشن تشریف لائے۔ گاڑی میں فراغت کے ساتھ جگہ مل گئی، لہریا سرائے اسٹیشن سے گاڑی نکل گئی تو مغرب کی نماز دو دو افراد کی جماعت

سے چلتی ہوئی گاڑی میں ادا کی گئی، سمتی پور تک حضرت والا نے بہت کم کلام فرمایا۔ اب صرف ذکر اللہ میں وقت گزر رہا تھا اور ریل قطع مسافت کرتی چلی جا رہی تھی۔ ریل ہی میں رات کا کھانا کھایا گیا۔

سمتی پور اسٹیشن: سمتی پور پہونچ کر سب نے وضو کیا اور باجماعت نماز عشاء ادا کی گئی۔

گاڑی کے آنے میں ڈیڑھ گھنٹہ کی دیر تھی، اسلئے خدام بھی حضرت والا کے قریب جم کر بیٹھ گئے، گاڑی کے آنے تک حضرت والا مستفیض فرماتے رہے، پونے دس بجے گاڑی روانہ ہوئی اور خدام نے باچشم تر یہ پڑھتے ہوئے الوداع کہی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

ترجمہ ''افسوس ہے کہ بہت جلد محبوب کا وقت رخصت ہوگیا، موسم بہار ختم ہوگیا اور ہم سیر ہو کر روئے گل کا دیدار نہ کر سکے۔''

اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو زدامان گلہ دارد

ترجمہ ''آپ کی خوبیاں بے حد و بے شمار اور اپنی نگاہ کا دامن نہایت تنگ ہے۔ آپ کے باغ کا گلچیں تنگی داماں کا شاکی ہے۔''

بہار کا موسم آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور اپنے ساتھ سرور و مستی کی کیفیات بھی لے جاتا ہے، مگر حضرت اقدس کی تشریف آوری سے جو بہار آئی تھی اس نے بوئے گل سونگھنے والوں کو ایسی مستی عطا فرمائی کہ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی کیونکہ یہ خوشبو اس ذات

عالی صفات کی ہے جس کے لئے بقاء و دوام ہے، اسلئے خود بھی، اس کی کیفیات بھی، اس کے اثرات بھی، اسکی مستی بھی باقی رہنے والی ہے، حق تعالیٰ سے دعاء ہے کہ حضرت والا کو بایں ہمہ فیوض و برکات متکاثرہ دنیا میں باقی رکھے، اور تاقیامت ان برکات کو پھیلاتا رہے، اور ہم سب کو متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے۔

آمین ثم آمین

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری پچھرا اچریا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

ذوق ومزاج

کسی مرید کی خوش بختی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی شخصیت میں اس کے شیخ ومرشد کا رنگ جھلکنے لگ جائے۔ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ کی ذات گرامی میں اتنی زیادہ نوع بنوع کی خصوصیات جمع ہوگئیں تھیں کہ وہ تنہا ایک انجمن تھے، وہ بیک وقت محدث، مفسر، متکلم، صوفی، شیخ طریقت، واعظ اور منصف سب کچھ تھے۔ ایک طرف ان میں علمی جاہ وجلال کا وہ جلوہ تھا کہ دوسرے تمام اہل علم ان کے سامنے ماند تھے، دوسری طرف توحید خداوندی کا غلبہ ان پر ایسا حال تھا کہ انہیں اپنا فضل کمال بلکہ وجود تک مضمحل اور فنا محسوس ہوتا تھا۔ علمی وعملی نمود کی وہ شان کہ ہر مسئلے میں تمام نگاہیں بے اختیار تھانہ بھون کی جانب اٹھ جاتی تھیں، اور فنا اور استہلاک کی یہ کیفیت کہ خود کو ہیچ در ہیچ سمجھے ہوئے، کسی کو نصیحت فرماتے کہتے کہ خود کو مٹاؤ، یہی نصیحت حضرت سید سلیمان ندویؒ کو پہلی ملاقات میں فرمائی تھی، آپ کے ملفوظات، آپ کی سوانح حیات اور آپ کی مجالس کے احوال کو پڑھنے والا ہر شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت تھانوی باینہمہ فضل وکمال خود کو کتنا ہیچ سمجھتے تھے، فنائیت کا یہ رنگ حضرت کا خاص رنگ تھا، ایسی مختلف النوع خصوصیات کا حضرت کے تمام متوسلین ومریدین میں بیک جا ملنا تو مشکل ہے، تاہم حضرت کے خلفاء حضرت کے الگ الگ رنگ کو اخذ کئے ہوئے تھے، بزم اشرف کے ہر ستارے میں روشنی وہیں سے آئی تھی، مگر سب کا لون الگ الگ تھا کسی میں حضرت کی علمی جلالت قدر آئی تھی، کوئی حضرت کہ شان اصلاح کا مظہر بنا کسی نے حضرت کا استغنا وتوکل حاصل کیا، بہت سے ایسے بھی ہوئے، جنہوں نے اپنی استعداد عالی کے مطابق کئی کئی خصوصیات کو سمیٹا۔

ہم کیا ہماری نگاہ قاصر کیا، صرف اتنا اندازہ کر سکتے ہیں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے

حضرت اقدس امروہوی علیہ الرحمہ میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی جن خصوصیات کا جلوہ نظر آتا ہے، ان میں تین باتیں بہت نمایاں ہیں۔

فنائیت: ایک یہ کہ حضرت اقدس پر فنائیت کا بہت زیادہ غلبہ تھا، آپ نے اپنے کو بالکل مٹا کر رکھا تھا کسی طرح کی امتیازی شان اپنے لئے آپ پسند نہیں فرماتے تھے اسی فنائیت کا اثر تھا کہ اپنی کوئی کیفیت اور اپنا کوئی حال ظاہر نہیں فرماتے تھے، مختلف جگہوں پر رہے، اور بہت کچھ دینی کام کئے مگر خاص مریدین و متوسلین تک سے اظہار نہیں فرماتے تھے کہ ان سے کوئی دینی کام بھی ہوا ہے، اسی لئے ایک طویل عمر تک مسلسل خدمت دین کی مشغولیت کے باوجود اب نہیں معلوم کہ آپ نے کہاں کہاں کیا کیا کام کئے، بس ایک تدریس اور درس قرآن کا سراغ تو لگا، باقی ان کہ تفصیلات کا کچھ پتہ نہیں، یہ رنگ حضرت تھانوی علیہ رحمہ کے تمام خلفا میں کم و بیش رہا ہے، مگر حضرت امروہوی میں میں یہ رنگ ذرا کچھ زیادہ نظر آتا ہے۔

ضبط اوقات: دوسری چیز انضباط اوقات و معمولات ہے، حضرت تھانوی علیہ رحمہ کی زندگی کا خاص جوہر جس نے ان کے اوقات کے ایک ایک لمحے کو بیش قیمت اور مفید تر بنا دیا تھا، وہ یہی تھا کہ آپ نے ہر کام اور ہر معمول کے لئے ایک وقت اور قاعدہ مقرر کر رکھا تھا، اور سختی سے اس کی پابندی کرتے، اور دوسروں سے بھی اس کی پابندی چاہتے تھے، اس ضبط اوقات کی برکت تھی کہ آپ کو تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت جیسے یکسوئی اور خلوت والے کام سے لے کر وعظ نصیحت اور ترتیب وارشاد جیسے عوامی کام تک کا موقع مل جاتا تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص التفات خاص سے محروم نہیں رہتا تھا، اگر اوقات و معمولات کی یہ پابندی نہ ہوتی تو بیک وقت یہ تمام کام ہرگز انجام نہیں پا سکتے تھے۔

حضرت اقدس امروہوی میں ہم یہ شان بھی پوری طرح جلوہ گر دیکھتے ہیں، ہر کام اور

ہر وقت کیا ایک معمول مقرر تھا، اس کو پابندی سے انجام دیتے تھے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ بڑھاپے اور ضعف کے زمانے میں بھی اوقات کا اتنا اہتمام تھا کہ مولانا کے آنے جانے کے اوقات میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوتا تھا۔

حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب الٰہ آبادی فرماتے تھے کہ حضرت مولانا اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، غالباً ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر کر رکھا تھا کہ اس میں پورے کمرے کی صفائی کرتے، اپنے کپڑے دھوتے، برتن وغیرہ صاف کرتے، اپنے ہی ہاتھ سے کھانا پکاتے، مٹی کے مختلف گھڑے اور لوٹے رکھے رہتے، ہر ایک میں قرینہ سے پانی بھرے ہوئے ہوتے، کسی میں دو دن کا پانی ہوتا کسی میں ایک روز کا، گرمیوں میں جاڑوں میں حسب ضرورت استعمال فرماتے، ایک دن قاری صاحب تشریف لے گئے، حضرت مولانا پانی بھرنے کے لئے باہر نکل رہے تھے، قاری صاحب نے چاہا کہ یہ خدمت وہ انجام دیں، لیکن حضرت نے روک دیا کہ آپ تشریف رکھیں، آپ کو معلوم نہیں کہ کون سی چیز کہاں رہے گی، پھر خود اپنے ہاتھ سے سب کام انجام دیئے۔

حضرت اقدس کی یہ شان بالکل آخر عمر تک قائم رہی، آپ کے معمولات گھر پر بھی ایسے ہی رہے، جہاں ہر طرح کی خدمت کرنے والے حضرات موجود تھے، مگر آپ کا حتی الامکان کسی سے خدمت لینے کا مزاج نہ تھا، منشی معراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ہر جمعہ کو اپنے گھر کی صفائی کرنے، جھاڑو دینے، برتن مانجھنے اور کپڑوں کے دھونے کا معمول تھا، کپڑے اگر پھٹے ہوئے ہوتے تو خود ہی انہیں سی لیتے، پیند لگاتے، رفو کرتے، یہ سارے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے، گھر والوں کے اصرار پر بھی ان سے یہ خدمت نہ لیتے۔

استغنا و توکل: تیسری چیز جس کا جلوہ حضرت کی پوری زندگی میں یکساں نظر آتا ہے، وہ ہے تواضع و انکسار کیساتھ استغنا و توکل کا ملکہ، تواضع بھی ہو اور اس کے ساتھ استغناء بھی

ہو، ان دونوں کی جمع کرنا اہل اللہ ہی کا حصہ ہے، ورنہ عموماً استغنا ہوتا ہے تو آدمی تکبر وانانیت میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور تواضع ہوتی ہے تو پستی وابتذال میں جا پڑتا ہے، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کی شان استغنا سبھی جانتے ہیں۔ حضرت امروہوی علیہ الرحمہ نے بھی یہ صفت کمال خوب پائی تھی، زندگی میں ہر طرح کے مراحل آئے، مگر ایک شان استغنا توکل کی ہمیشہ قائم رہی، اور اسطرح قائم رہی کہ ملنے والوں کو بھی حالات کے الٹ پھیر کا علم نہیں ہوتا، اپنی بیماریوں اور تکالیف کی اطلاع حتی الامکان اپنے متوسلین کو بھی نہیں ہونے دیتے تھے تاکہ نہ انھیں کوئی پریشانی اور تردد ہو، اور نہ یہ اطلاع صورت سوال بننے پائے، ایک مرتبہ آپکے پیر میں کتے نے کاٹ لیا، آپ نے کسی کو اطلاع نہیں دی لیکن کسی طرح متوسلین کو خبر ہوگئی تو دریافت احوال کئے خطوط لکھے، ایک خط کے جواب میں آپ اپنے مخلص خادم حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب کو لکھتے ہیں کہ

”آج آپ کا جوابی کارڈ ملا۔ جس سے آپ کی پریشانی معلوم ہوئی کتے کے کاٹنے کا واقعہ صحیح ہے، مدرسہ سے آتے ہوئے ایک کتیا نے خاموشی کے ساتھ پیچھے سے داہنی پنڈلی پر منہ مار دیا، دونوں طرف زخم آئے تھے، چودہ دن برابر مرادآباد جا کر انجکشن لگوائے وہ دونوں زخم پکنے لگے، ان کا علاج امروہہ میں ہوتا رہا، الحمد للہ اب بالکل افاقہ ہے، زخم خشک ہوگئے، تشویش کی کوئی بات نہیں۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں، معلوم نہیں ماسٹر عیسیٰ صاحب کو کس نے لکھدیا، غالباً مرادآباد سے کسی بہاری طالب علم نے اطلاع کردی۔ جس سے وہ بھی پریشان ہوئے اور دوسرے احباب بھی، ورنہ میں نے کسی دوست کو نہیں مطلع کیا، گو احباب کے خطوط برابر آتے رہے، خیریت دریافت کرتے، خیریت ہی سے جواب دیتا رہا۔“

یہ تین خصوصیات تو کھلی آنکھوں ہر شخص دیکھتا تھا، ان کے علاوہ اور کیا کیا کمالات تھے، حضرت کی فنائیت اور اخفاء احوال کی شان نے کہاں کسی کو ظاہر ہونے دیا۔ اللہ والوں

کے اوصاف وکمال کا تعلق چونکہ زیادہ تر قلب اور باطن سے ہوتا ہے۔ محبت الٰہی، عشق نبوی، استقامت اور جذبہ اطاعت یہ سب قلبی مقامات ہے، ان کا احاطہ ظاہری آنکھیں اور سرسری علم کیونکر کرسکتا ہے یوں بھی ان کا ادراک ایک امر دشوار ہے، اور جہاں احوال وواردات کا اتنا اخفا ہوکہ باوجود لبریز ہونے کے اتنی احتیاط ہوکہ جام چھلکنے نہ پائے، نہ زبان گہربار کی راہ سے اور نہ چشم اشکبار کی راہ سے، وہاں درد عشق اور سوز غم کے ظہور کی کیا صورت ہوسکتی ہے، ہر وقت کے پاس رہنے والے بھی کیفیات قلبی کا اندازہ نہیں کر پاتے، منتہی اپنے ظاہری احوال کے اعتبار سے بہ ظاہر عوام الناس کی سطح سے اوپر نہیں معلوم ہوتا، مگر قلب اور باطن اعتبار سے

ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے، اس سالک کے مقامات اور مراتب کا جس نے ابتداء سے انتہا تک خود کو دین کے لئے وقف کر رکھا ہو، تاہم دیکھنے والوں نے یہ دیکھا ہے اور ہر دیکھنے والا بصمیم قلب اس کی شہادت دے گا کہ حضرت کے اوقات ومعمولات میں ایسی استقامت اور پختگی تھی، جو حالات وواقعات، مکان وزمان، خوشی ومسرت اور رنج وغم اور سفر وحضر کے تمام انقلابات وتغیرات کے باوجود یکساں طور پر قائم رہتی ہے، بیماری ہو، صحت ہو، موسم بدل رہا ہو، دھوپ کی تمازت ہو، جاڑے کی شدت ہو، برسات کی رم جھم ہو، کوئی حالت ہو، عبادات ومعاملات کی جس پابندی کا عہد خدا سے باندھ لیا تھا، اس میں کبھی تغیر نہیں آتا تھا، آخر آخر تک جب کہ سَو کے قریب عمر ہوچکی تھی، پورے جسمانی وجود پر معذوری کا غلبہ ہوچکا تھا، نہ خود سے اٹھ سکتے تھے، نہ چل سکتے تھے، اس وقت بھی خطوط کے جواب اپنے دست مبارک سے دیا کرتے، جواب بے حد مختصر ہوتا، مگر حضرت کے قلم سے ہوتا، جس کا ہر حرف محبین وطالبین کے خاتم دل کا نگینہ بن جاتا، صفر سنہ ۱۳۹۹ھ میں حضرت کا وصال ہوا ہے، دوسال مستقل صاحب فراش رہے ہیں، ہر عضو پر معذوری ومجبوری کا تسلط تھا۔ مگر اواخر محرم سنہ ۱۳۹۹ھ میں اپنے دست مبارک سے حضرت ماسٹر محمد قاسم

صاحب مدظلہ کے خط کا جواب تحریر فرماتے ہیں تحریر بتا رہی ہے کہ ہاتھ میں رعشہ ہے، پوری عبارت رعشہ سے متاثر ہے، مگر صاف پڑھی جاتی ہے، کتنی مختصر تحریر ہے مگر محب کے لئے کتنی دلکش! ایک شیخ طریقت دنیا کی تمام بندشیں توڑ کر، عمر کی تقریباً سو منزلیں طے کر کے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہے، ساری عمر کی تگ و دو اور کدو کاوش کا صلہ لینے کا وقت ہے، آخری وقت میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور رحمت خصوصی کے مورد و مہبط بنتے ہیں، ایسی محبوبیت اور مقبولیت کی بیش قیمت ساعت میں وہ اپنے ایک متوسل کو لکھتا ہے، لکھتا کیا ہے، اسے بشارت سناتا ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت کا ایک ایک لفظ جیسی کچھ قیمت رکھتا ہے، اس کا اندازہ محب اور عاشق ہی کر سکتا ہے، تحریر فرماتے ہیں، مختصر مگر بھرپور

وعلیکم السلام، الحمدللہ بخیریت ہوں، جمیع مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔ سراج احمد

یہ شان استقامت جوہر کرامت سے بڑھ کر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی استقامت کا حکم دیا ہے، چنانچہ ایک صاحبہ سے جنھوں نے مختصر جامع نصیحت کی درخواست کی تھی، آپ نے فرمایا تھا کہ

قل آمنت باللہ ثم استقم ۔۔۔ تم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی پر جم جاؤ

حق تعالیٰ نے بھی اصحاب استقامت کی مدح فرمائی اور انہیں ایسا نواز ہے کہ اصحاب رخصت بھی ایک مرتبہ مچل اٹھتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا
تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ
فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۔

بلاشبہ (بات یہی ہے) کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر جم رہے ان پر فرشتے لگاتار اترتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) نہ کچھ اندیشہ کرو اور نہ کچھ افسوس کرو، اور جنت کی خوش خبری قبول کرو جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست اور مددگار ہیں ۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور آخرت میں تمہارے واسطے وہ تمام چیزیں ہیں، جنکی خواہش تمہاری طبیعت کو ہوگی اور جس کو تم چاہوگے اور غفور رحیم کی جانب سے مہمانی کا سامان ہوگا۔

قرآن وحدیث کی اس روشنی میں دیکھئے تو تمام اوصاف وکمالات کا مجموعہ اور سب کی جامع یہی صفت استقامت ہے۔ جس کا مشاہدہ حضرت کی زندگی میں ایک دلآویز تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس کا ایک نمونہ حضرت کے سفرنامہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اگر آپ کئے اندر اور کوئی نمایاں وصف کمال نہ ہوتا، صرف یہی استقامت ہوتی جب بھی آپ کی شخصیت کے کمال میں کوئی کمی نہ ہوتی، چہ جائے کہ آپ اپنی ذات سے مجمع کمالات تھے۔

اہل تعلق کی دلداری: اہل اللہ کا ایک خاصہ جو انھیں سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں گویا وراثۃً ملتا ہے، وہ مخلوقات پر عموماً اور اپنے اہل تعلق پر خصوصاً شفقت وعنایت کی فراوانی ہے، رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی شفقت ورافت اور عنایت ورحمت کا مجموعہ ہے۔ نازک سے نازک حالات میں بھی آپ کی مہربانی کرم کی بارش

رکتی نہ تھی۔ یہ وصف انبیاء کا خصوصی کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا، اور آپ کی شفقت کی ایسی بلیغ تعبیر فرمائی ہے کہ اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ارشاد ہے۔

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ	بلاشبہ تمہارے پاس خود تمہارے اندر سے ایک
اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا	رسول آیا، جس پر ہر وہ بات گراں گزرتی ہے جس
عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ	سے تمہیں مشقت ہو، وہ تمہارے اوپر بہت حریص
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔	ہے۔ مومنین پر بے انتہا مشفق و رحیم ہے۔

آپ کے اتباع میں یہی صفت وارثین نبوت کو ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت والا کی زندگی سراپا شفقت و کرم سے عبارت تھی، دوستوں کی ایسی دلداری فرماتے کہ سب نہال ہو جاتے۔ بہار کا آخری سفر جو انتہائی معذوری کے زمانے میں کیا تھا، عمر شریف ۹۳/۹۴ کے قریب ہو چکی تھی۔ ایسی حالت میں محض اپنے متوسلین کی دلداری میں مشقت بھرا سفر گوارا کیا، ایک جگہ حضرت بیت الخلاء جاتے ہوئے بے ساختہ گر پڑے۔ خدام سراسیمہ ہو گئے۔ حضرت پر معذوری اور نسیان کا غلبہ تھا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ کون مجھے یہاں لایا۔ خدام اور بھی پریشان ہو گئے کہ خدانخواستہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو بہت دشواری ہو گی۔ تھوڑی دیر میں حضرت کو افاقہ ہوا تو آپ فرمانے لگے کہ آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں، میں اچھا ہوں۔

ایک ٹھنڈی رات: ایک بار مدرسہ اشرفیہ پوہدی بیلا میں کسی سفر کا پہلا قیام ہوا۔ خدام نے ٹھنڈک اور راحت کے خیال سے حضرت کا بستر مدرسہ کے صحن میں لگا دیا، رات میں تیز ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، حضرت کو ٹھنڈک کا احساس ہوا تو آپ کمرہ میں تشریف لے گئے کہ اپنے بستر سے چادر نکال کر اوڑھ لیں۔ اتفاق سے حضرت والا کا بستر جو عموماً ایک صاف ستھرے

ٹاٹ میں بندھا ہوا ہوتا تھا۔ کسی صاحب نے اسے اپنے سر کے نیچے تکیہ بنا رکھا تھا۔ حضرت والا نے ان صاحب کے آرام میں خلل پڑ جانے کے خیال سے اسے چھوا تک نہیں۔ اور کنڈی جو الگ رکھی ہوئی تھی، اس میں سے اپنی لنگی نکال کر لپیٹ لی اور صبح تک اسے لپیٹے رہے، سردی کھاتے رہے، مگر دوسرے کو تکلیف نہ دی۔

رات کے معمولات کے لئے حضرت والا بیدار ہوتے تو سب کام نہایت آہستہ آہستہ انجام دیتے، سونے سے قبل ہی بیت الخلاء دیکھ لیتے استنجا کے ڈھیلے اور ضرورت کے لائق پانی رکھوا لیتے تاکہ وقت پر کسی کو جگانا نہ پڑے۔ ذکر جہری میں بھی آپ کی آواز اتنی خفیف اور پست ہوتی کہ بالکل قریب سونے والے کی بھی نیند میں خلل نہیں پڑتا تھا۔ غرض ہر حال میں دوسروں کی راحت رسانی کا خیال رہتا تھا۔

کھانے میں رفقا کی رعایت: دسترخوان پر بھی یہی دیکھا گیا کہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھے ہوئے برتن، اپنے ساتھ کھانے والوں کی طرف بڑھاتے رہتے، اور خود بہت کم استعمال فرماتے تھے، اچھی سے اچھی چیز بھی اپنے برتن میں اسی قدر نکالتے کہ اگر تقسیم کیا جاتا تو حضرت والا کا حصہ اس سے کچھ زائد ہی ہوتا جتنا آپ نے خود لیا ہے، میزبان کی خواہش عموماً یہ ہوتی کہ فلاں مخصوص چیز حضرت استعمال فرمائیں، لیکن حضرت والا اپنے ساتھ کھانیوالوں کی شرکت اور ان کے حق کا لحاظ فرماتے اور بطور شکر نعمت کے دسترخوان پر کبھی کبھی

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

ایک خاص انداز میں تلاوت فرماتے اور کبھی یہ شعر پڑھتے

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

نگاہ کا دامن تنگ ہے اور آپ کے حسن و جمال کے پھول بہت ہیں آپ کی بہار کا گلچیں اپنی

تنگیٔ داماں کا شاکی ہے۔

کبھی بھی ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ کھانے کی کسی چیز سے ناگواری ظاہر فرمائی ہو۔ خواہ وہ کیسی ہی پکی ہوئی ہو۔ جو کچھ پیش کیا جاتا نہایت خوشی سے بقدر ضرورت تناول فرمالیتے۔ (مسودۂ ملفوظات)

متوسلین کی نفع رسانی کا اہتمام: حضرت کو اپنے مریدین و مستقدین کے نفع ونقصان اور ان کے اوقات کی اتنی نازک رعایت ہوتی، جس کی طرف عام نگاہیں جا بھی نہیں پائیں گی۔ آپکے خدام جب امروہہ میں حاضری کی اجازت چاہتے تو آپ اس کی بہت رعایت فرماتے کہ آنے والوں کو زیادہ سے زیادہ دینی نفع حاصل کرنے کا موقع ہو، امروہہ میں آپ تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے اور مدرس کو مریدین ومتوسلین کے افادہ کا زیادہ موقع نہیں مل پاتا۔ کیونکہ تدریس کی مشغولیات ایک مدرس کے تمام اوقات کو مختلف حیثیتوں سے اتنا گھیر لیتی ہیں کہ اسے دوسرے کاموں کا موقع کماحقہ نہیں ملتا۔ ایسے مواقع پر حضرت والا اپنے خدام کو اجازت دینے میں پس وپیش کرتے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی کسی موقع پر خدام نے خدمت میں حاضری کا قصد کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا

عزیز ماسٹر محمد قاسم صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مئی جون کی تعطیل میں امروہہ آنے کا آپ اپنا ارادہ مع دیگر احباب کے لکھ چکے ہیں، کل حاجی ظہور الحق صاحب جمال چک کا لفافہ آیا تھا۔ انھوں نے بھی اپنا ارادہ آپ کے ہمراہ آنے کا لکھا ہے۔ محمد رفیق صاحب سگرام بھی اپنا شوق لکھ چکے ہیں، غالباً اور دوسرے احباب کا بھی ارادہ ہے۔ ان سب صاحبوں کی آمد کا منشا احقر نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں استفادہ کا زیادہ سے زیادہ موقع ملیگا حالانکہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھ کو درس وتدریس کی وجہ سے مجلس کی فرصت نہیں ملتی۔ دورۂ دربھنگہ میں دونوں وقت مجلس ہوتی ہے۔ نماز، وضو، کھانے کے اوقات

میں بھی کچھ نہ کچھ مفید باتیں زبان پر آتی رہتی ہیں جو لوگ اس طویل سفر کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ بھی ان باتوں کو سن کر فائدے اٹھاتے ہیں غرض یہ کہ استفادہ زائد حاصل کرتے ہیں۔ اس مقصد سے اس طویل سفر کو اختیار کرنا بیکار ہے۔ ہاں صرف ملاقات کرنا مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔

(نوٹ) دورۂ دربھنگہ میں ہماری تکلیف کا لحاظ نہ کیا جائے، مصلحت کی وجہ سے اس کو برداشت کرلیا جاتا ہے، یہی مضمون حاجی صاحب کو لکھ دیا ہے، سب احباب کو اطلاع کر دی جائے۔

سراج احمد ازامروہہ

اتنی نازک اور دقیق رعایت! یہ حضرت حکیم الامت ہی کی تربیت کا خاصہ ہے۔

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری پچھرا اچریا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

شان اصلاح وتربیت

حضرت اقدس چونکہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے تربیت یافتہ تھے، اور تھانہ بھون میں عرصہ تک مقیم رہے ہیں۔ اسلئے اس باب میں آپ کی تربیت اور اصلاح کا طریقہ قدرتاً وہی تھا جو حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ کے اثر اور فیضان سے ہونا چاہئے تھا۔ متوسلین کے احوال کی وہی نگرانی، مکاتبت اور اطلاع احوال کی تاکید، اخلاق کی اصلاح کا اہتمام غرض جو انداز تھانہ بھون میں تھا اسی کا نمونہ آپ کے یہاں تھا۔

اخلاقی رذائل کے معالجہ کے لئے حضرت حکیم الامت کے یہاں دستور تھا کہ الگ الگ رذیلوں کی اصلاح کا بھی اہتمام کیا جائے اور جب تک ایک رذیلہ کا علاج اور اس کا ازالہ قابل اعتبار حد تک نہ ہو جائے، دوسرے کا علاج نہ پوچھا جائے، اس طریقۂ علاج میں نہایت سہولت کے ساتھ تمام رذائل سے جلد گلوخلاصی ہو جاتی تھی کیونکہ ایک طرف ان رذائل نفس کا علاج جاری رہتا، دوسری طرف ذکر و اذکار اور بقدر ضرورت دینی و اصلاحی کتب کے ذریعہ روحانی غذا کا سامان بھی پہونچایا جاتا۔ اس طرح روحانیت طاقتور ہوتی چلی جاتی اور علاج نفس سے رذائل مضمحل ہونے لگتے، بالآخر نفسانیت کو اس دو طرفہ یورش سے شکست ہو جاتی۔ اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو اشرف السوانح جلد سوم میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری کے مکاتیب ملاحظہ کر لیجئے۔

بعینہٖ یہی طریقہ حضرت والا نے اپنے متوسلین کے باب میں اختیار فرمایا تھا، چنانچہ حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہ کے ذخیرہ خطوط میں اس کے نمونے جابجا ملتے ہیں۔

یہاں نامناسب نہ ہوگا، اگر حضرت کی مہارت فن اور حذاقت کے چند نمونے پیش کر دیئے جائیں، اس سلسلے میں تبرکاً حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا واقعہ اشرف السوانح سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے اصلاح و تربیت کے باب میں حضرت اقدس کی شان کا

اندازہ ہوتا ہے۔ سالکین راہ طریقت کو اکثر ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ ان کے قلب پر مختلف خیالات و وساوس کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے پریشان ہوتے ہیں ایسے خطرات و وساوس کے بارے میں عموماً یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی منشا شیطانی موثرات ہیں۔ اور یہ ہوتا بھی ہے کیوں کہ سالک خدا کا قرب و رضا حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتا ہے۔ تو شیطان بھی اس کو راہ سے منحرف کرنے کی پوری کوشش صرف کر دیتا ہے۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی خطرات و وساوس کا ہجوم ضعف قلب یا کثرت ریاح کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ ناواقف آدمی سب کا منشا ایک ہی سمجھتا ہے پریشان ہوتا ہے، مگر ماہر معالج ہر ایک وسوسہ کا منشا سمجھتا ہے اور اس کا صحیح علاج کرتا ہے، اسی قسم کا واقعہ ایک بار خواجہ صاحب کو پیش آیا فرماتے ہیں کہ

”حال ہی میں بوجہ تبخیر احقر کے قلب و دماغ میں خطرات واہیہ کا سخت ہجوم تھا۔ جس سے شدید حزن و غم طاری رہتا تھا، میرے استاذ مکرم جناب مولانا سراج احمد سے بہ سلسلہ گفتگو جو ذکر آیا تو انھوں نے خود اپنے تجربے کی بنا پر میرے احتمال تبخیر کی بہت قوت کے ساتھ تائید کی اور فرمایا کہ یہ حالت یقیناً تبخیر ہی کی وجہ سے ہے اور اس کی طبی اصول پر اس طرح تقریر فرمائی کہ مجھکو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ ان خطرات کا سبب واقعی تبخیر ہی ہے، نعوذ باللہ سوء اعتقاد نہیں ہے، بس اس کا یقین ہونا تھا کہ قلب کی تشویش فوراً دفع ہو گئی اور اسی وقت سے انقباض طبعی مبدل بہ انشراح و انبساط ہو گیا، پھر اس انبساط سے قلب کو قوت پہونچی جس نے تبخیر ہی کو دفع کر دیا، کیونکہ غم بھی اکثر موجب تبخیر ہو جاتا ہے۔ (۱)

ریا نہیں وسوسۂ ریا: سالکین کو عموماً ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ انھیں اعمال و اذکار میں ریاکاری کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ بعض اوقات ناقصین واقعی ریاکاری کرتے ہیں اور بعض اوقات ریاکاری تو نہیں ہوتی، انھیں ریاکاری کا شبہ ہو جاتا ہے، یہ وقت سالک کے لئے بڑا نازک ہوتا ہے وہ ریاکاری کے شبہ سے عمل کو ہی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ جس کی وجہ سے محروم ہو جاتا

ہے۔ ماہر شیخ اپنے مرید کو نہایت صفائی سے اس گھاٹی سے نکال لیجاتا ہے، اور اس کو محرومی سے بچالیتا ہے۔ چنانچہ ایک سالک لکھتے ہیں کہ

بسا اوقات ریا کے خوف سے معمولات میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔
حضرت اس کی کسی تدبیر سے مطلع کریں تا کہ کوتاہی سے بچ سکوں

حضرت نے جواب تحریر فرمایا

ریا اختیاری شئے ہے۔ بندہ کے ارادہ کرنے سے ہوتی ہے۔
جب آپ کا ارادہ نہیں ہوتا تو ریا کیسی، یہ وسوسۂ ریا ہے
ریا نہیں ہے اس لئے عمل میں کوتاہی ہرگز نہ کی جائے۔

خدا کا فضل اور بندہ کا عمل: کبھی سالک کو اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل خداوندی سے مایوسی ہونے لگتی ہے، اور کبھی فضل الٰہی پر مغفرت کا انحصار ہونے کی وجہ سے انسان عمل سے بے رغبت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کو سنبھالنا ماہر شیخ کا کام ہے ایسے ہی پریشانی کی حالت میں ایک سالک کو آپ تحریر فرماتے ہیں

"پریشانی کی کیا بات ہے۔ گو اعمال تو اس قابل نہیں مگر فضل و کرم تو حق تعالیٰ کا بندوں کے لئے موجود ہے، لیکن فضل بھی اعمال کی بدولت حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اعمال میں کوتاہی نہ کی جائے۔"

سبحان اللہ! آب زر سے لکھے جانے کے قابل یہ ارشاد ہے۔

نماز میں خشوع کی حقیقت: عموماً خشوع کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی نماز میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ اسے گرد و پیش کی خبر نہ رہے، یا یہ کہ اس کے دل میں کسی طرح کا خیال اور وسوسہ بجز یادِ الٰہی کے باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ استغراقی کیفیت نہ صرف کہ نہایت مشکل ہے بلکہ اس کا حصول اختیار بھی نہیں ہے۔ اس سے سالک پر ایک طرح کی

مایوسی طاری ہوجاتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے خشوع کو حکم دے کر آدمی کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں

> ''خشوع کی حقیقت سکون ہے۔ پس اپنے قصد اور ارادہ کو افعال صلوۃ سے وابستہ رکھنا جیسا کہ شروع شروع میں جو سورت پکی یاد ہو، اس کی توجہ کے ساتھ اور دِل لگا کر پڑھنا، ایسے ہی نماز کے ہر فعل کو توجہ کے ساتھ کرنا، بس اس سے خشوع حاصل ہوجاتا ہے، اگر وساوس از خود آتے ہوں تو ان کی طرف توجہ نہ کی جائے، حتی کہ دفع کے لئے بھی، تو ان کا آنا کچھ مضر نہیں۔''

ایک غلط فہمی کا ازالہ: حضرت کے ایک متوسل کا قیام ایک ذاکر و شاغل مگر بدعتی گھرانے میں تھا وہ لکھتے ہیں کہ ''جن کے یہاں میرا قیام ہے۔ بہت ہی عابد، ذاکر و شاغل ہیں۔ اگرچہ مشرب میں اختلاف ہے لیکن بظاہر کوئی چیز ایسی دیکھنے میں نہیں آتی جس سے پتہ چلے کہ غالی فی البدعت ہیں۔ نوافل کی اتنی کثرت کرتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے...... فجر کی اذان کے بعد تو اتنی درد بھری آواز سے ذوق وشوق سے درود و نعت پڑھتے ہیں کہ جی بھر آتا ہے۔ نماز فجر کے بعد جہر کے ساتھ مخصوص درود سب نمازی ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور عشا کے بعد ذکر نفی و اثبات بھی اسی طرح جہر کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں خاموش فارغ ہو کر سنتا رہتا ہوں، اکثر ان پر رقت طاری رہتی ہے۔ ان کے اس جذب و حال کو دیکھ کر رشک آتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ حال ہے جنھیں بدعتی کہتا ہوں، اور خود قاسی القلب، جذب و رقت سے کورا ہوں، ان لوگوں کے حالات میں اپنا حال گم ہوجاتا ہے، بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔ اگر راہِ طریق کے طے کرنے میں یہ معین و مددگار ہے تو اس کے لئے دعا فرمادی جائے، اور اگر یہ مفید و مقصود نہ ہو تو جو مقصود ہو اس کے حصول کیلئے دعا فرمادی جائے۔''

یہ حالت جو سالک نے لکھی ہے، نہایت نازک مقام ہے، اہل باطل کو بھی ریاضت

ومجاہدہ کی راہ سے اذواق ومواجید اور کیفیات وحالات حاصل ہوجاتے ہیں ۔ چونکہ ان میں ایک خاص طرح کی تاثیر ہے اور انسان طبعاً ایسے عجائب کی طرف میلان رکھتا ہے، اس لئے دل میں خواہش پیدا ہونا، بلکہ اس کے حصول کے لئے اہل باطل کے دروازوں پر سرٹیک دینا کچھ بعید نہیں، کتنے لوگ قادیانیت میں اسی لئے مبتلا ہوئے کہ اس کے پیرووں کو اسی طرح کے عجائب حاصل تھے ۔ ایسے وقت میں شیخ کامل ہی سنبھالتا ہے چنانچہ اس خط کے جواب میں حضرت مختصر مگر ایک جامع اصول لکھتے ہیں کہ

”مقصود روحانی جذب وکشش ہے، جس کا طریق صرف اتباع سنت ہے، جو بحمدہ تعالیٰ آپ کو حاسل ہے، عمر بھر اگر گریہ اور رقت نہ ہو لیکن اتباع میسر ہو تو یہ شخص واصل بحق ہے۔“

مقصود اور غیر مقصود کے درمیان یہ تحریر حد فاصل ہے اور مقصود کے حصول کے بے ضرر اور مفید وضروری طریق کی وضاحت ہے۔

صدق واخلاص: سالک راہ طریقت کے لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ اول قدم صدق واخلاص ہے، اس کے بغیر حق تعالیٰ کے قرب ورضا کی راہ چلنا ممکن نہیں، لیکن سالک کو چونکہ اپنے نفس سے ہر وقت بدگمانی رہتی ہے ۔ اسلئے اس مسئلے میں کبھی کبھی وہ پریشان ہوجاتا ہے اور بسا اوقات اسے احساس ہونے لگتا ہے کہ میں اس اول قدم سے بالکل کورا ہوں ۔ اسی الجھن کے سلسلے میں ایک سالک کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”ہر عمل صالح میں نیت حصول قرب ورضائے حق تعالیٰ یا حصول ثواب ودخول جنت ہو، غرض دنیا سے بالکل پاک وصاف ہو، بس یہی حقیقت صدق واخلاص کی ہے اور نیت اختیاری شئے ہے، اختیار سے کام لیا جائے۔“

یہ تحریر بظاہر تو مختصر ہے لیکن جو اس الجھن میں مبتلا رہ چکا ہے وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ اس مختصر عبارت نے راستہ کتنا صاف کردیا ہے۔

صبر کی حقیقت: دین کی راہ میں جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے وہ صبر ہے۔ سالک کو قدم قدم پر رکاوٹوں مصائب، اقرباء و احباب کے طعنوں اور دوسری بلاؤں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ کتنے لوگ تو ان مشکلات کی تاب نہ لا کر لائن ہی تبدیل کر دیتے ہیں لیکن صبر کا عروۃ الوثقیٰ جس نے تھاما وہ کامیاب ہو گیا۔ تاہم صبر کیا ہے؟ اسکے حصول کا طریقہ، اور معیار کیا ہے، اس کے نہ جاننے سے کبھی آدمی صبر کو بے صبری تصور کر لیتا ہے، ایک متوسل تحریر کرتے ہیں

> ’’صبر کے پیدا ہونے کے لئے علاج تحریر فرمایا جائے، مصائب کا تحمل قلب پر بہت ہی گراں گزرتا ہے بلکہ کوئی بات خلاف طبع پیش آجائے تو اس سے قلب میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور قلب میں اسکی وجہ سے طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں، امید ہے کہ حضرت اقدس اس کے لئے علاج تجویز فرمائیں گے اور اس کی حقیقت شرعیہ سے بھی مطلع فرمائیں گے۔‘‘

اس کے جواب میں حضرت تحریر فرماتے ہیں

’’کلفت کے وقت ترک شکایت حق تعالیٰ کی جناب میں، یہ ہے صبر کی حقیقت، ناگواری کے وقت شکایت نہ کی جائے، نہ زبان سے نہ دل سے، بس صبر حاصل ہو گیا، رہے ناگواری کے اثرات تو وہ منافی صبر نہیں ہیں، بلکہ ان میں مصلحت ہے کہ تزکیۂ نفس و کفارہ ہو جاتا ہے۔‘‘

یہ ساری تحریریں دریا بکوزہ کی مصداق ہیں ان کی شرح کی جائے تو بہت سے حقائق سامنے آئیں گے لیکن حالات کے اس مختصر سے رسالہ میں اس کی گنجائش کہاں؟ صرف نمونے کے لئے یہ چند ارشادات قلمبند کر دیئے گئے ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کرامات و قبولیتِ دعا

اہل اللہ کو ان کی اطاعت و عبادات، تفویض و توکّل، اور زہد و تقویٰ کے نتیجے میں کچھ خصوصی احوال و مقامات باری تعالیٰ کی جناب سے عطا ہوتے ہیں ان میں سے ایک بڑا عطیہ قبولت دعا اور کشف و کرامت ہے، یہ حضرات خود کو مٹا کر اور خودی کی دیواریں منہدم کر کے جب اپنا سب کچھ اس بارگاہِ عالم پناہ کے سپرد کر دیتے ہیں تو پھر ادھر سے قبولت و محبوبیت سے نوازے جاتے ہیں اور انھیں خدا تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں خصوصی داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ بندہ جب اس مقام پر پہونچتا ہے اور نفس کی آلودگیوں سے یکسر پاک ہو لیتا ہے تو اسکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب عادیہ سے ہٹ کر ظہور کرنے لگتی ہے، اب وہ اسباب کا پابند اس لئے رہ جاتا ہے کہ عالم اسباب میں ہی رہتا ہے ورنہ اسباب۔ جو درحقیقت ارادۂ خداوندی کے تابع ہیں۔ اس کے خادم کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، اس کا وجود قدرتِ الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے، عام اسباب سے علٰحدہ. بہت سے کام اس کے واسطے سے ظاہر ہونے لگتے ہیں انھیں خلاف عادت اور خلاف اسباب امور کا نام اولیاء و صالحین کے تعلق سے کرامت ہے۔ کرامتیں دو طرح کی ہوتی ہیں حسی اور معنوی، حسی کرامات تو ہر شخص دیکھتے ہی محسوس کر لیتا ہے، مثلاً پانی کے اوپر چلنا، ہوا میں اڑنا، کھانے میں برکت کا ظاہر ہونا، مریض کو ہاتھ لگاتے ہی اس کا شفایاب ہو جانا لیکن معنوی کرامت کا ہر شخص ادراک نہیں کر سکتا، مثلاً شریعت کی ایسی پابندی کہ اس میں کبھی فرق نہ پڑے، جسے استقامت کہتے ہیں۔

حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح کی کرامات عطا فرمائی تھیں۔ معنوی کرامت یعنی بے مثال استقامت کا تذکرہ سابقہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں چند حسی

کرامات اور قبولیت دعا کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

وقت میں برکت: پہلے کہیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت اقدس سفر کے معمولات کے بے حد پابند تھے۔ جس جگہ پہونچنے کا جو وقت مقرر ہوتا، اس میں ذرا بھی تاخیر گوارا نہ تھی، اس سلسلے میں حق تعالیٰ کی مدد کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا تھا، سفرنامہ میں مختصراً ایک جگہ ذکر آیا ہے کہ کھور نامی مقام سے، جس وقت نکلنے کا پروگرام تھا، ٹھیک اسی وقت آندھی اور بارش شروع ہوگئی۔ فجر کے پہلے سفر کا پروگرام تھا، بارش اور طوفان کی وجہ سے مجبوراً رکنا پڑا اور بارش ذرا کم ہوئی تو دو گھنٹے کے بعد سفر شروع ہوا، بیل گاڑی کا سفر تھا۔ ایک تو بیلوں کی رفتار ہی کیا، دوسرے بارش اور کیچڑ کی وجہ سے مزید تاخیر یقینی تھی۔ راستہ میں ایک جگہ خدام کو انتظار ہوگا، انھیں کم از کم دو گھنٹہ کی زحمت زیادہ گوارا کرنی پڑے گی، مگر حضرت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایسی مدد فرمائی کہ آج بیل خلاف معمول بہت تیز رفتاری سے چل رہے ہیں حتیٰ کہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اکیے کے گھوڑے بھی ان بیلوں سے آگے نہ بڑھ سکے اور منزل پر پہونچنے کا جو وقت اصل پروگرام کے لحاظ سے بنایا گیا تھا، حضرت والا کی اور دوسرے رفقاء کی بیل گاڑیاں اس سے بھی آدھ گھنٹہ پہلے پہونچ گئیں۔

قبولیت دعا: اسی سفر میں خدام نے عرض کیا تھا کہ اس وقت کھیتوں کو ایک بارش ضرور چاہئے ورنہ مکئی وغیرہ کی فصل تباہ ہو جائے گی اور گرمی خوب چمک کر پڑ رہی تھی۔ بارش اور بادل کے دور دور نشان نہیں تھا۔ لوگ بہت پریشان تھے، حضرت سے دعا کی درخواست کی گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس موسم میں تو جتنی دھوپ ہو، اتنا ہی کھیتوں کے لئے مفید ہے عرض کیا گیا کہ اس علاقہ میں اس وقت بارش کی شدید ضرورت ہے حضرت نے اس پر ان الفاظ میں دعا فرمائی۔

"یا اللہ اس حلقہ کے لئے بارش کی ضرورت ہے، اپنے فضل سے سیراب فرما دیجئے۔"

پھر آنکھوں نے دیکھا کہ قبولیت دعا کے آثار ظاہر ہونے لگے اور یکا یک موسم کی سختی باران رحمت میں بھیگ کر تحلیل ہوگئی۔

حضرت کی برکت کی ایک عجیب سرگزشت: حضرت اقدس نے ۱۹۷۰ء میں سفر حج کیا۔ پروگرام یہ بنا کہ چند متوسلین بھی حضرت کے سایۂ عاطفت میں اس سعادت سے بہرہ ور ہوں گے، اس کی کسی قدر تفصیل حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب جو حضرت کے سب مریدوں میں افضل تھے تحریر فرماتے ہیں کہ

۱۹۷۰ء میں ہم دس ساتھیوں نے حضرت والا کی معیت میں رمضان سے قبل ہونے والے جہاز سے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کیا، اور اس کے اہتمام میں لگ گئے، عجیب اتفاق ہے کہ ہم دسوں رفقاء کے نام قرعہ میں آگئے، مگر حضرت والا اور پیرانی اماں کے نام قرعہ اندازی میں نہیں آسکے، بڑا صدمہ ہوا، ہم لوگ روانہ ہوگئے۔ بمبئی سے ہم لوگ بڑی ہی مایوسی کے عالم میں روانہ ہوئے، چلتے چلتے میں نے حضرت ڈاکٹر زاہد صاحب دامت برکاتہم سے درخواست کی آپ کسی بھی جہاز سے حضرت والا کو بھیجنے کی کوشش فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب کی کوششوں اور مولانا اسحاق صاحب سنبھلی ممبر پارلیمنٹ کی توجہ سے آخری جہاز سے پہلے والے جہاز سے حضرت والا اور پیرانی اماں کی منظوری ہوگئی۔ اس کی اطلاع ہمیں مدینہ طیبہ میں معلم احمد جمال اللیل کے بمبئی کے کارندہ کے ذریعہ ملی۔ ہم لوگ مدینہ طیبہ میں ۳۵/ دن قیام کے بعد بعجلت مکہ مکرمہ واپس ہوگئے۔ جب جہاز کے بندرگاہ پر لگنے کی تاریخ کا علم ہوا تو ہم چار ساتھی مکہ مکرمہ سے جدہ حاضر ہوئے، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ جہاز میں کسی کو چیچک ہوگئی، جس کی وجہ سے جہاز کو جدہ بندرگاہ سے دور روک دیا گیا ہے اس کے لگنے کا فی الحال امکان نہیں ہے۔ ریاض سے جب تک حکومت کی جانب سے کوئی حکم نامہ نہیں آجائے گا، جہاز کنارہ پر نہیں لگے گا۔ ہم مایوس ہوکر پھر مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ خدا خدا کرکے اطلاع ملی کہ ۷/ ذی الحجہ کو جہاز لنگر انداز ہوگا۔ ہم لوگ وقت پر

جدہ پہونچ گئے۔ حضرت والا سے بندرگاہ پر جہاز سے اترنے کے بعد ملاقات ہوئی کسٹم کرانے کے بعد ایک پرائیویٹ ٹیکسی سے حضرت والا مدینۃ الحجاج تشریف لائے، وہاں عشاء کی نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر حضرت والا کے ساتھ ہم مکہ مکرمہ آئے۔ حضرت والا کے لئے ایک کمرہ پہلے سے لے لیا گیا تھا جو ہم لوگوں کے کمرہ سے متصل تھا۔ حضرت والا کو اس میں ٹھہرایا گیا۔ ہم لوگ چونکہ قبل رمضان پہونچے تھے، اس لئے ہمارے جہاز کی روانگی حج کے فوراً بعد تھی۔ حضرت والا اور پیرانی اماں کو ضعف پیری کے سبب خلجان ہو رہا تھا کہ ہم لوگوں کی واپسی کے بعد حرم شریف لے جانے لے آنے، نیز دیگر کاموں کی انجام دہی کی کیا شکل ہوگی۔ مجھے اس کا احساس تھا، اس لئے میں نے کمرہ میں داخل ہونے کے وقت ہی گذارش کر دیا کہ حضرت میں نے گھر سے روانگی کے وقت ہی یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جب تک حضرت والا کی واپسی نہ ہوگی، میں بھی واپس نہ ہوں گا، حضرت والا کی خدمت کروں گا، اور حضرت والا ہی کے جہاز سے واپس ہوں گا۔ یہ بات سن کر حضرت والا بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ تم ہی لوگوں کی مدد سے ہم دونوں کچھ کر سکتے ہیں، تم لوگوں کی واپسی کے بعد ہمیں دشواری ہوتی، اب الحمدللہ میں مطمئن ہو گیا، اس کے بعد معاً ارکان حج کی ادائیگی شروع ہو گئی۔ منیٰ سے واپسی کے دو تین روز کے بعد ہی ہمارے جہاز کی روانگی تھی، جس میں کچھ ساتھی واپس ہو رہے، واپس جانے والے ساتھیوں میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اپنے جہاز سے واپس ہو رہے ہیں یا نہیں؟ میں نے انھیں جواب دیا کہ میں حضرت والا کے جہاز سے واپسی کا ارادہ کر چکا ہوں، یہ ارادہ میرا گھر سے ہی ہے، آپ حضرات تشریف لیجائیں میں جس ہستی کی جوتیوں کی برکت سے یہاں آیا ہوں انھیں چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔

اس جواب پر وہ ساتھی ذرا خفا ہوئے کہ تم کو نہ بال بچوں کی فکر ہے اور نہ مدرسہ کا خیال ہے، میں نے کہا کہ میں سب کو اللہ کے حوالے کر کے آیا ہوں اور آپ تو جا ہی رہے ہیں،

حضرت حکیم صاحب وہاں موجود ہیں، میرے نہ رہنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

پھر دوسرے دن انھوں نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ دیکھئے آپ میرے کہنے کو نہیں مانتے، مجھے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے کہ آپ مسجد نبوی میں ریاض الجنہ کے اندر جلوہ افروز ہیں، میں حضور کے قریب گیا، سلام ومصافحہ کے بعد میں نے آپ کی شکایت کی کہ حضور یہ گھر نہیں لوٹتے ہیں ان کو بال بچوں کا کچھ خیال نہیں، حضور نے فرمایا وہ کہاں ہے؟ میں نے بتلایا کہ وہ اگلی صف میں موجود ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ تم ہٹو اس سے میں خود ہی بات کر لیتا ہوں، چنانچہ حضور آپ کے پاس گئے اور آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مواجہہ شریف کی طرف تشریف لے گئے، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، اس خواب کے بعد تو آپ کو لوٹ ہی جانا چاہیئے، میں نے کہا کہ اس خواب سے تو میرے رکنے کی تائید ہو رہی ہے۔ جو تھوڑا سا تذبذب ہو سکتا تھا اب وہ بھی باقی نہ رہا، میں تو اب رہوں گا ہی۔ حضور نے مجھے اپنے ساتھ کر لیا ہے، چنانچہ میرے وہ ساتھی تو لوٹ گئے اور میں رہ گیا۔

حضرت والا کی معیت میں پھر مدینہ طیبہ حاضری نصیب ہوئی، اس حاضری میں ۲۰ر دن قیام رہا۔ اس بیس دن میں ایک دن بھی ایسا نہیں رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک میری کلائی پکڑے ہوئے نہ ہو، قیام گاہ سے مسجد نبوی اور مسجد نبوی سے قیام گاہ ہر جگہ محسوس ہوتا تھا، میری کلائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ہو، جیسا کہ میرے ساتھی نے خواب میں دیکھا تھا۔

ان دنوں اکثر اوقات مواجہہ شریف پر صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہتا تھا میں اپنے آپ کو قیام گاہ پر روک نہیں سکتا تھا۔ میں حساً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو اپنی کلائی پر محسوس کرتا تھا۔ ۲۰ر دن مسلسل یہی کیفیت رہی۔ میں نے اس کا تذکرہ کسی ساتھی سے نہیں کیا۔ جب حضرت والا کے ساتھ جدہ واپسی ہوئی اور جس وقت جمال اللیل نے حضرت

والا سے اور مجھ سے مصافحہ کر کے جہاز کی سیڑھیوں پر ہم کو چڑھایا ہے، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک جدا ہو گیا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا تھا، آج تک پھر ایسی کیفیت حاصل نہیں ہوئی، یہ حضرت والا کی معیت و صحبت کی برکت اور آپ کی کرامت ہے، ورنہ میں جو کچھ ہو، اس کی حقیقت خوب معلوم ہے کسی اہل دل نے خوب کہا ہے ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

ایک چیونٹی کو تمنا تھی کہ کعبہ مقدسہ پہونچے، اس نے کبوتر کا پاؤں تھام لیا اور یکایک پہنچ گئی۔

میرا مقامات مقدسہ تک پہونچنا میری کسی صلاحیت و قابلیت کی بناء پر نہ تھا، محض حضرت والا کے قدموں سے لپٹنے کی برکت تھی، حق تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلا کر، حضرت والا کی روح کے لئے سرور و انبساط کا باعث بنائے اور حضرت والا کے طریق پر استقامت عطا فرمائے۔

کچھ انجانی باتیں: حضرت اقدس کی چھوٹی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ حضرت کے کمرے کا عجیب معاملہ تھا، آپ کے کمرے میں کبھی کنڈی نہیں لگائی جاتی تھی۔ اور اگر کبھی کسی نے اتفاقاً لگا دی تو تھوڑی دیر کے بعد خود بخود آواز کے ساتھ کھل جاتی تھی، مگر کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ اکثر حضرت فرماتے کہ ارے بھائی اگر مجھ سے کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لو، کچھ پڑھنا ہو تو پڑھ لو، مگر پریشان نہ کرو، اس طرح کے واقعات حضرت کے ساتھ روزانہ رات کو ہوتے تھے۔

خدا جانے یہ کیا چیز تھی، یقیناً کوئی ان دیکھی مخلوق تھی جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

اعتماد علی اللہ کی برکت: حضرت والا کے چہیتے مرید و خلیفہ حضرت مولانا

حکیم عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ کی صاحبزادی کسی جگہ منسوب تھیں، مگر وہ لوگ رشتہ کرنے میں تاخیر سے کام لے رہے تھے، حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز

”عصر کی نماز کے بعد حضرت والا نے احقر سے دریافت فرمایا کہ تمہاری بچی کے منسوب اور اس کے رشتہ کے بارے میں کیا ہوا؟ عرض کیا کہ حضرت پہلے سے جو منسوب ہے وہ تاخیر اور انتظار کے لئے کہتا ہے اور یہ بات اب مجھکو غیر مناسب معلوم ہوتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ در پردہ انکار ہی ہے اور دوسری جگہ ابھی تک کوئی رشتہ ہوتا نظر نہیں آتا۔

ارشاد فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، حق تعالیٰ کی نگاہ میں آپ کے لئے اسی میں کچھ نہ کچھ مصلحت ہوگی، اور انشاءاللہ جلد ہی حق تعالیٰ کوئی نظم فرمادیں گے اور کوئی بہتر صورت پیدا ہوجائے گی آپ تنگ دل نہ ہوں۔ انشاءاللہ حق تعالیٰ کوئی بہتر صورت پیدا فرمادیں گے اور پیسوں کی تنگی سے بھی نہ گھبرائیں۔ حق تعالیٰ کو سب قدرت ہے، سب نظم فرمادیں گے اور پھر یہ شعر پڑھا

اذا اشتدت بک البلوی ففکر فی الم نشرح
فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

ترجمہ : جب تمہیں مصیبتیں گھیریں تو سورہ الم نشرح میں غور کرو اور دیکھو کہ ایک عسر دو یسر کے درمیان ہے۔ اسے سوچ کر فرحت و مسرت حاصل کرو (اور یقین رکھو کہ تمہاری مصیبت بھی ختم ہوجائے گی)

ایک دوسری مجلس میں مزید اسی موضوع پر گفتگو فرماتے رہے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ

آپ دلگیر نہ ہوں انشاءاللہ جلد ہی رشتہ طے ہوجائیگا اور مجھکو یقین ہے کہ شادی بھی جلد انجام پاجائے گی اور وہ لوگ جلد ہی رخصتی چاہیں گے۔

دوسرے موقع پر فرمایا کہ

اپنی جو حالت ہے اسی کے مطابق انتظام کیجئے گا، یہ نہ ہو کہ زیادہ پریشانی اختیار کریں، بس اپنے بس میں جو ہو، اور جو سہولت سے ہو سکے وہی کافی ہے بلکہ ان لوگوں سے صاف کہہ دیا جائے کہ آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ عالی خاندان کے اونچے گھرانے کے ہیں، اس لئے بہت کچھ دیں گے، اور خیالی نقشہ بنالیں۔

آپ کہہ دیجئے گا کہ گو میرا خاندان پہلے دولت کے اعتبار سے اونچا ہی تھا مگر اب جو میری حالت ہے، اسی کے اعتبار سے دین لین ممکن ہے۔

پھر فرمایا

آپ یوں نہ سمجھئے کہ ایسا کہہ دینے سے رشتہ نہ ہو سکے گا، رشتہ کا تعلق مقدر سے ہے، حق تعالیٰ نے جہاں رشتہ مقدر کر دیا ہوگا ہو کر رہے گا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ

ایک بات کا خاص لحاظ رکھئے گا کہ خلاف شریعت کوئی کام اس سلسلہ میں نہ ہونے پائے

حضرت اقدس کے اعتماد علی اللہ اور آپ کی فکر و اہتمام اور دعا و توجہ کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ رشتہ ہونے میں جو تاخیر ہو رہی تھی بعد میں ظاہر ہوا وہ سراپا رحمت و خیر کا معاملہ تھا، درحقیقت وہ رشتہ مناسبت کا نہ تھا۔ چنانچہ وہ نسبت ختم ہوگئی اس کے بعد کیا ہوا۔ خود صاحب معاملہ حضرت حکیم صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں

الحمدللہ ثم الحمدللہ حمداً کثیراً کہ حق تعالیٰ نے حضرت والا کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بات فوراً رکھ لی۔ ابھی حضرت والا مدرسہ میں تشریف لائے تھے کہ پیغام آگیا اور دو ہفتے میں گفتگو مکمل ہوگئی اور ڈیڑھ ماہ ہوتے ہوتے بچی کا عقد نکاح بھی ہوگیا۔ حق تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ رشتہ میں پوری مناسبت اور پسندیدگی موجود ہے دین اور دنیا ہر اعتبار سے افضل ہے یہ

محض حضرت والا کی دعاؤں اور توجہات کی خصوصی برکت ہے اور حق تعالیٰ کا فضل ہے سچ ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

زندہ کرامت: حضرت اقدس کے چہیتے مرید حضرت ڈاکٹر محمد زاہد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ

۱۹۶۵ء کی بات ہے کہ حضرت مرشدی نے مجھ سے فرمایا کہ میاں زاہد تم دونوں میاں بیوی میزان الصرف اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھ کر روزانہ صفحہ بہ صفحہ الٹ کر انگلی پھیر لینا، گھر میں بھی یہی کہنا، میں نے کہا کہ حضرت اس سے کیا ہوگا، صرف الٹ لینے سے کیا ہوگا، حضرت نے فرمایا اس کو تم کیا جانو، جو کہتا ہوں کرتے رہنا، میں نے کہا کہ بہت اچھا جو حکم ہے کروں گا، تبرکا حضرت نے جامع مسجد کے پچھلے در میں میزان کا ایک صفحہ خود سے شروع کرادیا اور فرمایا روزانہ اسے الٹ کر دیکھ لینا۔ اپنی اہلیہ کو بھی میں نے حضرت کی طرف سے یہی پیغام سنادیا، ہم دونوں نے پندرہ سال تک یہی عمل کیا، اس درمیان میں اہلیہ نے خواب دیکھا کہ ہزاروں علماء کا مجمع ہے اور میں وہاں پہونچی ہوئی ہوں وہ مقام غالباً دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث ہے، میں علماء کی مجمع کی وجہ سے حیا سے پردہ میں جانا چاہتی ہوں۔ اسی خیال سے دارالحدیث کی طرف بڑھتی جارہی ہوں کہ آواز آئی کہ وہیں بیٹھ جا، میں آواز سنتے ہی بیٹھ گئی اور اندر سے مجھے اعوذ باللہ بسم اللہ کہلا کر میزان کا ایک صفحہ پڑھادیا گیا اور حکم ہوا کہ روزانہ الٹ کر دیکھ لینا، پھر مجھ سے کہا گیا کہ تم پہچانتی ہو کہ کن بزرگ کی آواز ہے؟ میں خاموش رہی تو بتایا گیا کہ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری ہیں، انتہائی خوشی ہوئی۔ ان مبشرات کے بعد ہم دونوں میاں بیوی نے فیصلہ کیا کہ اب ہم لوگ تھوڑا تھوڑا پڑھنا بھی شروع کریں چنانچہ از خود ہم لوگوں نے اس کو شروع کردیا اور درمیان میں کبھی کبھی مولانا عزت اللہ صاحب کو حل اشکال کے لئے بلا لیتے، پھر تو

یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچا کہ حضرت مولانا مفتی مشرف حسین صاحب استاد مدرسہ حسینیہ محلہ چپلہ اور بعد میں حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ ان بزرگوں نے مدرسہ کے اوقات کے علاوہ ہم دونوں کے لئے دوسرے اوقات نکالے اور بڑی مشقت برداشت کر کے قرآن، فقہ، حدیث اور جملہ علوم وفنون کے سبقاً سبقاً درس دیئے اور اس لائق بنادیا کہ اکابر نے مختلف عنوانوں سے امتحان لے کر ہم دونوں کو سند فراغت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ جامع مسجد میں اکابر نے بلا کر دستار بندی کرائی جس میں تقریباً دس ہزار افراد نے شرکت کی، میری اہلیہ کی وجہ سے مستورات بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئیں، مستورات کی دستار بندی کا یہ منظر پرانی تاریخ میں بھی شاذ ونادر ہی نظر آتا ہے، ہفتہ عشرہ تک گھر میں مستورات کی آمدورفت کا سلسلہ رہا۔ تحائف اتنے لوگوں نے پیش کئے کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔

واقعی یہ حضرت اقدس کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے کہ عمر ڈھل جانے کے بعد میاں بیوی دونوں بیک وقت علوم دینیہ کی برکت سے سرفراز ہوتے ہیں کتنا عجیب یہ حکم ہے کہ اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھ کر ہر روز میزان الصرف کے اوراق پر انگلی پھیرتے رہو اور ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ کے تعلق اور جذبہ اتباع کا کتنا عظیم یہ کارنامہ ہے کہ پندرہ برس تک مسلسل یہ عمل جاری رکھا، اور بالآخر اس کی برکت نے انھیں علماء کی صف میں جگہ دلادی، زہے کرامت وزہے استقامت۔

حضرت کی برکت: حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب زید مجدہ راوی ہیں کہ ایک بار وہ حضرت والا کے درس حدیث میں حاضر تھے، مسلم شریف کا درس چل رہا تھا، درس کے خاتمہ کے قریب مدرسہ کے درجہ علیا کے ایک استاذ کتاب بغل میں لئے ہوئے تشریف لائے اور ایک طرف کنارے بیٹھ گئے، سبق ختم ہوا۔ طلبہ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت کی نگاہ ان پر پڑی فرمایا کہ مولانا آپ کب تشریف لائے اور کیسے آنا ہوا؟ ان صاحب نے آگے بڑھتے ہوئے کہا

کہ حضرت یہ فلاں کتاب ہے۔ اس کے ایک مسئلے میں بہت دیر سے الجھا ہوا تھا۔ بہت زور لگایا مگر بالکل حل نہیں ہوا، پریشان ہوگیا تو خیال ہوا کہ آپ سے چل کر پوچھ لوں۔ یہ سوچ کر کتاب لے کر حاضر خدمت ہوا، جونہی یہاں آ کر بیٹھا ہوں، فوراً الجھی ہوئی گتھی سلجھ گئی۔ حالانکہ میں اس میں بہت زور صرف کر چکا تھا، مگر ذرا بھی سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ حضرت کی برکت سے اب بالکل واضح ہوگیا ہے، اب پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہی، حضرت مسکرانے لگے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال

حضرت سے تعلق کی برکت: حضرت کے مخلص خادم اور صاحب علم و دیانت مرید و خلیفہ حضرت مولانا حکیم عبدالمنان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ زندگی بھر کا یہی تجربہ ہے کہ جب بھی حضرت والا کی صحبتِ بابرکت میسر آئی۔ اپنے اندرونی اور بیرونی حالات میں تغیر پیدا ہوگیا۔ حضرت کی باتوں سے قلوب کو تسلی ہوتی ہے۔ آپ کے فیض صحبت سے باطنی تبدیلی پیدا ہوئی ہے، آپ کے تعلق سے حق تعالیٰ کی بے تعلقی دور ہو کر ایک ربط خاص اپنے مولیٰ سے پیدا ہوجاتا ہے، آخرت کا ذوق وشوق بڑھتا ہے، دنیا کی محبت گھٹتی ہے۔

ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو فسق و فجور، ظلم وتعدی کثرت معاصی، جہل ونادانی اور دوری بے شمار باطنی بیماریوں میں مبتلا تھے جب انھوں نے حضرت والا سے تعلق پیدا کیا اور صدق وخلوص سے کام میں لگ پڑے ہیں تو دیکھتے ہی دیکھتے آگے آگے چلنے والوں سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں، اور خدا کے وہ بندے جو سلیم الطبع اور نیک طینت تھے ان میں سے جس کسی نے بھی جب کبھی حضرت اقدس سے تعلق پیدا کیا تو آناً فاناً کچھ سے کچھ ہو گئے اور کہیں سے کہیں پہونچ گئے۔ (بیاض ملفوظات)

حضرت والا کے متوسلین: اسی ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن خوش نصیبوں کو حضرت کا تعلق اور حضرت کی بیعت اور صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ان کے

اجمالی حالات بھی ذکر کر دیئے جائیں۔ بزرگوں کی صحبت و معیت کی تاثیر مسلم ہے، دنیا میں جو کچھ بھی خیر و صلاح کا وجود ہے وہ انبیاء کرام اور ان کے سچے پیرووں کی تعلیمات، ان کی صحبتوں اور مجلسوں کا عطیہ ہے۔ مشہور مورخ ضیاء برنی نے اپنے معاصر بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کے فیوض و برکات اور ان کے انفاس قدسیہ کی تاثیرات کا نقشہ نہایت بلیغ پیرائے میں کھینچا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہی تاثیرات دنیا کی ہر خوبی و کمال کا منبع و مرکز ہیں۔ حضرت کے متعلقین کی کیفیت کا نقشہ آپ کے باکمال مسترشد حضرت مولانا عبدالمنان صاحب نے مسودہ ملفوظات میں نہایت بلاغت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کچھ اقتباس تو اوپر آپ نے پڑھ لئے کچھ اور ملاحظہ ہوں۔

”حضرت سے تعلق رکھنے والوں میں الحمد للہ کثیر تعداد علماء کی ہے۔ پھر انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی۔ پھر کسی قدر پڑھے لکھے طالبین کی۔“

پھر لکھتے ہیں کہ

”” دیکھتا ہی ہوں کہ انگریزی داں حضرات اور عوام میں جو لوگ کچھ پڑھے لکھے ہیں ان میں سے جب کوئی حضرت والا سے اصلاح کا تعلق پیدا کر لیتا ہے، تو تھوڑے ہی دنوں میں اس کے ظاہر و باطن میں تغیر و انقلاب پیدا ہو جاتا ہے، اور اسے دین سے اللہ تعالیٰ سے، اللہ کے رسول ﷺ سے، دین کی کتابوں سے، دینی مشاغل سے، اللہ کے نیک بندوں سے اور نیک کاموں سے سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی وضع قطع میں، اپنے طرز زندگی میں ایک تبدیلی پیدا کر لیتا ہے، ذکر اللہ کی کثرت، طاعات و عبادات کی رغبت اور معاصی سے نفرت اس کا شعار بن جاتا ہے۔

یہ باتیں جو عرض کی جارہی ہیں شنیدہ بالکل نہیں بلکہ پچیس برسوں سے آنکھوں دیکھی ہیں۔ ان آنکھوں نے ان گنت لوگوں کے اندر حضرت والا دامت برکاتہم و عمت فیوضہم کے

فیض صحبت، مکاتبت اور تعلق اصلاح کی برکت سے انقلاب عظیم پیدا ہوتے دیکھا ہے، بقول حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب علیہ الرحمۃ

بیا تا دیدہ گردد ایں شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ
کہ مجذوب ایں ہمہ نشنیدہ گوید
قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

آؤ تم بھی دیکھ لو تا کہ "شنیدہ"، "دیدہ" ہو جائے، مثل مشہور ہے، کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ (سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی بات ایک جیسی کب ہو سکتی ہے) مجذوب جو کچھ کہہ رہا ہے شنیدہ نہیں ہے، قلندر جو کچھ کہہ رہا ہے دیکھ کر کہہ رہا ہے۔

یہ روسیاہ بھی دل سے عرض کرتا ہے کہ اگر کسی کو حق تعالیٰ کی سچی طلب ہے تو آئے اور حق تعالیٰ کی محبت کی سچی قدریں حاصل کرے۔

نکاح اور اولادیں: حضرت اقدس کے دو نکاح ہوئے، پہلا نکاح فاطمہ بیگم سے ہوا، جن کا وصال حضرت کے سامنے ہوا، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور دوسرا نکاح عارفہ خاتون سے ہوا، جن سے سات اولادیں ہوئیں۔ چار صاجزادے اور تین صاجزادیاں۔

(۱) معروفہ خاتون (۲) منہاج النبی (۳) ابتہاج النبی (۴) وہاج احمد
(۵) مقدسہ خاتون (۶) امتزاج احمد (۷) زرافشاں

حضرت اقدس کے مزاج میں ابتداء ہی سے دینداری رچی اور بسی ہوئی تھی اور خلاف شریعت رسوم کو آپ گوارا نہ فرماتے تھے۔

امروہہ میں دستور ہے کہ جب شادی ہوتی ہے تو شام کو لڑکی والوں کے یہاں کھانا ہوتا ہے، جس کو چوتھی کہتے ہیں۔ یہ رسم بہت سی خلافِ شرع حرکتوں پر مشتمل تھی، اسلئے آپ کہیں

چھپ گئے اور اس میں نہیں گئے۔

وفات: حضرت کی طبیعت وفات سے دو سال قبل ہی سے علیل چل رہی تھی۔ سو کے قریب عمر ہو چکی تھی، ضعف اور مختلف امراض کا مجموعہ ہو چکے تھے۔ لیکن اہل اللہ کا وقت وصال حق تعالیٰ کی رحمت خاصہ کے ظہور کا وقت ہوتا ہے، چنانچہ حضرت کی وفات کے متعلق صاحبزادۂ محترم جناب بھائی وہاج احمد صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی حالت نزع میں وہ پاس میں موجود تھے، انھوں نے حضرت والا کے سینہ کے قریب کان لگا کر سنا تو ذکر کی آواز آرہی تھی، یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک روح نے جسد عنصری کو نہیں چھوڑا۔

نیز وصال کے بعد دائیں ہاتھ پر بہت تیز روشنی نمودار ہوئی جسکو پاس والوں نے دیکھا، فتنہ کے خوف سے اس پر کپڑا ڈال دیا گیا، روح پرواز کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں خود بخود سیدھے ہو گئے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کے وصال کے وقت حضرت کے بھی دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تیز روشنی دیکھی گئی تھی۔ یہ علم دین کی خدمت کے انوار و برکات تھے۔ شیخ کا یہ رنگ مرید کے اندر بھی ظاہر ہوا۔ جو کمال فنا کی دلیل ہے۔

نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب امروہوی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ محلہ نیازیان کی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت کا وصال ۲۴؍صفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۴؍جنوری ۱۹۷۹ء بروز چہار شنبہ بوقت فجر سوا چھ بجے ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

فہرست مجازین بیعت و تلقین

حضرت مولانا الحاج شاہ سراج احمد صاحب قدس سرہٗ

مشائخ و بزرگان دین کے دستور قدیم کے مطابق حضرت اقدس مولانا امروہوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنے بعض باصلاحیت متوسلین ومسترشدین کو جن میں شرائط اجازت پائی، بیعت وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ان حضرات کی فہرست مع پتہ کے درج کی جاتی ہے، یہ فہرست حضرت کی زندگی میں حضرت کے ایک متوسل نے مرتب کی تھی، اور حضرت نے اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے۔ اس کا فوٹو بھی کتاب میں شامل ہے۔

(۱) ماسٹر محمد قاسم صاحب، موضع کھور، مدن پور، ڈاکخانہ بھیٹھ، بھگوان پور، ضلع مدھوبنی

(۲) مولانا حکیم عبدالمنان صاحب، صدیقی موضوع ہرسنگھ پور، ڈاکخانہ ہرسنگھ پور ضلع دربھنگہ (وصال ہوگیا)

(۳) الحاج ڈاکٹر محمد زاہد خاں صاحب محلہ نیازیان امروہہ ضلع مرادآباد (وصال ہوگیا)

(۴) الحاج ماسٹر غلام مصطفیٰ صاحب، موضع پیپر ولیا ڈاکخانہ تلاپت گنج ضلع مدھوبنی (وصال ہوگیا)

(۵) مولانا احتشام احمد صاحب، سیتاپور، یوپی

(۶) حافظ محمد عیسیٰ صاحب، محلہ اسمٰعیل گنج سوائت ضلع الہ آباد (وصال ہوگیا)

(۷) قاری محمد صدیق صاحب سوائت ضلع الہ آبد (وصال ہوگیا)

سِرَاجُ الاُمّۃ

ملفوظات

سراج الاولیاء حضرت اقدس مولانا شاہ سراج احمد صاحب امروہی قدس سرّہٗ
کے ایمان افروز اور رُوح پرور ارشادات کا دلکش مجموعہ

◉ بحکمِ فرمائش ◉

بقیۃ السلف عارف باللہ حضرت الحاج ماسٹر الشاہ محمّد قاسم صاحب

◉ مُرتّبہٗ ◉

حضرت مولانا حکیم عبد المنّان صاحب علیہ الرحمہ المتوفی

خلیفہ

صاحب ملفوظات علیہ الرحمہ

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا چریا کوٹ ضلع مئو اتر پردیش

فہرست مضامین

تمہید	96
مشہودات	98
مسلمانوں کی دینی ابتری	99
گمراہ کرنے والے رہنما	100
نفسیاتی سیاست	101
احیاء سنت	102
احیاء سنت کے سلسلے میں حضرت مرشدی کا اہتمام اور آپ کا سفر	103
حضرت والا سے تعلق رکھنے والے	104
ترتیب ملفوظات	107
معذرت	107
حرفِ آخر	109
ناظرین سے	109
ملفوظات	110
پہلی مجلس ہرسنگ پور	110
تعلق اصلاح کا صحیح مقصد	110
ایک نوجوان صالح کا ذکر	111
حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک کرامت	112
عبدیت کی حقیقت	114
ایاز کی قدردانی کا راز	114
اہلبیت کی شان میں گستاخی	116
دوسری مجلس ہرسنگ پور	117
اطلاع	117
علماء میں صلاحیت انتظام	118
ہمارے اکابر کا طرز	118
ایسا امیر المومنین میں نہیں بنتا	120
مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل	120
تیسری مجلس ہرسنگ پور	121
تقدیر نہیں ٹلتی	121
مصیبت میں رحمت کا مراقبہ	122
چوتھی مجلس ہرسنگ پور	124

تعزیہ داری نفس پرستی کیلئے ہے	124
پانچویں مجلس دھموارہ	126
گھوڑے کی سواری	126
محرم کے رسوم کی بنیاد	127
نذر و نیاز کا عقیدہ	127
ایک دُکاندار کا واقعہ	127
تعزیہ پر عرضیاں	128
تعزیہ میں شعبدہ بازی	129
جانور سدھ جاتے ہیں لیکن انسان	129
انسان کا اپنا کام	130
آخرت کے بچے بن جاؤ	130
چھٹی مجلس دھموارہ	131
حق تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہے	131
ایک بزرگ کا واقعہ	131
مینڈھو ضلع بلند شہر	132
حب فی اللہ اور بغض للہ	132
اپنا کام ہے اللہ کا ذکر	133

خواجہ مجذوب کا ایک شعر	134
حضرت جنید بغدادی کا ایک واقعہ	135
نماز سراپا ذکر ہے	135
ساتویں مجلس مرزاپور	136
اجتماعی نہیں تو انفرادی مروت کیسی	137
مسلمانوں کی نصرت موعود ہے	138
جیسا ایمان ویسی نصرت	138
صحابہ کرام کی نصرت کا نمونہ	139
ساٹھ ہزار کے مقابلے میں صرف ساٹھ مسلمان	139
مصائب سے نجات کی راہ	141
شیطان کی دعا بھی قبول ہوتی ہے	141
دعا کے آداب	141
قبولیت دعا کی تین شرطیں	142
عدم ظہور میں بھی مصلحت ہے	143
آٹھویں مجلس مرزاپور	144
ترجمہ کلام پاک کے مطالعہ سے غلط فہمی	144

قرآن پاک کا معجزہ	145
ترجمہ قرآن پاک سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھنا چاہیئے	146
ترجمہ سے غلط فہمی کا ایک واقعہ	146
غلط فہمی کا ایک اور واقعہ	148
محض عربی لغت کا علم کافی نہیں ہے	148
اصل اعتبار خاتمہ کا ہے	149
توفیق الٰہی کا ایک عجیب واقعہ	150
نویں مجلس دھمسائن	152
بہار کے اکابر	152
اعلاء السنن کا ذکر	153
مسالک اربعہ کی بنیاد	153
جنت کی سڑک کا نام ہدایت ہے	154
مسالک اربعہ نہروں کی شکل میں	155
اختلاف اور خلاف کا فرق	155
ائمہ ثلاثہ اصطلاح فقہ میں	156
حکیم الامت کا طریق	156
حضرت گنگوہی کا جذبہ احترام	157
حضرت تھانوی، حضرت شیخ الہند کی نگاہ میں	158
دسویں مجلس دھمسائن	159
اللہ پاک کے نام میں اثر	160
حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ	160
رحمت الٰہی ذکر الٰہی پر موقوف ہے	161
ذکر اللہ کی جدید ترتیب میں اثر جدید	162
ملک شام کے ایک عامل کی حکایت	163
ذکر کی بدولت دائمی رحمت	165
گیارھویں مجلس پوہدی بیلا	165
خواب میں حق تعالیٰ کی رویت	166
خادمائیں بھی ذاکر و شاغل	166
ایک اللہ والی بی بی کا ذکر	167

دو دو گھنٹہ تک آہ زاری میں	168
محترمہ پیرانی صاحبہ کا مفید مشورہ	169
میں ہی ساتھ چلتا	169
بارھویں مجلس	170
چوری سے حفاظت کی ایک تدبیر	171
چور اپنی قسمت کا لے جاتا ہے	171
مولانا شاہ اسحاق دہلوی کا ایک واقعہ	172
دنیا کے لئے دین اختیار کرنا	172
تیرھویں مجلس پوہدی بیلا	173
تخلیق انسانی کا مقصد	174
کفار کی غلط بیٹی	175
راحت کی طلب فطرت ہے	176
دنیا مجمع الاضداد ہے	176
حقیقی راحت	177
راحت کی جگہ جنت ہے	177
اب کوئی حسرت باقی نہیں رہی	178
جنت کی راہ مستقیم ہے	179
راہ دوزخ کا لقب ضلالت ہے	179
نفسانی لذتیں دوزخ کی راہ پر	180
جنت کا ذکر گھروں میں بکثرت کیجئے	180
چوھویں مجلس پوہدی بیلا	181
رحمت الٰہی کی دو قسمیں	181
حضرت شاہ غلام علی صاحب کا ایک واقعہ	182
حضرت مرزا صاحب کی لطافت مزاجی	183
واقعہ حضرت شاہ غلام علی صاحب	184
اصل طریق اطلاع و اتباع	185
جاہل پیروں کے مفاسد	187
ایک دنیادار پیر کا قصہ	187
مروجہ میلاد کی بنیاد	189
حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کا ایک واقعہ	190
پندرھویں مجلس پوہدی بیلا	190
مشائخ چشتیہ متبع سنت تھے	190
کبر کا علاج	191

معالجہ کبر کے تین اجزاء	192
تواضع کا جوش	193
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	193
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح	194
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت	195
دو معجزے	195
جادوگروں سے مقابلہ	195
حضرت شیخ عبدالحق ردولوی کا واقعہ	197
خواجہ محمد صادق کا واقعہ	197
فاقہ میں مسرت	197
شاہ ابوالمعالی کی شان توکل	198
پیر کے نام کا وظیفہ	198
امتحان طالب کا ایک واقعہ	199
مشائخ چشتیہ مقبولان الٰہی ہیں	200
عذر صحیح معتبر ہے	201
حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا واقعہ	201
سولھویں مجلس درزیا	203

ایک ضرب المثل	203
احکام شرعیہ کے ساتھ ناروا سلوک	204
رسم نوازی کی ایک لچر دلیل	204
کسی ایک کے ہو جاؤ	205
سترھویں مجلس درزیا	206
حضرات چشتیہ کا سماع عذر پر محمول ہے	206
شرائط سماع کی رعایت نہیں کی جاتی	206
حکومت ظاہری اہل باطن کے تصرف میں	207
اہل تصرف میں ایک سبزی فروش	207
نظام باطنی پر ایک سقہ کا تصرف	208
فوجی نقل و حرکت پر ایک کفش دوز کا تصرف	209
درزیا سے دلدل تک	211
اٹھارھویں مجلس دلدل	212
قحط میں بھی مصلحت ہے	212
ہم کیا کھائیں گے کا جواب	212
حق تعالیٰ پر توکل کیجئے	213

ایک متوکل کا واقعہ	214
امید کا ثمرہ	214
توکل کا ثمرہ	215
صحابہ کرام حبشہ میں	216
حضرت جعفر کی تقریر	216
متوکل کی نگاہ	217
توکل پر ایک واقعہ	217
اندھے سانپ کو روزی	219
مال و دولت مقدر ہے	219
حرص اور قناعت	220
صحابہ کرام کی حرص آخرت	221
عدم مساوات میں مصلحت	222
سارے صحابہ توکل تھے	222
نظر اسباب پر نہیں، خالق اسباب پر	223
حضرت ابراہیم ادہم کا واقعہ	223
گھسیارہ بھی متوکل	224
دل میں آگ لگی نہیں	225
شاہزادہ مزدور	226
فکر آخرت	228
انیسویں مجلس دلدل	229
حسن خلق اور سوء خلق	230
بخل و سخاوت	230
صبر و قناعت	231
صحابہ کرام کی قناعت	232
ادب آموزی	232
حب و بغض فی اللہ کا ایک واقعہ	233
اخلاص و صدق	235
حضرت سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہ کا اخلاص عمل	236
اسلام کیونکر پھیلا	237
بیسویں مجلس تلا پت گنج	238
مہمان نوازی میں احتیاط	238
شیخ محقق ہی احکام کی تبلیغ کا موقع محل جانتا ہے	239

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

راقم الحروف کے قلم سے سراج الامت حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی آپ نے ملاحظہ فرمالئے۔ اب دوسرے حصے میں حضرت کے ملفوظات ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ملفوظات صرف ایک سفر کے ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت نے بہار کے بیس سفر فرمائے ہیں۔ مگر ان اسفار کے نہ تو حالات قلمبند کئے گئے اور نہ ملفوظات محفوظ کئے گئے۔ لیکن سنہ ۱۹۶۶ء کے سفر میں کچھ ایسے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے کہ سفر کے حالات بھی لکھ لئے گئے اور ملفوظات بھی محفوظ ہو گئے۔

حضرت کے متوسلین کی خواہش تھی کہ حضرت کی حیات ہی میں سوانح کا کام مکمل کرلیا جائے۔ اس کے لئے سب کی نظریں حضرت کے قدیم متوسل اور محبوب خلیفہ جو صاحبِ علم اور صاحبِ قلم بھی تھے۔ یعنی مولانا حکیم عبدالمنان صاحب ہرسنگھ پوری پر جمیں۔ حکیم صاحب اپنے طبعی انکسار اور فطری تواضع کے باعث عذر فرماتے رہے۔ اِسی اصرار و انکار کے دَوران حضرت مولانا کا سفر ہوا۔ تو یہ خیال ہوا کہ کم از کم حالاتِ سفر اور ملفوظات ہی مرتب کرلئے جائیں۔ چنانچہ اُس کا اہتمام حضرت حکیم صاحب، حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب اور حاجی محمد حسین صاحب نے کیا۔ سفرنامہ اور ملفوظات کی ترتیب حضرت مولانا عبدالمنان صاحبؒ کی کاوشِ کا نتیجہ ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ جب ان ملفوظات کی طباعت ہو رہی ہے تو نہ صاحب سوانح و ملفوظات باحیات ہیں۔ اور نہ مرتب ملفوظات موجود ہیں۔ لیکن اُمید ہے کہ ان اکابر کی روحیں خوش ہوں گی۔ حضرت کا وصال صفر ۱۳۹۹ھ میں ہوا۔ اور حکیم صاحب نے ۱۳۹۹ھ میں رحلت فرمائی۔ آگے آپ حکیم صاحب کا لکھا ہوا پیش لفظ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے پڑھتے وقت قارئین یہ بات ذہن میں رکھیں کہ وہ پیش لفظ ۱۹۶۶ء میں لکھا گیا ہے۔ جب حضرت باحیات تھے۔ یہ پیش لفظ خاص طویل تھا۔ کچھ باتیں جو خاص ہر دو بزرگوں کی حیات ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھیں حذف کر دیا گیا ہے۔ اب یہ مجموعہ ناظرین کی خدمت میں حاضر ہے، پڑھیں اور ایمانی و روحانی فائدہ حاصل کریں۔

اعجاز اعظمی

۱۰؍ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ
مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مشہودات

الحمد لولیہٖ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ نبیّہٖ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ امّا بعد۔

جامعِ اوراق سارے اسلامی بھائیوں اور محبین دین کی خدمت میں عموماً اور طالبین راہِ یقین کی خدمت میں خصوصاً یہ گذارش کرتا ہے کہ یہ بات کسی سمجھدار مسلمان کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں کہ اُس پرآشوب دور میں جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ سعادت و برکت سے تقریباً چودہ سو سال بعد کا ہے، مسلمانوں کا وہی حال ہے، جو مصداق ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پاک کا

سَیَاتی زمان لم یبق من الاسلام اِلّا اسمه ولم یبق من القراٰنِ اِلّا رسمه۔

عنقریب ایسا وقت آئیگا کہ اسلام کا صرف نام اور قرآن پاک کے صرف حروف و الفاظ باقی رہ جائیں گے

یعنی اس دور موجودہ کی پیش گوئی آپ نے پہلے سے فرمادی تھی کہ وہ ایسا ہوگا جس میں لوگ حقیقتِ اسلام سے کوسوں دور ہوں گے، اور اسی کو کافی سمجھیں گے کہ انھیں صرف مسلمان کہہ کر پکارا جائے، نام ہی سے مسلمان ہونگے، انھیں سلامی کاموں سے تعلق باقی نہ رہ جائیگا اسی طرح اس آنیوالے زمانے میں قرآن پاک کے علوم، اور اس پر عمل کرنا ختم ہو چکا ہوگا بس قرآن کے حروف و الفاظ تو باقی رہ جائیں گے، باقی جو قرآن کریم کے نزول کا مقصد

ہے۔ اس کی طرف سے لوگ اپنا منہ موڑ لیں گے۔ اسی سے انہیں کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ ان حروف و الفاظ سے دوسری طرح کے منافع حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، جیسا اس وقت ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی دینی ابتری: آج آپ کسی گاؤں چلے جائیے، کسی شہر میں جا کر دیکھئے، کسی مجلس میں بیٹھ کر دیکھ لیجیے، کسی تعلیم ادارہ پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ جن کا مقصد سوائے دنیا کے کچھ اور نہیں ہے۔ آپ کھلی آنکھوں مشاہدہ کریں گے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشن گوئی حرف بحرف صادق ہے، الاّ ماشاءاللہ، بس کچھ ہی گنے چنے لوگ آپ کو اس قسم کے ملیں گے جن کے اندر دین کی صحیح دلچسپی ہے۔

آپ رئیسوں سے مل کر دیکھئے، غریبوں سے مل کر دیکھئے۔ عوام سے مل کر دیکھئے تعلیم یافتہ طبقہ سے مل کر دیکھئے، ہر جگہ، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشن گوئی کو آپ موجود پائیں گے اور آپ کو یہ مشاہدہ ہو جائے گا کہ آپ نے بالکل بجا ارشاد فرمایا تھا۔

آپ غور کیجئے ان لوگوں کے حالات میں جن کے دل خاندانی شرافت کے تصورِ بیجا سے مست ہیں جن کے دماغوں پر نسلی برتری کا نشہ سوار ہے، اور جن کی زبانیں اپنے اکابر و اسلاف کی عظمت و بزرگی کی مدح و ستائش سے نہیں تھکتیں، ان کی شادی کی مجلسوں کو دیکھئے ان کی مجالس غم کا مشاہدہ کیجئے، ان کے معاملاتِ باہمی کا موازنہ کیجئے۔ ان کے طرزِ زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو اقرار کرنا ہوگا اور اگر زبان اقرار سے شرمائے گی تو دل آپ کا گواہی دے گا، اور کہے گا ہائے! جن بزرگوں نے دین سے محبت کی تھی، دین کی ایک ایک ادا پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا تھا، اپنے مال کو مال نہیں سمجھا تھا، اپنی جان کی پروا نہ کی تھی، اپنی عزت و آبرو کو داؤ پر لگا دیا تھا، آج انھیں کی عزت سے اپنی عزت بنانے والے، انھیں کی عظمت سے اپنی عظمت بڑھانے والے، اسی دین کے ساتھ کیسا سلوک اور برتاؤ کر رہے ہیں، آپ دین کو زبانِ حال یہ شکایت کرتا ہوا پائیں گے۔

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا
از انکہ بس ارزاں خریدستی مرا

اے نادان! تو نے مجھے ذلیل و خوار سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ مجھے بہت ارزاں تم نے پالیا ہے۔

گمراہ کرنیوالے رہنما: آپ جاہل پیروں کی خانقاہوں میں چلے جائیے، اور ان کی زندگی آقائے نامدار ﷺ کی زندگی سے، حضور کے غلاموں کی زندگی سے، پھر ان غلاموں کے غلاموں کی زندگی سے ملا کر دیکھئے اور موازنہ کرلیجئے، آپ ان کی زندگی حضرات صحابہ تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی سے ملائیے اور دیکھئے آپ کا دل بہت دکھے گا۔ جب آپ یہ دیکھیں گے کہ یہاں تو وہ ہو رہا ہے، جسے ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی زندگی سے، آپ کے قول و عمل سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے، یقیناً آپ کو بڑا صدمہ ہوگا۔ جب آپ یہ محسوس کریں گے کہ یہاں تو غلامانِ نبی یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی سے بھی محرومی ہے، اور آپ کے دل پر ایک چوٹ لگے گی۔ جب آپ یہ دیکھ کر بالکل مایوس ہوجائیں گے کہ ان اعمال و رسوم کا وجود، ان قبائح و بدعات کا پتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیکھنے والوں یعنی حضرات تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں بالکل نہ تھا۔ ساتھ ہی ان جاہل پیروں کے بلند بانگ دعووں اور حبِّ رسول کے فلک شگاف زبانی نعروں سے آپ ششدر رہ جائیں گے۔ اور آپ کو۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب

بہترین زمانہ میرا ہے (جس میں صحابہ کا زمانہ بھی داخل ہے) پھر وہ زمانہ جو اس سے متصل ہے (یعنی تابعین کا) پھر وہ زمانہ جو اس سے متصل ہے (یعنی تبع تابعین کا) پھر جھوٹ عام ہوجائیگا۔

اس حدیث پاک کا منظر یاد آجائیگا۔ ہائے ان بیچاروں کو پتہ نہیں کہ محبت کی راہ میں صرف زبانی دعوی کی کچھ بھی قدر نہیں ہے۔ محبت الٰہی کی کسوٹی اطاعت و بندگی اور حبِ رسول کی کسوٹی صرف اطاعت رسول ہے، سچ کہا ہے

تعصی الرّسول و تظھر حبّہ ۔۔۔ ھذا العمرری فی الفعال بدیع
لوکان حبّک صادقا لاطعتہ ۔۔۔ انّ المحبّ لمن یّحبّ یطیع

ترجمہ : تم نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کرتے ہو، اور ان کی محبت کا اظہار بھی کرتے ہو، یہ بات عجیب غریب ہے کیونکہ اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم ضرور ان کی اطاعت کرتے، کیوں کہ عاشق اپنے محبوب کا تابعدار رہوتا ہے۔

اور افسوس کہ ان غریبوں نے یہ بھی نہ سمجھا کہ۔

خلاف پیمبرؐ کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پیغمبر خدا ﷺ کی راہ کے خلاف دوسری راہ اختیار کرکے کوئی شخص منزلِ مقصود تک ہرگز رسائی نہیں حاصل کرسکتا۔

نفسانی سیاست: آپ دیکھ لیجئے آج کی لیڈری کیسے چل رہی ہے؟ عوام اندھادھند کس کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں؟ بس ایسے لوگ ان کو فریب دیتے جارہے ہیں جو عوام کی ہاں میں ہاں ملاتے چلیں۔ ان کا دل ناچ رنگ کو چاہتے تو ٹھیک ہے، باجے سننے یا بجانے کو چاہے تو درست ہے، میلے ٹھیلے کو! تو بجا ہے، بھنگ پینے کو تو صحیح ہے، تعزیہ بنالو تو ٹھیک ہے، قبر پر سجدہ کرو تو یہ بھی درست ہے، غیر اللہ کی نذر و نیاز کرو تو کچھ حرج نہیں۔ نعوذ باللہ

غرض وہ سب ٹھیک ہے جس کے لئے صرف ہاں کہہ کر جاہل عوام کا دل خوش کیا جا سکتا اور جس سے اپنا پیٹ بھرا جاسکات ہے، اپنی دنیا بنی چاہئے، اپنی تعریف ہونی چاہئے، بس اپنی عزت بنی رہے۔

دین کی عزت لٹ جائے کیا پرواہ ہے، اسلاف کی عظمت مٹ جائے کیا ڈر ہے، آقائے نامدار کا نام لے کر آپ کی محبت کے نرے جھوٹے دعووں سے، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی راہِ ہدایت کے خلاف، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور عطا کردہ شریعت مطہرہ کیخلاف، آپ کے ارشادات کے خلاف آج ضلالت وگمراہی کی راہ پر لوگوں کو ڈالا جا رہا ہے۔

آپ خفا نہ ہوں، ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیئے، ان سارے اعمال واقوال کو رسم و رواج کو، قبیح و منکر بدعتوں کو، تعزیہ پرستی اور اس کے اَن گنت منکرات کو، قبر پرستی کو، غیر اللہ کی نذرونیاز کو، شادی وغمی کی مختلف رسموں کو، ان میں سے ایک ایک کو قرآن پاک کی آیتوں کی روشنی میں دیکھئے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ پاک کی روشنی میں دیکھئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک زندگی کے روشن نمونے موجود ہیں۔ ان سے موازنہ کر کے دیکھئے، حضرات تابعین اور تبع تابعین کے حالات ان کی سیرت کی کتابوں میں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، ان سے موازنہ کر لیجئے، بلاشبہ آپ ان تمام قبائح و بدعات، رسوم ومنکرات کو یکسر معدوم دیکھیں گے اور پیغمبرِ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ الصدر پیشن گوئی کو حروف بحرف صادق پائیں گے۔

احیاءِ سنّت : ایسے حالات میں ایسے لوگوں کے لئے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی بقاء کیلئے، آپ کی مردہ سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے، سنّت کے خلاف پیدا شدہ رسموں، رواجوں اور طریقوں کو مٹانے کے لئے کھڑے ہوں گے اور کام کریں گے۔ بلاشبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بشارتِ عظمٰی

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنة	جس نے میری سنت کے ساتھ محبت رکھی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اور

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مأته شهید جس نے میرے طریقے کو مضبوطی سے ایسے وقت میں پکڑا جب میری امت بگڑ چکی ہوگی تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔

اس کے حق میں ثابت ہوگی۔

اسی مقصدِ عظیم کے پھیلانے، سرورِ عالم ﷺ کی پاک سنتوں کے احیاء اور انھیں زیادہ سے زیادہ پھیلانے اور رواج دینے کے ارادے اور عزم سے پیشِ نظر کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائیں، اور ہمیں اور ہمارے سارے مسلمان بھائیوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

احیاءِ سنّت کے سلسلے میں حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام اور آپ کا سفر: محی السنۃ والدین، سید العافین، قطب زمانہ العارف باللہ الصمد سیدی مولائی شیخی و مرشدی حضرت مولانا شاہ سراج احمد نور اللہ مرقدہ کے خدام میں دربھنگہ شہر اور اس کے مضافات کے مختلف حلقوں اور گاؤں کے لوگ داخل ہیں، جو حضرت موصوف سے اصلاح و ارادت کا تعلق رکھتے ہیں، اور الحمد للہ حق تعالیٰ کی راہ پر چل رہے ہیں، ادھر چند برسوں سے وہ حضرت موصوف کو تشریف آوری کی دعوت دیتے ہیں، اور حضرت والا باوجود اپنی پیرانہ سالی، ضعف اور کثرت مشاغل کے غایت شفقت و عنایت سے شرفِ قبولیت عطا فرماتے رہتے ہیں۔

آپ کا ہر سفر گویا ابرِ رحمت ہوتا ہے، جو دلوں کی مَیل کچیل کو دھو کر پاک و صاف کر دیتا ہے، آپ کی باتوں سے قلوب کو تسلی ہوتی ہے، آپ کے فیضِ صحبت سے اندرونی تبدیلی پیدا ہوتی ہے، آپ کے تعلق سے حق تعالیٰ کی بے تعلقی دور ہو کر ربطِ خاص اپنے مولیٰ

سے پیدا ہو جاتا ہے، آخرت کا ذوق وشوق بڑھتا ہے، دنیا کی محبت گھٹتی ہے۔

زندگی بھر کا تجربہ یہی ہے کہ جب بھی حضرت والا کی صحبت بابرکت میسر آئی، اپنے اندرونی اور بیرونی حالات میں تغیر پیدا ہوگیا۔ گو اپنے خبثِ باطن اور نفس بدخواہ کی شرارت، اپنی بداعمالیوں کی کثرت، اپنے گناہوں اور اپنی بداخلاقیوں کے خباثت کی وجہ سے صلاح سے بہت دور ہوں، مگر تجربہ یہی ہوا ہے کہ خدا کے وہ بندے جو سلیم الطبع اور نیک طنیت تھے، ان میں سے جس نے بھی جب کبھی حضرت اقدس سے تعلق پیدا کیا تو آناً فاناً کچھ سے کچھ ہوگیا اور کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔

ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو فسق وفجور، ظلم وتعدی، کثرتِ معاصی،، جہل ونادانی اور دوسری بیشمار باطنی بیماریوں میں مبتلا تھے، جب انھوں نے حضرت والا سے تعلق پیدا کیا ہے اور صدق وخلوص کے ساتھ کام میں لگے ہیں تو دیکھتے ہی دیکھتے آگے آگے چلنے والوں سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔

حضرت والا سے تعلق رکھنے والے: حضرت والا سے تعلق رکھنے والوں میں الحمد للہ کثیر تعداد علمائے کی ہے، پھر انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی، اور پھر اچھے خاصے پڑھے لکھے طالبین کی، الحمد للہ آپ کے اہلِ تعلق ذاکر وشاغل، اللہ کی سچی طلب رکھنے والے، اطاعت کرنیوالے اور اپنی اصلاح میں لگے لپٹے رہنے والے ہی بکثرت ہیں، عوام کا ہجوم زیادہ نہیں ہے۔

بندہ نے خوب دیکھا ہے کہ انگریزی داں حضرات اور عوام میں سے قدرے پڑھے لکھے لوگ جب حضرت والا سے تعلق پیدا کرتے ہیں تو تھوڑے ہی دنوں میں ان کے ظاہر باطن میں تغیر وانقلاب پیدا ہو جاتا ہے، انھیں دین سے، اللہ تعالیٰ سے، اللہ کے رسول، دین کی کتابوں سے، دینی مشاغل سے، اللہ کے نیک بندوں سے اور نیک کاموں سے سچی محبت پیدا

ہوجاتی ہے وہ اپنی وضع وقطع میں، اپنے طرزِ زندگی میں ایک خاص تبدیلی پیدا کرلیتے ہیں، ذکراللہ کی کثرت، طاعات وعبادات کی رغبت اور معاصی سے نفرت انکا شعار بن جاتا ہے۔

یہ باتیں جو عرض کی جارہی ہیں شنیدہ بالکل نہیں بلکہ پچیس برسوں سے آنکھوں دیکھی باتیں ہیں۔ ان آنکھوں نے اَن گنت لوگوں کے اندر حضرت والا کے فیض صحبت، مکاتبت اور تعلق اصلاح کی برکت سے انقلاب، عظیم پیدا ہوتے دیکھا ہے۔ بقول حضرت مجذوبؔ

بیا تا دیدہ گردد ایں شنیدہ   شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ
کہ مجذوبؔ ایں ہمہ نشنیدہ گوید   قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

آؤ! تاکہ یہ سنی ہوئی باتیں دیکھ لو، سنی ہوئی بات دیکھی بات کے مانند کب ہوسکتی۔ مجذوب جو کچھ کہہ رہا ہے یہ شنیدہ نہیں ہے، قلندر جو کچھ کہتا ہے دیدہ کہتا ہے۔

یہ روسیاہ بھی دل سے عرض کرتا ہے کہ اگر کسی کو حق تعالیٰ کی سچی طلب ہے تو آئے اور حق تعالیٰ کی محبت کی صحیح قدریں حاصل کرے، البتہ ایک شرط ہے کہ جب آئے تو اپنے ساتھ سچی طلب اور اخلاص وصدق کو لے کر آئے، بقول حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ

در ارادت باش صادق اے فرید
تا بیابی گنج عرفاں را کلید

اے فرید تو اپنے ارادے میں صدق وخلوص پیدا کرتا کہ خزانۂ معرفت کی کنجی حاصل کرے۔

حضرت والا کے ذکرِ پاک کے سلسلہ میں بات ذرا لمبی ہوگئی، مگر حق یہی ہے کہ اپنی دیرینہ نالائقیوں اور نااہلیت کی وجہ سے ادائے حق سے قاصر رہا۔ کوئی بلند ہمت اور سچی محبت رکھنے والا اگر اس موضوع پر قلم اٹھاتا تو بہت وضاحت سے لکھتا اور حضرت والا کے صحیح نقش ونگار کو صفحۂ قرطاس پر لا سکتا۔

ترتیب وملفوظات: ادھر عرصہ سے مخلصین کی ایک جماعت کا اصرار تھا کہ حضرت والا

کی سوانح حیات تم قلمبند کر دو لیکن یہ نامہ سیاہ، کاہل الوجود تو ہمیشہ سے اپنی ارادت میں کچا، عشق و محبت سے بالکل کورا، دور، بہت دور، کوسوں دور ہیں، ایسے نالائق سے جو ہونا چاہئے تھا وہی ہوا۔ عرصہ سے اصرار کے باوجود ایک سطر بھی صفحۂ قرطاس پر نہ لا سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی حالت خوب معلوم ہے، اس لئے انکار ہی کرتا رہا لیکن کیا عجب کہ ان سچے محبین و مخلصین کی ادائے اخلاص حق تعالیٰ کو پسند آ گئی ہو ان کی دعائیں ان کے اصرار کے ساتھ شامل ہو گئی ہوں۔ کیا عجب کہ انھیں کی دعاؤں کی برکت سے کچھ کام نکل جائے، گو اپنی زندگی کے دیرینہ تجربات، اپنی تلون مزاجی اور اپنی بداعمالیوں کی کثرت کا مشاہدہ کر کے بظاہر اس کا یقین نہیں آتا، مگر اسبابِ خفیہ کے آثار اس طرح شروع ہو چکے ہیں اور یہ جھلک رہا ہے کہ ان مخلصین کی توجہات اور دعاؤں کا اثر نمودار ہو رہا ہے، ورنہ اپنی آزاد مزاجی کے پیشِ نظر حیرت ہے، اس بار (۱۹۶۶ء میں) حضرت والا کے سفر کا پروگرام مرتب ہوتے ہی خلافِ معمول، خلافِ گمان یک بیک اپنے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ” حضرت اقدس جو اس عمر میں اس طول طویل سفر کی زحمت گوارا فرماتے ہیں اور اپنے سفر کی پوری مدت کو باوجود پیرانہ سالی اور ضعف جسمانی کے تعلیم و تبلیغ، ہدایت و ارشاد اور اصلاح و تربیت میں صَرف فرماتے ہیں اور اس مدت کا ایک لمحہ بھی بجز اس فکر و عمل کے اور کسی مَد میں صرف نہیں فرماتے تو اس مدتِ سفر میں اللہ کے ان سعادت مند بندوں کو جو حضرت والا کے اس سفر میں حاضر رہ کر فیوض و برکاتِ صحبت سے مشرف ہوتے ہیں، اپنے اپنے اخلاص و صدق، اپنی اپنی محبت و اطاعت اور اپنے اپنے جذبہ و شوق کے مطابق حصہ مل جاتا ہے۔ مگر حضرت اقدس کے ارشاداتِ عالیہ ایسے انمول ہوتے ہیں کہ اگر انھیں محفوظ کر لیا جائے اور ان علوم کو حضرت والا کی زبان سے صفحۂ قرطاس پر لے آیا جائے تو نہ جانے کتنے پیاسوں کو آبِ حیات مل جائے اور نہ جانے کتنے ایسے لوگ وہ ہوں گے جو حضرت والا کی زیارت و صحبت کے بغیر ہی آپ کے فیوض و برکات کو ان ملفوظات کے مطالعہ سے حاصل کر کے اپنے

پروردگار کی راہ پالیں گے، اور بارگاہِ قدس کی معرفت کی سعادت سے بہرہ ور ہوسکیں گے۔"

اور اپنے اس جذبہ میں گو اخلاصِ کامل سے محروم ہوں۔ مگر بقول کسے

مَالا یدرك كلّهٗ لا یترك كلّهٗ۔

اسے ترک کرنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ اندرونی طور پر جذبہ اس طرح مزید بڑھتا ہی رہا کہ چلو کام کرو، جیسا کچھ بھی ہوسکے کرو، اور اخلاصِ کامل اور صدقِ مکمل کے حصول کا انتظار نہ کرو، کیا عجب کہ حق تعالیٰ اس عمل صالح کی برکت سے ہی تجھکو اخلاص وصدق عطا فرمادیں، اور تیری ساری گندگی کو دھوکر پاک کردیں اور اپنے مخلص بندوں کے طفیل تجھے بھی قبول فرمالیں۔

حضرت والا دامت برکاتہم کی تشریف آوری کی تاریخ مقرر ہوچکی ہے۔ یکم مئی ۱۹۶۶ء کو سفر کی پہلی منزل، اس ناکارہ کا غربت خانہ قرار پایا ہے، اب جیسے جیسے حضرت اقدس کی تشریف آوری کے دن قریب تر ہوتے جاتے تھے اپنے اندرونی حالات سے شرماتے ہوئے بھی ان خیالات میں نہ جانے کیوں زور وقوّت کے ساتھ ترقی ہوتی جارہی تھی، یہ جذبہ اس قدر اُبھرا کہ ضبط نہ کرسکا اور اپنے دیرینہ رفیق و مخلص ماسٹر محمد قاسم صاحب سے ذکر کیا تو وہاں بھی اس طرح کا خیال موجود تھا، اور موصوف پہلے ہی سے ایک کاپی خرید کر رکھے ہوئے تھے، بس ذکر کرنا تھا کہ وہ کاپی میرے حوالہ کردی، ان کے اور اپنے اتفاقِ جذبہ سے بڑی مسرت ہوئی، احقر نے کہا کہ آپ ہی اس کام کو اچھی طرح کرسکیں گے، مگر وہ بھلا مجھے کیوں چلنے دیتے، حق تعالیٰ کی عطا کردہ فطری تواضع یہاں بھی کارفرما ہوئی اور ہاں ہاں کہتے ہوئے بھی عملاً کنارہ کش رہے۔

معذرت: نہایت افسوس وصدمہ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آگے جو ملفوظات حضرت اقدس کے قلمبند کرکے پیش کئے جارہے ہیں وہ حضرت والا کے الفاظ میں بعینہٖ قلمبند نہ ہوسکے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ لکھتے ہوئے گفتگو سننے میں توجہ دوطرف بٹتی تھی، اور صرف لکھنا ہی مقصود ہوا

جاتا تھا اسلئے مجالس میں سماعت ہی پر اکتفا کیا گیا اور بعد کو جو کچھ یاد آتا گیا، حسبِ فرصت روایت بالمعنی کے طور پر حیز تحریر میں لایا گیا۔

ہمارے ان احباب کو بڑی مایوسی ہوگی، جو حضرت والا کے مخصوص طرزِ بیان اور حضرت والا کی مجالس میں روبرو اپنے کانوں سے ارشاداتِ عالیہ آپ کی زبان مبارک سے سن کر لطف اندوز ہونے کی چاشنی پا چکے ہیں۔ میں نہایت شرمندہ ہوں کہ اوّلاً تو ہلکا سا ایک خاکہ ہی ذہن میں رہ گیا تھا جس سے ان ملفوظات کو مرتب کیا گیا ہے دوسرے حضرت والا کے مخصوص طرز بیان اور پیاری زبان سے یہ مجموعہ مزین نہ ہوسکا اور اس کی تزئین ہمارے بس کی بات بھی نہ تھی۔

گر مصوّر صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اگر مصوّر اس دل رُبا کی تصویر کھینچ بھی لے، تو مجھے حیرانی ہے کہ اس کے ناز کی تصویر کشی کیسے کریگا۔

الفاظ کی یہ تصویر بھی چونکہ حقیقی نہیں عکسی ہے اسلئے یقیناً حضرت والا کے طرزِ ادا سے بہت دور ملے گی۔

ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہ ایک غیبی قوت تھی جس نے اس کام پر اس تلوّن مزاج کو آمادہ کر دیا تھا اور بقول ماسٹر صاحب کے "آپ خود کہاں کرتے ہیں، آپ سے تو زبردستی اس کام کو کرایا جا رہا ہے۔" اور بمصداق مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ جو کچھ ہوسکا وہ آپ کے سامنے ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کے ملفوظات میں آپ بالتفصیل ان تمام ضروریات کو پائیں گے جن کی طرف اس ناکارہ نے اشارہ کیا ہے، آپ کو مسلمانوں کی ابتری اور زوال کا علاج بھی اس میں ملے گا، حق تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے اور اپنے آپ کو آخرت کے لئے تیار کرنے اور تیار رہنے کے طریقے بھی ملیں گے۔ غرض ایک سچے اور پکے مسلمان کو جس طرح

کابننا چاہئے وہ سب طریقے آپ کے سامنے جھلک جائیں گے۔

حرفِ آخر: یہ ناکارہ اپنے تمام احباب کا دل سے شکر گزار ہے جن کے اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کے طفیل محض ان کی دوستی کی بنیاد پر اس ناپاک کے گناہوں، نالائقیوں اور بد اخلاقیوں کی پردہ پوشی ہو رہی ہے۔ نیز اس کتاب کی اشاعت میں کسی طرح کی جدوجہد کرنے والے حضرات کا بھی دل سے شکر گزار ہوں، نیز ان حضرات کا بھی جو اپنا وقت اور اپنا مال خرچ کرکے مَن دلّ علیٰ خیر فلہ اجرناعلہ کی بشارت کے مستحق ہوئے ہیں، اور بڑے نیک عمل کی بنیاد قائم فرمائی ہے، فجزاھم اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین

ناظرین کرام: یہ روسیاہ اپنے سارے مسلمان بھائیوں کے بارے میں دنیا کے سارے انسانوں سے افضل و اشرف ہونے کا یقین رکھتا ہے کیونکہ ان کا جو ایمان والا عمل ہے وہ سارے اعمال سے اور ساری مخلوقات سے بلاشبہ افضل ہے، اب اس اعتماد و یقین کے واسطے سے آپ کا اور ہمارا ایک نیا رشتہ قائم ہوا۔ اور وہ ہے محبتِ ایمانی کا رشتہ، تو اس رشتہ کے پیشِ نظر میری یہ درخواست ہے، اور نہایت عاجزانہ درخواست ہے کہ اگر آپ کے دل میں اس کتاب کے پڑھنے سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو، اور ایمانِ حقیقی کی راہ پر لگ پڑیں، تو اس وقت اس غریب کو نہ بھولیں، اور اپنی دعاؤں میں اس نالائق کے حسنِ خاتمہ، حسنِ آخرت، مغفرت و رضائے حق تعالیٰ کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

ایک عاجز و ناکام

عبدالمنان الصدیقی، مقام ڈاکخانہ ہرسنگھ پور ضلع دربھنگہ بہار

مورخہ ۲۰ رصفر ۱۳۸۶؁ مطابق ۲۳ رمئی ۱۹۶۶؁ء المتوفی ۱۳۹۹؁ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملفوظات

پہلی مجلس

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً۔

۹ رمحرم الحرام ۱۳۸۶ھ مطابق یکم مئی ۱۹۶۶ء بروز اتوار پہلی مجلس مقام ہرسنگھ پور ضلع دربھنگہ

آج صبح تقریباً سات بجے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے اس عاجز کے غربت کدہ کو رونق افروز فرمایا۔ جیپ دروازہ پر آکر رکی۔ حضرت والا کیساتھ ہی صاجزادۂ گرامی قدر جناب حافظ امتزاج احمد صاحب سلمہٗ، حضرت مولانا لطف الرحمن صاحب مدظلہ (برادرِ معظم احقر) اور جناب ماسٹر محمد قاسم صاحب سلمہٗ جو حضرت والا کی رفاقت کے لئے سمستی پور تک گئے تھے تشریف لائے۔ فوراً ہی یہ ناکارہ جیپ کے پاس حاضر ہوا اور حضرت والا کو سہارا دیکر جیپ سے اتار کر اپنے غریب خانہ میں لے آیا جیپ کی آواز سنتے ہی لوگ ملاقات کو آنے لگے، آنے والوں سے ملاقات سے فراغت کے بعد حضرت اقدس مطمئن ہوئے تو عزیز مولوی محمد حسین سلمہٗ ربہٗ نے مولوی محمد یٰسین صاحب درزیا کا تعارف کرایا۔ حضرت والا کو نام یاد تھا۔ فرمایا کہ

تعلقِ اصلاح کا صحیح مقصد: انھوں نے ابتداء میں اصلاح تعلق پیدا

کر کے مکاتبت کی تھی کچھ دنوں بعد مکاتبت بند کر دی۔ پھر پچھلے سفر کے بعد مکاتبت کی تجدید بھی کی۔ مگر اس کے بعد بھی جاری نہ رکھ سکے اور گویا بند ہی کر دی۔ عرض کیا گیا حضرت! وہ دوسرے مولوی یٰسین صاحب انھیں کے گاؤں کے ہیں، ان کا تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ہے۔ ارشاد ہوا۔ لوگ اس تعلق کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اپنے اپنے ذہن میں کچھ خاص مقاصد مقرر کر رکھے ہیں۔ کشف و کرامت کا حاصل ہو جانا۔ نیلی پیلی روشنی کا نظر آنا وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل مقصود حق تعالیٰ کا صحیح تعلق اور اس کی اطاعت و بندگی کا جذبہ پیدا ہو جانا ہے۔ ہاں! کبھی کبھی کسی کسی کو اپنے ہی ذکر و فکر کی کثرت اور اس کے غلبے سے ایسا اثر بھی پیدا ہو جاتا ہے جس سے کسی طرح کی روشنی نظر آجاتی ہے۔ مگر یہ بھی مقصود نہیں ہے۔"

پھر فرمایا: اس سلسلہ کو کچھ لوگوں نے ایک ڈھونگ سا بنا رکھا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح لوگ انہیں باتوں میں الجھے رہیں حالانکہ یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ جامع

رہی بات کرامت یا کشفِ قلوب اور کشفِ قبور کی سو یہ بھی اس راہ میں نہ مقصود ہے نہ مطلوب اور نہ اختیار ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ حقیقت ہی کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ کہیں سے کہیں پہونچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیل سے باتیں ہوتی رہیں۔ پھر فرمایا۔

ایک نوجوان صالح کا ذکر: امروہہ میں ایک صاحبؒ ہیں نوجوان! مگر ذاکر و شاغل ہیں۔ اپنا ذاتی کام بھی کرتے ہیں۔ انھیں اپنے ذاتی کاموں میں بھی بہت مشغول رہتی ہے۔ پھر بھی معمولاتِ مقررہ کے علاوہ ہر وقت پاسِ انفاس کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ پاس انفاس کے وقت بعض اوقات ان کے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں سے بھی ذہول ہو جاتا ہے۔ اور انہیں حق تعالیٰ سے ایسی مشغولیت ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا

ہے کہ یہاں پر کوئی ہے ہی نہیں۔ مگر پھر تنبیہ ہو جایا کرتی ہے اور یہ کیفیت کم ہو جاتی ہے۔ تو پھر لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو جاتا ہے۔

یہ صاحب کہتے تھے کہ مجھ کو نیند بھی پاس انفاس سے ہی آتی ہے۔ کہتے تھے کہ کیسا ہی غم ہو کسی بھی حالت میں ہوتا ہوں مگر جہاں پاس انفاس شروع کیا بس نیند آ گئی۔ نیند کے تین جھونکے ہوتے ہیں۔ صرف دس دس منٹ کے اور اسی آدھ گھنٹہ کی نیند کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چھ گھنٹے سو کر اپنی نیند پوری کر چکے ہوں کسی قسم کا اثر طبیعت پر نہیں رہتا ہے ایک سکون سا معلوم ہوتا ہے۔ یہی صاحب کہہ رہے تھے کہ میرے گھر کا حال یہ ہے کہ جتنا کھانا گھر والوں کے لئے روزانہ پکنے کا معمول ہے کھانا پکنے پر اگر دو چار مہمان آ گئے تو پھر نئے سرے سے کھانا پکانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے وہی کھانا سب کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی مہمان نہ آیا تو گھر والے ہی کھا لیتے ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا۔ وہ صاحب بہ ظاہر ایسے ہیں کہ دیکھنے والے انھیں ایسا نہیں سمجھ سکتے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ اپنے گھر کی برکت کا واقعہ انھوں نے اس پر بیان کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے گھر کی برکت کا تذکرہ میں ان سے کر رہا تھا۔ وہ واقعہ حضرت کا بہت مشہور ہے آپ لوگ بھی جانتے ہوں گے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ **کی ایک کرامت:** حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مہمان آئے۔ اندر خبر دے دی گئی۔ گھر والوں کیساتھ ساتھ چار مہمانوں کا کھانا پک کر تیار ہو گیا کھانے کا وقت جب قریب ہوا تو اتفاق سے چھ مہمان اور آ گئے اور پھر اندر خبر دی گئی۔ اندر سے یہ کہلایا گیا کہ کھانے کا وقت قریب ہو چکا ہے۔ اگر اِن چھ مہمانوں کا کھانا پکنے تک انتظار کیا جائے گا تو پہلے سے آنیوالوں کو کھلانے میں تاخیر ہو گی اور اگر ان چاروں کو ابھی کھلا دیا جائے اور بعد میں آنے والوں کو کھانا پکنے تک انتظار کرایا جائے تو ممکن ہے

اُنھیں تکلیف ہو۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے اندر کہلا دیا کہ ان نئے چھ مہمانوں کے لئے مزید کھانا پکانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب کھانا نہ پکایا جائے اور میرے اندر آنے تک کھانا برتنوں سے نکالا بھی نہ جائے۔ پھر حضرت اندر تشریف لے گئے اور اپنی چادر روٹیوں اور سالن کے برتن پر ڈھک کر فرمایا۔ اب اس میں سے کھانا نکال نکال کر مہمانوں کو کھلایا جائے۔ حسب الحکم ڈھکے ہوئے ان برتنوں سے روٹیاں اور سالن نکال نکال کر مہمانوں کو کھلایا گیا۔ اور دسوں مہمانوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانا جو بچ رہا تھا دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جتنا پہلے تھے اِتنا ابھی بھی موجود ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے اس واقعہ کی شہرت بہت جلد ہوئی اور بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اس واقعہ کی اطلاع حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کو بھی ہوئی۔ ظہر کی نماز کے بعد مسجد سے حضرت حاجی صاحبؒ اپنے حجرہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت حافظ صاحب شہیدؒ بھی پیچھے پیچھے ہو لئے اور جب حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے حجرہ میں داخل ہو جانا چاہا تو پیچھے سے حضرت حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے اس آواز پر جو مُڑ کر دیکھا تو حضرت حافظ صاحبؒ ہیں اور فرما رہے ہیں کہ مبارک ہو۔ پھر فوراً حافظ صاحبؒ نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ اللہ نے آپ کو صاحب تصرف بنایا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ گردن جھکائے ہوئے خاموش کھڑے ہیں کہ اتنے ہی میں آگے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اب تنے قحط کاہے کو پڑیگا اور حق تعالیٰ کی جو مصلحت قحط سے وابستہ ہے وہ کاہے کو پوری

کرتے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ کانوں میں جو آواز پڑی تو دریافت فرمایا۔ کیا کسی کی شادی ہے؟ جو یہ دھوم دھام کے ساتھ باجے بج رہے ہیں۔ عرض کیا گیا یہ محرم کا جلوس ہے۔ اس پر

اس واقعہ کے بیان سے حضرت والا کے فارغ ہوتے ہی بڑے بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب کے صاحبزادے نوراللہ سلمہ نے آکر ملاقات کی۔ احقر نے ان کا تعارف کراتے ہوئے نوراللہ نام بتلایا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کے بڑے بھائی مولوی عبداللہ صاحب ہیں۔ وہ تو کسی سفر میں غالباً ساتھ بھی رہے ہیں۔ عرض کیا گیا۔ جی ہاں!

ارشاد فرمایا۔ مولانا عبدالرحمن صاحب نے اپنے بچوں کے نام اپنے نام کے وزن پر نہیں رکھے گو ان چاروں بھائیوں کے نام ہم وزن ہیں۔" پھر فرمایا:

عبدیّت کی حقیقت: عبداللہ نام بہت ہی اچھا ہے۔ مولانا کی توجہ شاید اسی طرف ہوگئی ہوگی۔ عبد کے معنی بندے کے ہیں۔ اور اللہ نام ہے اس ذات کا جو سارے صفاتِ کمال کی جامع ہے اور واجب الوجود ہے۔ حق تعالیٰ کو عبد کا لفظ بہت ہی پیارا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لفظ عبد سے تعبیر معراج کے موقع پر فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں۔ سُبۡحٰنَ الَّذِی اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقصَی الَّذِی بَارَکنَا حَولَہٗ لِنُرِیَہٗ مِن اٰیَاتِنَا۔ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ البَصِیۡرُ۔

تو دیکھئے کتنا پیارا ہے یہ لفظ عبد کا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے اس موقع پر قرآن پاک میں اسی لفظ کو نازل فرمایا۔

عبدیت غلامی اور بندگی کا نام ہے۔ بندگی کا خاصہ اطاعت ہے اور اطاعت کا خاصہ محبت ہے۔"

اسی ضمن میں ایاز اور سلطان محمود کا واقع نقل فرمایا۔

بات سلطان محمود کو ناگوار ہوئی اِس نے چاہا کہ ایک حکمتِ خاص سے ان لوگوں پر ایاز کے پیار کے سبب کو ظاہر کر دے۔ اور ان درباریوں کو بھی حقیقت سے آگاہ کر دے۔ چنانچہ اس نے یہ حکم دیا کہ دربار میں بہت سا خزانہ جمع کر دیا جائے جب خزانہ جمع کر دیا گیا تو اس نے اپنے عمائد سلطنت اور سارے درباریوں کو بلایا۔ سب لوگ محمود کے سامنے دربار میں آ کر اپنے عہدوں کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر محمود نے حکم دیا کہ "یہ خزانہ جو یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔ آج ہماری طرف سے اس کی کھلی اجازت ہے کہ اس میں سے جس کا دِل جو چاہے اور جتنا چاہے لوٹ لے وہ چیز اس کی ملک ہو جائے گی۔ اتنا سنتے ہی سارے کے سارے لوگ ٹوٹ پڑے اور خزانے کی لوٹ میں مشغول ہو گئے۔ ایاز بھی اس مجمع میں موجود تھا وہ اس وقت محمود کے پیچھے چپ چاپ کھڑا تھا۔ اور کھڑا ہی رہ گیا۔ وہ اپنی مخلصانہ خدمتوں اور اطاعت کیوجہ سے محمود سے اتنا بے تکلف ہو گیا تھا کہ اس نے محمود کے داہنے یا بائیں شانے پر بے تکلف ہاتھ رکھ دیا اور کھڑا رہا۔ جب لوگ خزانے کی لوٹ سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ آ بیٹھے تو محمود نے سب کے روبرو ایاز سے پوچھا ایاز! تم اس خزانے کی لوٹ میں شریک نہ ہوئے کیا بات ہے؟ ایاز نے جواب دیا کہ حضور لوٹ میں تو میں بھی شریک ہوں۔ ان لوگوں نے اپنی اپنی پسند کے مطابق خزانے لوٹے اور میں نے بھی اپنی پسند کے مطابق مالک خزانہ کو...... کیونکہ آپ نے یہ کہا تھا کہ جو جتنا چاہے اور جس چیز کو چاہے لوٹ لے میں نے آپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھ کو بادشاہ سلامت ہی پسند ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ سے درباریوں نے سمجھ ہی لیا ہوگا کہ قربِ ایاز کا راز کیا ہے۔ بس حق تعالیٰ سے بھی تقرب اسی اطاعت و بندگی اور محبت ہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں سامنے سڑک پر تعزیہ دار لوگ محرم کا ایک جلوس ڈھول باجے کے ساتھ شور و غل کرتے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ کانوں میں جو آواز پڑی تو دریافت فرمایا۔ کیا کسی کی شادی ہے؟ جو یہ دھوم دھام کے ساتھ باجے بج رہے ہیں۔ عرض کیا گیا یہ محرم کا جلوس ہے۔ اس پر

ارشاد فرمایا کہ

اہلبیت کی شان میں گستاخی: باجا تو خوشی کے موقع کی چیز ہے۔ اور عام رواج یہی ہے کہ خوشی کے موقع سے لوگ بجاتے ہیں۔ غم کے موقع پر تو کوئی باجا نہیں بجایا کرتا ہے۔ یہ کیسا غم منایا جارہا ہے کہ باجے تاشے اور ڈھول کے ساتھ ہے۔ ان کے اس عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں غم ہرگز نہیں ہے۔ بس اندر اندر خوشی ہے۔ جس کا اظہار ہو رہا ہے۔ امروہہ میں بھی اس موقع پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ تعزیہ دار لوگ امام باڑہ کو ایسا سجاتے ہیں جیسے کسی بادشاہ کی آمد پر سجاتے ہیں۔ نہایت صدمے اور افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ اہلِ بیت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نہایت گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں۔

☆☆☆

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری پچھرا اچریا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

دوسری مجلس

۹ر محرم الحرام ۱۳۸۶؁ھ مطابق یکم مئی ۱۹۶۶؁ء بعد نماز ظہر بروز اتوار

اطلاع: اس مجلس میں احقر یکسو ہوکر حضرت والا کی خدمت میں حاضر نہ رہ سکا مختلف کاموں کے لئے بار بار مجلس سے باہر جانا پڑا۔ اس لئے مضامین ذہن میں محفوظ نہیں رہے۔ ماسٹر محمد قاسم صاحب اور جناب بھائی مولانا لطف الرحمن صاحب سے بعد کو ذکر کیا تو اس کا نصف حصہ ماسٹر صاحب نے لکھ کر حوالہ کیا اور بقیہ نصف کے لئے بھائی صاحب موصوف نے ایک تحریر بھیجی۔ جس میں کچھ تو ارشادات تھے۔ اور ایک موضوع پر تفصیل سے مضمون ہی پورا لکھ دیا تھا اور یہ ہدایت فرمائی تھی کہ تم اپنے طرز پر اسے لکھ لو۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسری مجلس کے ملفوظات تین حصوں میں منقسم ہیں۔

(۱) ماسٹر محمد قاسم صاحب کے قلم سے (۲) راقم جامع نے ارشادات سے جو مضمون یاد کرکے اپنے الفاظ میں تفصیل کی ہے اور

(۳) حضرت مولانا لطف الرحمن صاحب کے قلم سے (جامع)

(۱)

حضرت والا نے احقر سے دریافت فرمایا کہ آپ نے مولوی انوار احمد صاحب جج ہائی کورٹ پٹنہ، کو آنے کی اطلاع کردی تھی۔ عرض کیا جی ہاں! اور زبانی اطلاع بھی فلاں کے ذریعہ ہوگئی ہوگی۔ وہ ابھی ابھی پٹنہ گئے ہوئے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ مکھیا کے سلسلے میں جو

مقدمہ چل رہا ہے اس کی پیروی میں گئے ہوئے ہیں کیا۔ عرض کیا گیا۔ جی ہاں! فرمایا کہ لکھیا کیا ہوا دکھیا ہو گیا، اس پر تھانہ بھون کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ۔

علماء میں صلاحیتِ انتظام: میاں امتزاج احمد اور سلمہ کی والدہ کو داخل سلسلہ کرانے کی غرض سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قیام گاہ پر لئے جا رہا تھا۔ خانقاہ کے پھاٹک کے سامنے ایک نالی تھی اس میں پانی برابر جمع رہا کرتا تھا۔ نالی میں برابر گندگی رہتی تھی میونسپلٹی کی جانب سے ہر چند کوشش کی گئی کہ نالی کی حالت ٹھیک ہو جائے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور کسی سے بھی اس کا صحیح نظم نہ ہو سکا۔ اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ مظفر نگر کے کلکٹر نے ایک بار مجھ کو کہا تھا کہ آپ میونسپلٹی کے چیئرمن کا عہدہ قبول کر لیں۔ پہلے تو میرے جی میں آیا کہ اسے قبول کر لوں اور شہر کا نظم کر کے دکھلا دوں کہ نظم اس کا نام ہے کیوں کہ مولوی کو یہ دنیا دار بالکل نکما اور بد نظم سمجھتے ہیں لیکن جب اپنے اکابر کے طرز زندگی پر نظر گئی تو میں نے انکار کر دیا۔

ہمارے اکابر کا طرز: ہمارے اکابر نے دنیا کے بکھیروں سے ہمیشہ احتراز ہی کیا ہے۔ حالانکہ وہ اعلیٰ درجہ کے عاقل و منتظم تھے۔ انھوں نے تبلیغ و ارشاد ہی کو اپنا شیوہ بنایا اور اسی پر اپنی زندگی ختم کر دی۔ مخلوقِ خدا کو اس طریق سے بے حد فائدہ پہنچا۔ مجھے بھی یہی طرز پسند ہے۔ بس عبدیت اور بندگی کا ہی طرز اختیار کرنا چاہئے۔

(۲)

پھر اسی اثناء میں مکرمی جناب بھائی لطف الرحمن صاحب تشریف لائے۔ اور کچھ ابتدائی گفتگو کے بعد انھوں نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ جمیعۃ علماء ہند کے حالیہ اجلاس اگیار سنہ ۶۶ء میں امروہہ سے بھی بہت سے علماء تشریف لائے تھے۔ حضرت نے دو تین علماء

کے نام لئے پھر بھائی صاحب نے کہا کہ پہلے بزرگانِ دین کردار و عمل کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ یعنی مجاہدات، ریاضات، مراقبات، چلہ کشی طالب علم سے کرائی جاتی تھی۔ اب میرے خیال میں کچھ وظائف و اورادِ مقررہ کی تکمیل کرادی جاتی ہے۔ کردار و اخلاق کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں لوگوں میں کافی قوت ہوتی تھی نفس محض اوراد و وظائف سے قابو میں نہیں آتا تھا۔ اس لئے مجاہدات و ریاضاتِ شاقہ سے کام لیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں عام طبائع پر ضعف غالب ہے اور اوامر و نواہی کی پابندی کے ساتھ اوراد و وظائف پر حق تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول ﷺ کی محض صحبت بابرکت سے حق تعالیٰ سے تعلق خاص اور اطاعت کاملہ کی دولت حاصل ہو جاتی تھی۔

متقدمین جیسے نہ مجاہدات تھے نہ ریاضیات نہ چلہ کشی مگر حالت یہ تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس میں جو کچھ ارشاد فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پر دل و جان سے عمل کرتے تھے اپنی حالت کو اسی کے مطابق بنا لیتے تھے۔ پھر کسی گفتگو کے سلسلے میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ۔ مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی، اس زمانہ میں جب کہ خلافت کمیٹی کا زور تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھانہ بھون میں تشریف لائے اور انھوں نے حضرت سے کہا کہ حضرت مسلمانوں میں اس وقت سیاسی اتحاد و اتفاق ہو گیا ہے۔ اس وقت اگر کوئی قومی کام کیا جائے تو بآسانی ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ فی الحال اتحاد و اتفاق ہونا ہی نافع ہے یا اس کی بقا کی ضرورت ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ بقا کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ بقا کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ مولوی صاحب سوچنے لگے تو خود ہی فرمایا۔ بقا کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ مسلمان اپنا ایک امیر بنا لیں کہ اسکے احکام کی اتباع کریں تو اختلافاتِ عقائد و خیالاتِ مذہبی کے ہوتے ہوئے امیر کون بن سکتا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کو امیر بنانے پر سب کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ فرمایا بہت اچھا میں امیر بننے پر تیار ہوں مگر دو شرطوں سے پہلی

شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس اپنی ضروریات سے زائد جتنا روپیہ ہے سب میرے قبضہ میں دیدیں تاکہ اس کے ذریعہ سے امارت کی قوت وحفاظت ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر میری رائے ہوجائے کہ خلافت کمیٹی کی تحریک کو دس سال کے لئے ملتوی کردیا جائے تو اس پر عمل لازمی ہوگا۔

ایسا امیر المومنین میں نہیں بنتا: ورنہ اگر بغیر شرط کے امیر بنایا گیا تو انجام یہ ہوگا کہ آج امیر المومنین بنوں گا کل کو اسیر الکافرین، تو ایسی امارت کو میں قبول نہیں کرسکتا۔

(۳)

اس مجلس کی بقیہ گفتگو کے متعلق جناب بھائی مولانا لطف الرحمن مدظلہ نے ذیل کی تحریر لکھ کر عنایت فرمائی جو بجنسہ درج ذیل ہے۔

جمیعۃ کے اجلاس گیا کے سلسلہ ذکر میں ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ مشکلات اور اس کے حل کا ذکر آیا۔ میں نے عرض کیا کہ موجودہ مشکلات کا واحد اور دائمی حل یہ ہے کہ مسلمان مرد وعورت اپنے چال چلن اور سیرت کو حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی روشنی میں درست کریں اور یہی کردار کی بلندی امن عالم کی ضامن بھی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ۔

مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل توجہ الی اللہ میں ہے:

دراصل علاج تو یہی ہے لیکن مسلمانوں کے موجودہ مشکلات فوری حل کے متقاضی ہیں۔ اور سیرت وکردار کی درستی میں دیر لگتی ہے۔ اس لئے فوری طور پر انھیں اپنے اندر مادی قوت و طاقت پیدا کرنی ضروری ہے۔ اور یہ بات بہ سہولت حاصل ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ مسلمان اپنے

موجودہ مشکلات کے حل کے لئے اپنے اندر یک جہتی پیدا کریں۔ جیسے ابھی حال ہی میں سکھوں نے یکجہتی پیدا کی۔ اور قومی حکومت سے اپنے مطالبات منوا لئے لیکن اس وقت مسلمانوں کی جو عام روش ہے اس سے بظاہر اس کی بھی امید نہیں ہے تو اب مسلمانوں کے موجودہ مشکلات کا صرف ایک حل رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سب لوگ حق تعالیٰ سے مسلمانوں کے موجودہ مشکلات کو حل کر دینے کے لئے گڑگڑا کر دعا کریں بس یہی کام اپنے اختیار میں ہے۔ اور اس مقصد کے لئے میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اور دیکھا جا رہا ہے کہ کچھ ایسے مادی اسباب پیدا ہوتے جا رہے ہیں کہ امید ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ مشکلات حل ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

☆

تیسری نجی مجلس

۹ رمحرم الحرام یکم مئی بعد نمازِ عصر

عصر کی نماز کے بعد حضرت والا نے احقر سے دریافت فرمایا۔ تمہاری بچی کے منسوب اور اس کے رشتہ کے بارے میں کیا ہوا۔ عرض کیا کہ حضرت پہلے سے جو منسوب ہے وہ تاخیر اور انتظار کرنے کو کہتا ہے۔ اور یہ بات اب مجھ کو نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ اور اندازہ یہ ہوتا ہے کہ در پردہ انکار ہی ہے۔ اور دوسری جگہ ابھی تک کوئی رشتہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ ارشاد فرمایا کہ

تقدیر نہیں ٹلتی: گھبرانے کی کوئی بات نہیں حق تعالیٰ کی نگاہ میں آپ کے لئے اسی میں کچھ نہ کچھ مصلحت ہوگی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی حق تعالیٰ کوئی نہ کوئی نظم

فرمادیں گے اور کوئی بہتر صورت پیدا ہو جائے۔

ایک مقام پر ایک صاحب کے لڑکے کا ایک صاحب کی لڑکی سے رشتہ کا پیغام گیا۔ کسی وجہ سے لڑکی کے دادا نے انکار کر دیا۔ مجبور ہو کر لڑکے والے نے لڑکے کی شادی کسی دوسری جگہ کر دی۔ اتفاق سے لڑکی کے دادا کا انتقال ہو گیا اور اب تک لڑکی کا رشتہ نہ ہو سکا تھا۔ ادھر اس لڑکے والے کی بہو کا بھی انتقال ہو گیا۔ دادا کے مرنے کے بعد لڑکی کے باپ نے اسی لڑکے سے جس سے پہلے منسوب ہوئی تھی رشتہ کرنا منظور کر لیا اور اسی لڑکے سے اس لڑکی کی شادی ہو گئی تو دیکھئے رشتہ مقدر ہوتا ہے جس کا رشتہ جس سے مقدر ہو چکا ہے۔ اسے کوئی کاٹ نہیں سکتا۔ دل گیر ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل رکھنا چاہئے حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اس نے اپنے علم میں سب کا جوڑ لگا رکھا ہے۔ جہاں جوڑا لگا ہو گا۔ وقت پر اس کو ظاہر فرمادیں گے۔

رشتے کے ٹوٹنے میں بھی ہزاروں مصلحتیں ہوتی ہیں۔ بسا اوقات تو بہت ناگواری معلوم ہوتی ہے۔ مگر بعد کو بہت سی باتیں ظاہر ہوتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ یہ نقصانات تھے رشتہ ہونے میں تو آدمی حق تعالیٰ کا شکر گذار ہوتا ہے۔ [1]

مصیبت میں رحمت کا مراقبہ: آپ تنگ دل نہ ہوں۔ انشاءاللہ حق تعالیٰ کوئی بہتر صورت پیدا فرمادیں گے۔ اور پیسوں کی تنگی سے بھی نہ گھبرائیں۔ حق تعالیٰ کو سب قدرت ہے سب نظم فرمادیں گے۔ اور یہ شعر پڑھا

اِذا اشتدت بك البلوی ففکر فی الم نشرح
فعسر بین یُسرین اذا نکرتہٗ نافرج [2]

ایک دوسری مجلس میں مزید اسی موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے۔ اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔۔۔ "آپ دلگیر نہ ہوں انشاءاللہ تعالیٰ جلد ہی رشتہ طے ہو جائیگا۔ اور مجھ کو

یقین ہے کہ شادی بھی جلد انجام پا جائے گی اور وہ لوگ جلد ہی رخصتی چاہیں گے۔"

ایک موقع پر اسی سفر میں اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ " کیسے افسوس کی بات ہے کہ لوگ یہ بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ لڑکی برکت والی ہوگی۔ دیندار ہوگی۔ کس کی پوتی ہے! کس کی بیٹی ہے۔ کیسا گھر ہے۔ بس لوگوں کی نظر مال و دولت پر ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی رحمت و برکت پر نظر نہیں جاتی۔

ایک موقع سے فرمایا

"اپنی جو حالت ہو اسی کے مطابق انتظام کیجئے گا۔ یہ نہ ہو کہ زیادہ پریشانی اختیار کریں۔ بس اپنے بس میں جو ہو۔ اور سہولت سے ہو سکے وہی کافی ہے بلکہ ان لوگوں سے صاف کہدیا جائے کہ آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ عالی خاندان کے اونچے گھرانے کے ہیں۔ اس لئے بہت کچھ دیں گے اور خیالی نقشہ بنالیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ گو میرا خاندان پہلے دولت کے اعتبار سے اونچا ہی تھا۔ مگر اب جو میری حالت ہے۔ اسی کے اعتبار سے دین لین ممکن ہے۔ اور فرمایا کہ۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ ایسا کہہ دینے سے رشتہ نہ ہو سکے گا۔ رشتہ کا تعلق مقدر سے ہے حق تعالیٰ نے جہاں رشتہ مقدر کر دیا ہوگا۔ ہو کر رہیگا۔

۱۔ چنانچہ مذکورہ واقعہ سے جو اپنا ذاتی تجربہ ہوا۔ اس سے بالکل حقیقت واضح ہوگئی۔ ہمارے ساتھ بھی جو معاملہ تاخیر کا ہوا۔ وہ سبب رحمت بن گیا۔ اور ہماری مصلحت اس میں تھی بعد کو معلوم ہوا کہ وہ رشتہ ہماری مناسب کا نہ تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

۲۔ جب تمہیں مشقتیں گھیریں تو سورۂ الم نشرح میں غور کرو۔ اور دیکھو کہ ایک عُسر دو یُسر کے درمیان ہے۔ اسے سوچ کر فرحت و مسرت حاصل کرو۔ یقین رکھو کہ تمہاری یہ مصیبت بھی ختم ہو جائے گی۔

ایک موقع پر یہ ہدایت فرمائی گئی کہ۔

ایک بات کا خاص لحاظ رکھیئے گا کہ خلافِ شریعت کوئی کام اس سلسلے میں نہ ہونے پائے

احقر نے عرض کیا۔ حضرت انشاء اللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اور میرے گھر میں چوں کہ ان بیہودہ رسوم سے پرہیز ہی رہتا ہے۔ اور عوام اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لئے بھی رشتہ کرنے سے بدکتے ہیں۔ فرمایا کہ۔

جی ہاں! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسوم سے کنارہ کش ہیں تو دین لین میں بھی ایسا ہی کریں گے اور نظر زیادہ تر عوام کی بوجہ حرص و طمع کے غلبہ کے دین لین پر زیادہ رہتی ہے۔

☆

چوتھی مجلس

۹ر محرم۔ یکم مئی بعد نماز مغرب

معمولات بعد نماز مغرب اور رات کے کھانے سے فارغ ہو کر حضرت والا مردانہ مکان کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں سے مختلف موضوعات پر بات چیت ہو رہی تھی۔ سلسلۂ گفتگو میں کسی صاحب نے رسومات محرم اور تعزیہ داری کے متعلق پوچھ پاچھ شروع کر دی۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ

تعزیہ داری نفس پرستی کے لئے ہے: اس قسم کے قبائح و رسوم کی منشاء یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو علماء میں سے کسی طبقہ کی حمایت حاصل ہے۔ ہندوستان میں جتنے فرقے اہلسنت یا اہلِ حدیث کے ہیں۔ ان کے سارے کے سارے علماء بالاتفاق تعزیہ

پرسی کی ممانعت فرماتے ہیں۔ خواہ بریلوی خیال کے ہوں یا دیوبندی خیال کے اور چاہے اہل حدیث اور غیر مقلدین کے علماء ہوں۔ ہر فرقہ کے علماء تعزیہ داری کی ممانعت کرتے ہیں ۔ اور بدعاتِ محرم کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خود مولوی احمد رضا خانصاحب نے اس کو نہایت سختی سے روکا ہے۔ اور نہایت ممنوع اور فعل شنیع قرار دیا ہے۔ مگر کتنے ایسے ہیں جو انکے عقائد میں شریک ہونے کے باوجود بھی تعزیہ کے اس حکم کو مان کر اس پر عمل کرتے ہیں۔

تو بات اصل میں یہ ہے کہ یہ عوام اپنی نفسانی خواہشات کی غلامی میں مبتلا ہو چکے ہیں ان کا نفس جو کہتا ہے بس اسی پر جان دیتے ہیں۔ خود اپنا نفس کہتا ہے کہ تعزیہ بناؤ۔ دھوم دھام کرو۔ باجے بجاؤ۔ اسی بہانہ سے نشہ بازی، بدنگاہی اور بدکاری کے میدان میں اُتر پڑو۔ بس ان ہی نفسانی لذتوں کو پورا کرنے کے خیال سے یہ سب کچھ کرتے ہیں، اور اپنی آخرت کو نہیں سوچتے۔

سوچئے! کہ علماء سے اگر ان کو کچھ بھی اعتقاد ہوتا تو ان کی باتیں کیوں نہ مانتے۔ یہ نفس کے معتقد ہیں۔ اپنا نفس اور شیطان جس راہ پر چلانا چاہتا ہے چل پڑتے ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں تعزیہ سے کوئی عقیدہ نہیں۔ مگر پھر بھی اس سے لگے لپٹے رہتے ہیں اور اس میں شریک ہو کر اپنے نفس کو خوش کرلیا کرتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ کر اپنے نفس کی غلامی اور حق تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنے نفس کو خوش کرتے ہیں۔ اور اپنے مولیٰ کو ناخوش کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

☆

پانچویں مجلس

۱۰؍ محرم الحرام ۲؍ مئی ۶۶ء بروز دوشنبہ

(مقام ڈھموارہ دربھنگہ)

ہرسنگھ پور سے حضرات والا کی روانگی کے بعد قدرے تاخیر سے احقر بھی روانہ ہوا۔ اور کچھ دیر بعد وہاں حاضرِ خدمت ہوگیا۔ فرمایا کہ آپ تو خاص سواری سے آئے ہوں۔ عرض کیا۔ جی حضرت۔ گھوڑے سے آیا ہوں۔ فرمایا کہ گھوڑے کی سواری بہت اچھی ہوتی ہے۔ اِس پر تھانہ بھون کا ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ

گھوڑے کی سواری شاندار ہے: ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے۔ مظفر نگر کا کلکٹر تھانہ بھون آیا ہوا تھا۔ جب اس کی اور اس کے عملہ کی سواری خانقاہ کے سامنے آئی تو اس نے دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت کی خانقاہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں مولانا کو پہلے سے جانتا ہوں۔ اور ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی شبیر علی صاحب نے آکر عرض کیا۔ بڑے ابا! مظفر نگر سے کلکٹر آیا ہے جو آپ سے ملنا چاہتا ہے! حضرت نے فرمایا۔ خانقاہ کے اندر نہ بلایا جائے۔ دروازہ پر جا کر پھاٹک کے قریب مل لوں گا۔ اتنے میں کلکٹر پھاٹک کے اندر داخل ہوگیا اور جوتوں کی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ سے صحن مسجد میں تشریف لائے تو کلکٹر نے اپنا ٹوپ اُتار کر سلام کیا پھر واپس چلا گیا۔ حضرتؒ نے مولوی شبیر صاحب سے پوچھا کہ کس سواری سے آیا تھا انہوں نے کہا کار سے۔ فرمایا۔ کار کی سواری کیا ہوتی ہے۔ سواری گھوڑے کی شاندار ہوتی ہے۔

اس واقعہ کو بیان فرما کر حضرت والا خاموش ہو کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ ایک صاحب نے مجمع میں سے کچھ سوال کیا۔ اور محرم کے متعلق پوچھا۔ اِس پر ارشاد فرمایا کہ۔

محرم کے رسوم کی بنیاد غلط عقائد پر: نہایت غلط اور بے بنیاد عقیدے اس کی بنیاد ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ تعزیہ پر چڑھاوا چڑھانے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ خوش ہوں گے۔ نعوذ باللہ۔ اور ہماری دنیا اس سے بنے گی۔ ہمیں دنیا کے مختلف منافع اس سے حاصل ہوں گے۔ علاوہ اس عقیدے کے لوگ نفس کی خواہشات کے پورا کرنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ بدکاری، نشہ خوری، بدنگاہی وغیرہ طرح طرح کی عیاشی اور برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر کیا جاتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ موردِ غضبِ الٰہی بن جاتے ہیں۔

نذرونیاز کا عقیدہ: اسی طرح بزرگوں سے جو لوگ چپٹے ہوئے رہتے ہیں۔ اور اُنکے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جو شرعاً اور عقلاً ممنوع بھی ہے۔ اسکی بنیاد بھی یہی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری دنیا کا نفع ہوگا۔ نیز یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو ہمارے نفع و نقصان کا تصرف حاصل ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ لوگ بڑے پیر صاحب کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھیں ہماری دنیا بنا دینے میں دخل ہے۔ اور بگاڑ دینے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ اگر ہم ان کے نام کے چڑھاوے اور نذر و نیاز کرتے رہیں گے تو انھیں اِس کی خبر ہوگی اور وہ ہمارے اس عمل سے خوش ہو کر ہماری دنیا بنا دیں گے۔

ایک دُکاندار کا واقعہ: بمبئی میں ایک مالدار دکاندار تھے۔ مولوی عبدالمجید صاحب، بچھرایونی (جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے۔ اور اب ان کا انتقال ہوگیا ہے) کو ان سے تعلق تھا۔ مولوی صاحب ان کی دکان پر برابر آتے جاتے تھے۔ وہ صبح کو جب اپنی دکان کھولتے تو سب سے پہلے ایک بند ڈبہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ (بڑے پیر

صاحب) کے نام سے ایک ٹکا یعنی دو پیسے ڈال دیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے جب بار باران کو یہی کرتے دیکھا تو ایک دِن اس سے فرمایا "بھائی ایسا کیا کرو کہ پیسے تو اللہ نام پر ڈبہ میں ڈال دیا کرو۔ پھر اسے خیرات کر دیا کرو۔ اور اس کا ثواب بڑے پیر صاحب کی روح کو بخشنے کی دعا کر دیا کرو۔ دکاندار نے جواب دیا کہ میرا کام تو چلتا ہے بڑے پیر صاحب سے۔ پھر پیسے اللہ کے نام پر کیوں ڈالوں (نعوذ باللہ) جس سے کام چلتا ہے اس کے نام پر پیسے ڈال دیا کرتا ہوں۔ نعوذ باللہ کتنا بیہودہ عقیدہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو کام بنانے والا نہ سمجھ کر بڑے پیر صاحب کو سمجھا۔ خدا کی پناہ! بس اپنے موہوم اور فاسد عقیدے سے ایسا سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو چپٹے ہوئے ہیں۔ یہی حال ہے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ فساد عقیدہ کا جسے ایک موہوم باطل اور من گھڑت چیز کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اور یہ خیال کر رکھا ہے کہ تعزیہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ آتے ہیں۔

تعزیہ پر عرضیاں: چنانچہ الہ آباد میں ایک محلہ بڑا تعزیہ ہے۔ یہ نام تعزیہ کے نام پر ہے۔ وہ تعزیہ تو ہوتا ہے چھوٹا ہی۔ مگر اور تعزیوں سے ذرا برا ہوتا ہے۔ اس تعزیہ کے مجاورین تعزیہ رکھتے وقت کچھ ایسی کاروائی کرتے ہیں کہ تعزیہ میں حرکت وارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اس میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں دیکھو! حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگئے۔ بس اس پر عرضیاں ڈالی جاتی ہیں۔ جن میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے القاب وآداب کے ساتھ درخواست لکھتے ہیں کہ ہماری فلاں فلاں مرادیں پوری کر دیجئے۔ ان عریضوں کو باقاعدہ بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔ مگر حشر اس کا یہ ہوتا ہے کہ فوراً ہی میلے کے ریلے میں وہ عرضیاں زمین پر پیروں تلے جوتوں کے نیچے روندی جاتی ہیں۔ پھر بھی ان ایمانداروں کو ذرا بھی ان بزرگوں کے نام کی بے حرمتی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ نہ اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا خیال آتا ہے۔ عقل و دین کے اندھے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ وہاں منوں مٹھائیوں کا

ڈھیر لگ جاتا ہے۔ روپے پیسے اس پر پھینکے جاتے ہیں۔ ان چڑھاوؤں سے بس مجاوروں کی اپنی مراد پوری ہوتی ہے۔ وہ اپنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ باقی ان احمقوں کو تو کیا خاک نفع ہوگا بلکہ اس بے حرمتی کا وبال ہی ان پر پڑتا ہے۔ غرض ان رسوم و بدعات کی ترویج میں نفس پرستی اور دنیا پرستی ہی کا ہاتھ ہے۔

تعزیہ میں شعبدہ بازی: الٰہ آباد ہی کے قریب کا ایک دوسرا واقعہ بیان فرمایا کہ تعزیہ داروں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ تعزیہ غمِ حسین میں روتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب کو اس کی فکر ہوئی کہ دیکھیں تو تعزیہ کیسے روتا ہے۔ ذرا اس کا پتہ لگایا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ امام بارہ کے قریب ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ یکایک یہ اسکے اندر داخل ہوگئے۔ دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جسمیں قبل سے ہی ربر کی نلکیاں زمین کے اندر اندر فٹ کر کے تعزیہ کے چاروں پایوں کے نیچے تک پہونچا رکھی ہے۔ اب وہ بذریعہ پچکاری اس نلکی میں پانی پہنچاتا رہتا ہے۔ یہی پانی پائے کے نیچے سے نکلتا ہے۔ ادھر عوام کے پھانسنے کیلئے یہ ڈھول پٹتا ہے کہ تعزیہ غمِ حسین میں رو رہا ہے۔ ایسی ایسی شعبدہ بازی ہوتی ہے۔ بس شو ہے نفس پرستی ہے۔ دنیا طلبی ہے۔ اس بنیاد پر یہ قبائح جاری ہیں۔

جانور سدھ جاتے ہیں لیکن انسان!......: فرمایا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے قوموں کی ہلاکت اور بربادیوں کا تذکرہ فرما کر نصیحت فرمائی ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ انھوں نے حق تعالیٰ کی بات بتلائی۔ انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھلائی۔ یہی ان کا کام تھا۔ کرتے رہے اور اس دنیا سے تشریف لے جاتے رہے۔ ان میں سے بعض بعض نبی ایسے بھی آئے کہ ایک شخص بھی ان پر ایمان نہ لایا۔ مگر پھر بھی انھوں نے اپنا کام پورا کیا اور تشریف لے گئے۔ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ سرورِ عالم ﷺ پر موقوف ہوگیا۔ تو آپؐ کے بعد آپ کے نائبوں نے آپ ﷺ کی طرف سے اسی کام کو کیا۔ ہر زمانے میں کرتے رہے۔

اور اس زمانہ میں بھی کر رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک کرتے رہیں گے۔ راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے۔

سوچئے تو سہی! یہ کیسی بات ہے کہ جانور جب سدھائے جاتے ہیں۔ سدھ جاتے ہیں جبکہ سوار گھوڑے کو درست کر دیتا ہے۔ وہ سدھ جاتا ہے۔ اتنا شعور ہو جاتا ہے کہ محض الفاظ اور مخصوص آوازوں سے چل پڑتے ہیں۔ رک جاتے ہیں۔ جس مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ برابر اس میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر انسان ہے کہ اسے کتنا ہی سکھلایا جائے، کتنی ہی اصلاح کی کوشش کی جائے درست نہیں ہوتا۔ یہ جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کام میں نہیں لگتا۔

انسان کا اپنا کام: انسان اپنے کام کو اپنا کام ہی نہیں سمجھتا۔ اس کا اپنا کام وہی ہے جس کام کے لئے حق تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے اسے عبدیت بندگی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے تو اس کی پیدائش جس کام کے لئے ہوئی ہے وہی اس کا اپنا کام ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنوں اور انسانوں کی منشا تخلیق ہی عبدیت و بندگی ہے۔ اپنی پیدائش کی جو منشا ہے اسے اپنا کام ہی نہیں سمجھتا۔

آخرت کے بچّے بن جاؤ: دیکھئے! سارے بچے اپنی ماؤں کے ساتھ رہتے ہیں۔ گائیں، بکریاں، بھیڑیں اپنے اپنے گلوں میں چلتی ہیں۔ ان کے بچے بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مگر ہر ایک کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہوتا ہے۔ کسی بھیڑ کا بچہ دوسری بھیڑ کے پیچھے نہیں چلتا۔ کسی بکری کا بچہ دوسری بکری کے بچے کے پیچھے نہیں چلتا۔ اور نہ کسی گائے کا بچہ دوسری گائے کے پیچھے چلتا ہے۔ ہر بچہ اپنی ماں کے ساتھ چلتا ہے۔ اسکا پیچھا پکڑتا ہے۔ ماں جدھر مڑتی ہے مڑ جاتا ہے۔ جہاں رکتی ہے رک جاتا ہے۔ مجھکو مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث پاک کا مضمون یاد آیا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

دنیا اور آخرت ہر ایک کی اولاد ہوتی ہے۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تم بھی آخرت کے بچے بن کر اس کے پیچھے پیچھے چلو۔ یعنی آخرت کا کام کرو۔ اور دنیا کی اولاد بن کر اس کے پیچھے مت چلو۔

☆

چھٹی مجلس

۱۰ رمحرم الحرام ۲ رمئی مقام دھموارہ بعد نماز ظہر

حق تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہے: گرمی سخت تھی اور ہوا بھی تند و تیز اِسکا تذکرہ ہوا۔ تو فرمایا۔ اس وقت کی گرمی کاشتکاروں کے نزدیک بہت مفید سمجھی جاتی ہے۔ جتنی زیادہ گرمی اس وقت پڑے گی۔ اِتنی ہی زیادہ بارش بعد میں ہوگی۔ ان لوگوں کا تجربہ ہے۔

ایک صاحب نے یہ کہا کہ حضرت اس حلقہ میں اس وقت بارش کی سخت ضرورت ہے۔ دعا فرمائی جائے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہیں۔ بارش ہونے میں بھی مصلحتیں ہیں۔ اور نہ ہونے میں بھی مصلحتیں ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں یہ جو بارش کے زمانہ میں سیلاب کیوجہ سے فصلیں برباد ہوتی ہیں۔ ہزاروں میل زمین اور ہزاروں بستیاں تہِ آب ہوجاتی ہیں۔ سب میں مصلحتیں ہیں۔ سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

ایک بزرگ کا واقعہ: ایک بزرگ نے ایک دفعہ بارش ہونے پر فرمایا۔ خوب موقع سے بارش ہوئی ہے۔ غیب سے آواز آئی، او بے ادب گستاخ! بے موقع کب میں نے بارش کی تھی۔ ذرا سنبھل کے بولو۔ سنتے ہی حق تعالیٰ کا خوف طاری ہوگیا۔ کانپ گئے۔ آپ نے

لوگوں سے فرمایا کہ جلدی میرا منہ کالا کرو میری ٹانگوں میں رسّیاں باندھ کر بازار کی سڑکوں پر گھسیٹو، اور یہ اعلان بھی کرو کہ یہ ایسا غلام ہیکہ جس نے اپنے آقا کے ساتھ گستاخی بے ادبی کی ہے۔ لوگ ان کے حکم سے اس پر تیار ہو گئے! ابھی سامان ہی کیا تھا کہ غیب سے آواز آئی کہ خبر دار! جو کسی نے ان کو ہاتھ بھی لگایا تو ابھی تباہی آجائے گی۔ میرا انکا معاملہ الگ ہے، کسی کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ فرمایا کہ

واقعی حق تعالیٰ کا معاملہ اپنے دوستوں سے کچھ دوسرا ہی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں فرمایا۔

مینڈھو ضلع بلند شہر: میں کچھ دنوں مینڈھو میں مقیم رہا ہوں۔ وہال کے ایک مشہور بزرگ امیر شاہ خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بقید حیات تھے اور اپنے اکابر سے نہایت ہی گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ان کا حافظہ بھی نہایت ہی عجیب تھا۔ فرماتے تھے۔

حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے جو کوئی اختلاف رکھتا تھا اس کا اختلاف اگر رائے کے درجے میں ہوتا تو خیر! کوئی بات نہیں۔ اور اگر عناد و دشمنی کے درجہ میں ہوتا تو وہ تباہ و برباد ہوجاتا تھا۔ اسی طرح وہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان سے جو کوئی اختلاف عناد کے درجہ میں رکھتا ہے وہ اپنی دنیا اور آخرت سب کھو بیٹھا ہے۔

امیر شاہ خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قول کے لئے نظائر و دلائل بھی پیش فرماتے تھے کہ فلاں نے عناد کیا اور اس طرح برباد ہوا۔ فلاں نے بغض رکھا تو یوں برباد ہوا۔

حبّ فی اللہ اور بغض للہ: حضرت والا نے امیر شاہ خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حبّ و بغض فی اللہ کا ایک واقعہ زبانی ارشاد فرمایا کہ وہ خود مجھ سے فرماتے تھے جس زمانہ میں حضرت مولانا تھانویؒ کا قیام کانپور میں تھا۔ میلاد کے متعلق بعض امور میں آپ کے اندر قدرے نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ مجھے بھی ان سے اس زمانے میں قدرے بغض پیدا ہوگیا۔ حضرت

مولانا تھانوی ؒ کی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں مکاتبت بھی ہوئی تھی۔ اس کے ایک عرصہ بعد ایک موقع سے حضرت مولانا تھانوی ؒ گنگوہ تشریف لائے۔ میں بھی ان دنوں حضرت مولانا گنگوہی ؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک جگہ حضرت مولانا تھانوی ؒ کا وعظ ہونے والا تھا۔ بعد نماز مغرب حضرت مولانا گنگوہی ؒ کی مجلس کا وقت مقرر تھا۔ اور وہی وقت مولانا کے وعظ کا بھی تھا۔ میں خود حضرت گنگوہی کی مجلس میں حاضر تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ فلاں جگہ ایک عالم ربانی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں کیوں نہیں جاتے! عالم ربانی کے لفظ پر مجھ کو کھٹک پیدا ہوئی۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ انہیں عالم ربانی فرماتے ہیں اور کانپور کے زمانہ قیام کی نرمی کا ذکر کیا اور کہا کیا اب وہ سب معاملات ٹھیک ہیں۔ فرمایا کہ ہاں جی! سب ٹھیک ہیں۔ میں نے کہا میں ان کا معتقد ہو جاؤں؟ فرمایا ہاں! معتقد ہو جاؤ۔

امیر شاہ خانصاحب فرماتے تھے۔ بس اس دن سے حضرت تھانوی ؒ کی محبت دل میں پیوست ہوگئی۔ اور دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی۔ اور مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت تھانوی ؒ کے واقعات سنایا کیجئے۔ لذت آتی ہے۔

سلسلہ کلام میں فرمایا۔

اپنا کام ہے اللہ کا ذکر: حق تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں اور مصلحتوں کو اجمالی طور پر یقین کے ساتھ مان کر اپنے کام میں لگ جانا چاہئے۔ اپنا کام ہے، حق تعالیٰ یاد۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم میری یاد کرو (میرے ذکر پر تمہیں کیا ملے گا) میں بھی تم کو یاد کروں گا۔ تم زمین پر یاد کرو گے تو میں آسمان پر یاد کروں گا۔ اپنے فرشتوں میں تمہارا ذکر کروں گا۔ حق تعالیٰ کے فرشتے خود ذکر اللہ میں مشغول رہا کرتے ہیں اور انسان جو ذکر اللہ کرتا ہے۔ اس سے انھیں لذت آتی ہے۔ محبت رکھتے ہیں۔ بہت سے فرشتے اسی تلاش میں

پھرتے رہتے ہیں۔ جہاں کسی اللہ کے ذکر کرنیوالے کو پالیتے ہیں اپنے ساتھیوں کو بھی پکارتے ہیں ذکر سنتے رہتے ہیں اور جب مجلسِ ذکر ختم ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کو سب حالات معلوم ہی ہیں۔ پھر محض اپنی یاد کرنیوالوں کی عزت افزائی کے لئے ان فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کہو میرے بندوں کو کس حال میں پایا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ کی جنت کے شوق میں بیتاب تھا۔ آپ کی دوزخ سے ترساں تھا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتو! گواہ رہو میں نے سب کو بخش دیا۔ بعض فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہ العٰلمین! حاضرین میں سب کا مقصود ذکر سننا ہی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے کسی کام سے جا رہے تھے اور یوں ہی چلتے چلاتے بطور تماشائی کے بیٹھ گئے تھے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ هُمْ قومٌ لا یشقیٰ جلیسُهُمْ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ہم نشین بھی محروم نہیں رہتے۔

یہ ہے اَذْكُرْكُمْ کی حقیقت جس کا ترتب بندوں کے ذکر پر موقوف ہے۔ تو اپنا کلام اللہ کی یاد ہے۔ بس اس کو تو یاد کرنا چاہئے اور سب سے منہ موڑ لینا چاہئے دنیا سے دل توڑ لینا چاہئے۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر :

حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمہ اللہ کا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے ایک شعر ہے جو بہت اچھا ہے یہ شعر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت ہی پسند تھا۔ آپ اسے لطف کیساتھ خود تنہائی میں پڑھا کرتے تھے اور بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

؎ شاہ معین الدین خاموش کا شعر۔

دلبر ہے بَر میں الحمدللہ　　سب کچھ ہے گھر میں الحمدللہ

حضرت والا مدظلہٗ نے اس شعر کو بار بار لطف کے ساتھ دہرایا اور فرمایا کہ یہ نعمت حاصل ہوتی ہے ذکر ہی کی بدولت۔ ذاکر کو چاہئے کہ اپنا مقصود ذکر ہی کو بنائے۔ اسی کام کو اپنا کام سمجھے۔ کشف وکرامت اور تصرّف وغیرہ کی طلب بھی حقیقت میں دنیا ہی کی طلب ہے۔ اسی طرح راہ پر پڑے ہوئے کسی طالب کو اگر اس کا شیخ خلافت یعنی اجازت بیعت وصحبت عطا کرے تو دوسرے کو اسکی طمع نہ کرنا چاہئے۔ یہ بھی دنیا ہی کی طلب ہے۔ بس اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: مجھ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آیا۔ آپ کے وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ فرماتے تھے کہ میں جو تصوف کے نکتے معرفت وحقیقت کے اشارات لوگوں سے بیان کرتا تھا۔ یہاں کچھ بھی کام نہ آئے۔ طاحت العبارات ونیت الاشارات عبارتیں برباد ہوگئیں۔ اشارات فنا ہوگئے وما نفعنا الا رکعاتٍ رکعنا فی جوف اللیل اور ہمیں کسی چیز سے نفع نہ پہونچا سوائے اِن چند رکعات کے جو راتوں کی تنہائی میں پرھا کرتا تھا۔ بس رات کی تاریکی میں اپنے آرام کے بچھونے کو چھوڑ کر جو چند رکعتیں پڑھا کرتا تھا اسی کی برکت سے حق تعالیٰ نے بخش دیا اور وہی نمازیں ہمارے کام آئیں۔

نماز سراپا ذکر ہے: دیکھئے نماز سراپا ذکر ہے۔ بس اسی ذکر نے کام دیا۔ یہ جتنی ساری عبادتیں ہیں سب ذکر ہی ہیں۔ اور سب میں افضل نماز ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کی نماز میں ایک نوجوان ایک دن حاضر نہ ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں موجود نہ پایا۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اس پر نگاہ رہا کرتی تھی۔ واپسی پر ان کے گھر گئے۔ کنڈی کھٹکھٹایا۔ نوجوان کی والدہ نے پوچھا کون! بولے عمر ہوں۔ تمہارے لڑکے نے آج نماز فجر کی جماعت میں شرکت نہیں کی۔ کیا وجہ ہے؟ کیا بیمار ہوگیا بولی نہیں۔ فرمایا تو کہیں باہر سفر میں ہے؟ اس نے کہا نہیں وہ تو پڑا سو رہا ہے۔ اور اس کی

وجہ یہ ہے کہ آج رات بھر نفلی عبادت میں مشغول رہا۔ جب فجر کی اذان ہوئی ہے۔ اس نے گھر پر ہی نماز پڑھ لی۔ رات بھر جگا ہوا تھکا ماندہ تھا اس لئے سو گیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر رات بھر پڑا سوتا رہتا اور کچھ نہ کرتا۔ پھر سویرے جاگتا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ وقت پر پڑھ لیتا تو ثواب میں بہت بڑھ جاتا!

اس کے بعد عصر کی نماز کا وقت ہو گیا اور مجلس ختم ہو گئی۔ عصر سے مغرب تک حضرت والا فارغ رہے۔

☆

ساتویں مجلس

صبح آٹھ بجے سے دس بجے تک۔ مرزا پور ضلع دربھنگہ

(بہار)

مرزا پور پہونچ کر حضرت والا اپنی مجلس کی جگہ بیٹھ گئے۔ ملاقات کرنے والوں میں سے ماسٹر محمد ایوب صاحب کا احقر نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آپ مختلف ہائی اسکول میں ماسٹر رہ چکے ہیں۔ مگر حال یہ ہے کہ اپنی استعداد و صلاحیت اور انتظامی قابلیت کے باوجود کہیں مستقلاً نہ رہ سکے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ برادرانِ وطن شروع میں تو انھیں خوب چپاہے رکھتے ہیں۔ پھر جب اسکول چمک جاتا ہے تو انھیں نکال دیتے ہیں۔ اور گویا جب درخت اس قابل ہوتا ہے کہ اس کا آدمی پھل کھائے۔ یہ غریب محروم کر دیئے جاتے ہیں حضرت نے فرمایا۔ یہ تو ایسا ہی ہوا۔

اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی

عرض کیا گیا کہ یہ مصرع ان پر تو ہر طرح صادق ہی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا

اجتماعی نہیں تو انفرادی مروّت کیسی : ان لوگوں نے اجتماعی مروت کا تو لحاظ نہیں کیا۔ جو وعدے اجتماعی طور پر ہمارے ساتھ کئے گئے تھے۔ سب یوں ہی کاغذی وعدے رہے تو بھلا ایسے لوگوں سے انفرادی مروت کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ ملک کی آزادی اور اس کی جدوجہد میں ہمارا ہی ہاتھ ہے۔ اگر صرف ایک قوم آزادی کی جدّوجہد کرتی تو انگریزوں کے ظالمانہ چنگل سے نکلنا مشکل تھا۔ انھوں نے وعدے کرکے اس جدوجہد میں ہمیں شریک کیا۔ مسلمان بھی انگریزوں سے دوش بدوش لڑتے رہے۔ مگر جب ملک آزاد ہوا تو نہ صرف یہ کہ وہ وعدے نظرانداز ہوئے بلکہ اکثریتی طبقہ نے اقلیتی فرقہ کو طرح طرح سے ستایا۔ ان کے سَر غلط الزامات تھوپے۔ انھیں طرح طرح سے ستایا۔ یہی نہیں ہندو مہاسبھا کے کٹر اور متعصب لیڈر برابر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ہماری حکومت ملی جلی ہے۔ قومی حکومت ہے سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتی ہے مگر ہماری حکومت مہاسبھائیوں کے خلاف ایکشن نہیں لیتی۔ مہاسبھائی یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اس ملک سے چلے جائیں۔ اور اگر یہاں انھیں رہنا ہی ہے تو اپنا لباس بدلیں۔ اپنی وضع قطع بدلیں۔ زبان اور تمدن بدل ڈالیں۔ سب میں ہماری پیروی کریں۔ ہمارے اندر گھل مل کر رہیں۔ دوسرے لفظوں میں مدغم ہو کر رہیں۔ ہاں! عقیدے اور مذہب کا ان کو اختیار ہے۔

مگر سوچئے تو سہی! کہ جب عمل ہی ایک ایک کرکے رخصت ہو جائیگا۔ لباس کی تمیز مٹ جائے گی۔ وضع قطع بدل جائے گی۔ زبان بدل جائے گی۔ اور تمدن مدغم ہو جائے گا تو بھلا عقیدے کو کون پکڑ کر رکھے گا۔

عقیدے مضبوط ہوتے ہیں اعمال سے۔ اعمال جب کم ہو جائینگے تو عقیدے کمزور

ہوجائیں گے اور جب عقیدے کمزور ہوجائیں گے تو مذہب کی بنیاد ہی متزلزل ہوجائے گی۔ یہ ہیں مہا سبھائیوں کے عزائم۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ بس میں ہو تو سب کو فنا کردیں مگر بات یہ ہے کہ

مسلمانوں کی نصرت موعود ہے: ہم جیسے بھی ہیں مگر ایمان تو ہمارے پاس ہے اِس ایمان کی بدولت حق تعالیٰ کی نصرت وحفاظت ہمارے ساتھ ہے۔ اسلئے یہ بات ناممکن ہے کہ سارے مسلمانوں کو مٹادیں۔ ایمان پر نصرت کا وعدہ ہے۔

وَكَانَ حقّاً عَلَيْنَا نَصرُ المؤمِنِينَ۔

علیٰ کا استعمال لزوم کے لئے آتا ہے۔ یعنی ہمارے اوپر مسلمانوں کی نصرت لازم ہے۔ مگر یہ لزوم بہ طور استحقاق کے نہیں ہے۔ بہ طور فضل واحسان کے ہے۔ گویا حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کی نصرت اپنے ذمہ کرلی ہے۔ یہ نصرت اہلِ ایمان کا وعدہ! اب ہمیں یہ ستارہے ہیں۔ تکلیف دے رہے ہیں۔ بعض لوگوں کو شہید بھی کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب انہیں تکلیف پہنچائی۔ ان کا مالی وجانی نقصان کیا لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کو تکلیف پہونچتی ہے تو انھیں ثواب ملتا ہے۔ وہ قتل کیا جاتا ہے تو آخرت کی اَبدی زندگی اس کی بن جاتی ہے۔

جیسا ایمان ویسی نصرت: باقی رہی ان کے مقابلہ میں ہماری کھلی نصرت! تو بات یہ ہے کہ ہم جیسے مومن ہیں حق تعالیٰ کی ویسی ہی نصرت بھی ہمارے ساتھ ہے نصرت کا وعدہ ان مومنین سے ہے جو قران پاک کی اصطلاح کے مطابق مومن ہوں۔ جو جنابِ رسول صلی علیہ وسلم کی حدیث پاک کی اصطلاح کے مطابق مومن ہوں۔ تو ہم جیسے مومن ہیں ویسی نصرت ہمیں حق تعالیٰ کی طرف سے اب بھی حاصل ہے بلکہ ہمارے درجہ ایمان سے زیادہ حاصل ہے۔ قران کریم اور حدیث پاک کی اصطلاح کے مطابق تو ایمان کا درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ غور کیجیے! انھیں کس درجہ کی نصرت حاصل تھی۔

صحابہ کرام کی نصرت کا نمونہ: جبلہ ابن ایدھم مرتد ہو کر عرب متنصرہ کے ساتھ جا ملا بادشاہ روم نے اسے اپنی فوج کا اعلیٰ کمانڈر بنا دیا۔ اور یہ خیال کیا کہ اب عرب کے مقابلہ میں عرب ہی اچھا کام کرسکتا ہے۔ عرب متنصرہ نے ساٹھ ہزار فوج لیکر چڑہائی کی۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ ابن لجراح رضی اللہ عنہ امیر تھے۔ خبر پا کر انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ انھیں اس بڑی جمیعت کا مقابلہ قابل فکر معلوم ہونے لگا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جو اسوقت امیر لشکر نہ تھے صرف ایک فوجی کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح کے پاس حاضر ہو۔ اور عرض کیا اس وقت آپ امیر لشکر ہیں۔ جبلہ کی ساٹھ ہزار کی جمیعت گو عظیم اکثریت کی حامل ہے مگر فتح و شکست فوج کی کثرت و قلت پر موقوف نہیں ہے بلکہ محض نصرت خداوندی پر موقوف ہے ہمیں حق تعالیٰ کی نصرت کا یقین کامل ہے۔ آپ مجھکو اجازت دیجئے کہ اس معاملہ میں اپنی رائے سے کام کروں۔ انشاء اللہ جبلہ کو شکست ہوگی۔ اور اس کی یہ بھاری جمیعت منہ کی کھائیگی۔ اجازت مل گئی۔

ساٹھ ہزار کے مقابلہ میں صرف ساٹھ مسلمان: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ساٹھ ہزار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج سے صرف ساٹھ آدمیوں کو چن لیا حالانکہ مسلمانوں کی فوج چالیس ہزار کی تعداد پر مشتمل تھی۔ مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے چھانٹ چھانٹ کر صرف ساٹھ آدمیوں کو لے لیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بھی فوج کی کمی نہیں ہے۔ آپ اور زیادہ لے لیں۔ مگر حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ ساٹھ ہزار کے مقابلہ میں یہی ساٹھ مسلمان کافی ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان ہی ساٹھ جاں بازوں کو اپنے ساتھ لے کر میدان جنگ میں ساٹھ ہزار کی ٹڈی دَل فوج کے مقابلہ پر اتر آئے۔ جبلہ کو عقل نہ تھی۔ اگر اسے عقل ہوتی تو ذرا بھی اپنی عزت کا خیال ہوتا تو ہرگز ساٹھ کے مقابلے کے لئے میدان میں

نہ اترتا۔ وہ اپنی توہین سمجھتا مگر اس نے محسوس نہیں کیا۔ اور میدان میں اتر ہی پڑا، جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کے جاں باز اور بہادر سپاہی اس ماہر سردار کی نگرانی میں نہایت دل سوزی اور جانبازی کے ساتھ لڑتے رہے۔ لڑتے لڑتے پورو دن گذر گیا۔ شام ہوتے ہوتے جبلہ میدان ِجنگ سے بھاگ نکلا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا پیچھا کیا، اتنی دور تک پیچھا کرتے رہے کہ رات کی تاریکی فضا پر چھا گئی۔ اب جبلہ نظر نہیں آرہا تھا۔ حضرت خالدؓ نے ساتھیوں کو روک دیا۔ اور کہا کہ زیادہ پیچھا نہ کریں۔ دشمن بھی نظر نہیں آتا، ممکن ہے، اس کے بھاگنے میں بھی کوئی مکر رہا ہو۔ اور ہم لوگ گرفتار ہو جائیں۔ مشورہ سے واپسی ہوئی میدان جنگ میں پہنچے تو مشعلیں روشن کیں مسلمانوں نے لاشیں جمع کرنے لگے تو یہ لاشیں دس تھیں۔ گنتی ہوئی تو چالیس حضرات موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ دس لاپتہ ہیں۔ جنہیں دشمنوں نے گرفتار کرلیا ہے۔ اب کفار اور مشرکین کی لاشوں کو گننا شروع کیا تو ۱۵ر یا ۲۰ر ہزار مقتول پڑے تھے۔

غور کیجئے! ان کے یقین پر، انکے ایمان پر اور پھر اس نصرت الٰہی پر جو حق تعالیٰ نے ان کے ایمان یقین کی بدولت انہیں عطا فرمائی۔

اب بھی مسلمان اگر حق تعالیٰ سے سچا، مضبوط اور صحیح تعلق پیدا کرکے سچا ایمان اور سچا یقین حاصل کرلیں تو انہیں بھی بلاشبہ حق تعالیٰ کی نصرت اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ باقی ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اس کا وعدہ بھی باقی ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات وصفات فنا سے پاک ہے۔ اس کے وعدے بھی فنا سے پاک ہیں۔ بس جو کمی ہے ہمارے اندر ہے، ہمیں نیک اعمال کرکے حق تعالیٰ سے محبت اور یقین کا تعلق پیدا کرلینا چاہئے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

مصائب سے نجات پانے کی راہ: مصائب سے نجات پانے کی راہ ہمارے اختیار میں بس یہی ہے کہ ہم دعاوں سے کام لیں اَلدُّعَآءُ سِلَاحُ الْمُؤمِن دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ جب کوئی مصیبت آئے خواہ وہ مصیبت کسی طرح کی ہو ہمیں یہی ہتھیار استعمال کرنا چاہئے۔ دعا قبول کرنے کا حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے وعدہ فرمایا ہے۔ اُدْعُونِی أَستجبلکم تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دونگا۔ دعا سب کی قبول فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ کافر و مشرک تک کی بھی۔ قرآن پاک میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔

شیطان کی دعا بھی قبول ہوئی: دیکھئے کہ شیطان مردود جس وقت ملعون کیا گیا، اور اسے دربار الٰہی سے نکالا گیا۔ اس نے ایک دعا کی، اس نے کہا رَبِّ فَاَنْظِرْنِی اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْن۔ اے رب میرے، آپ مجھے قیامت تک کے لئے ڈھیل دے دیجئے، حق تعالیٰ نے یہ درخواست منظور فرمائی، اور فرمایا فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْن جا نالائق میں نے تجھ کو ڈھیل دے دی، ایسے وقت میں بھی قبول فرمالیا تو اس سے خراب حالت کسی اور کی کیا ہوگی۔

دعا کے آداب: مگر بات یہ ہیکہ ہم لوگ دعا کے آداب کا لحاظ نہیں رکھتے، اولاً تو دعا کرتے ہی نہیں۔ اللہ سے مانگتے ہی نہیں اور مانگتے بھی ہیں تو پورے یقین اور ایمان کے ساتھ نہیں مانگتے۔ جلدی مچاتے ہیں۔ قبولیت سے میں خود ہی شک کئے رہتے ہیں۔ ہماری دعاؤں میں گڑگڑاہٹ نہیں ہوتی، تضرع اور عجز نہیں مانگتے، حق تعالیٰ سے ملنے کی امید نہیں رکھتے حق تعالیٰ کو ہر بات کا دل کے ہر خطرہ ہر وسوسہ کا علم حاصل ہے۔ آپ اپنی حاجت کسی سے کہئے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید تو ہے نہیں کہ آپ دیں گے مگر میں ضرورت مند ہوں اس لئے بغیر آپ سے کہے نہ بنی۔

بتلائیے ! وہ آپ کی اس بات کی قدر کیا کرے گا۔ آپ جب پہلے سے ہی اس

سے ناامید ہیں، اور اس سے کہہ بھی رہے ہیں تو وہ یہی کہے گا کہ کیسا احمق ہے، نہایت بے قدری کے ساتھ ہم سے مانگ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ دینا بھی چاہتا ہوگا تو اس کا دل انکار کریگا۔ حق تعالیٰ بھی ایسوں کی دعائیں قبول نہیں فرماتے جو اللہ تعالیٰ سے پوری امید نہ رکھتے ہوں۔

قبولیت دعا کی تین شرطیں: قبولیت دعا کی تین شرطیں ہیں۔ مانگنے کا وقت ان کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ پورے یقین، اعتماد اور امید کیساتھ دعا کیجئے حق تعالیٰ امیدوار کی امید پوری فرماتے ہیں۔

دوسری یہ کہ قبولیت میں جلدی نہ مچائیں کہ مانگتے ہوئے اتنے دن ہوگئے اب تک مراد نہ ملی۔ دعا قبول نہ ہوئی، ان خیالات سے ناامیدی ٹپکتی ہے جس کی نحوست سے قبول شدہ دعائیں بھی مسترد کردی جاتی ہیں۔

میرے ہاں ایک صاحب تھے، اور دولتمند تھے۔ ان کا صرف ایک بیٹا تھا اور کوئی نہ تھا ان کے بیٹے کی کافی دن شادی کو ہوچکے تھے مگر اس کو کوئی اولاد نہ تھی۔ ان صاحب کو یہ خیال ستاتا رہتا کہ اگر بیٹے کی کوئی اولاد نہ ہوئی تو ہماری جائداد دوسروں کو ملے گی، برباد ہوجائے گی۔ اسی خیال میں بزرگوں کی مزاروں پر گھومتے رہتے تھے۔ اور نہ جانے کیا کیا کرتے تھے۔ ایک بار مجھ سے کہنے لگے، میں نے مولوی سے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کیا کرتے ہیں مجھ کو اتنے دن ہوگئے دعا کرتے کرتے ہماری دعا قبول ہی نہیں کرتے، میں نے ان کے مزاج اور ذوق کے مطابق جواب دیا کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے دعائیں قبول تو ضرور فرماتے ہیں مگر یہ تو سنئے! کہ وہ لوگ جو آپ کے بیٹے کی اولاد نہ ہونے پر آپ کی جائداد کے حقدار ہوں گے۔ آخر وہ لوگ بھی تو دعا کرتے ہوں گے کہ آپ کی جائداد میں ان کا حق پہنچے، اور ان کی تعداد ہے بارہ چودہ، اور آپ اکیلے، تو ادھر بارہ چودہ کی دعا ہوتی ہے اور ادھر اکیلے کی ہوتی ہے۔ وہ بھی تو خدا کے بندے ہیں آخر ان کی بھی دعا قبول

فرمائیں گے۔ یہ جواب سن کر بالکل خاموش رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ صاحب کسی صاحب کشف کے پاس بھی گئے، اور ان سے بھی اسی طرح کی شکایت کرنے لگے۔ انہوں نے کشف سے بتلایا کہ آپ کیوں مارے مارے پھر رہے ہیں، آپ کو پوتا ہونا ہی مقدر نہیں ہے پھر کیوں پریشان ہوتے ہیں۔

قبولیت دعا کی ایک اور شرط یہ بھی ہے کہ کسی ایذا کے لئے دعا نہ ہو، اور ایسی چیز کی بھی دعا نہ ہو جو شرعاً ممنوع ہے۔ کیوں کہ محرمات کی دعا حرام ہے، بھلا ایسی دعا کیوں قبول ہو، بلکہ ایسی دعا کرنے سے یہ شخص الٹا غضب الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔ تو یہ تیسری شرط ہے کہ حرام کی دعا نہ ہو۔

عدم ظہور میں بھی مصلحت ہے: اپنی شرائط کے ساتھ دعا قبول ضرور ہوتی ہے، مگر کبھی کبھی اس کا ظہور فوراً نہیں ہوتا، جس سے یہ سمجھنا غلطی ہے کہ دعا قبول ہی نہیں ہوتی ہے۔ جس کی صورت کبھی یہ بھی ہوتی ہے کہ یہ شخص دعا اپنی خواہش کے موافق کر رہا ہے۔ مگر حق تعالیٰ کے علم میں یہ چیز جسے مانگ رہا ہے اس کی مصلحت کے موافق نہیں ہوتی ایسی صورت میں حق تعالیٰ چونکہ حکیم علی الاطلاق ہیں اپنی رحمت سے اس کی دعا قبول فرما کر مانگی ہوئی چیز کے بجائے دوسری کوئی چیز عطا فرما دیتے ہیں۔ یا اس کو آخرت میں ثواب عطا فرماتے ہیں۔ یا اس پر کوئی بلا نازل ہونے والی تھی، اس کی دعا کی برکت سے ٹال دیتے ہیں۔ یا کوئی ایسی نعمت عطا فرماتے ہیں جو اس کی مصلحت کے موافق ہوتی ہے۔

جیسے ایک نادان بچہ باپ کے ہاتھ میں سنکھیا کی سفید ڈلی دیکھ کر مصری سمجھتا ہے اور ضد کر کے مانگنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے لئے روتا ہے۔ بلبلاتا ہے مچلتا ہے۔ مگر باپ اسے نہیں دیتا۔ اس کے عوض میں مٹھائی دے کر اسے چپ کر دیتا ہے۔ بہلا لیتا ہے۔ کیا کوئی باپ ایسا کر سکتا ہے کہ اُسے سنکھیا کی ڈلی دیدے۔ باپ کی شفقت اور اُس کا علم بچہ کی مصلحت کے پیشِ نظر ایسا کرنے نہیں دیتا۔ اگر کوئی باپ اپنے بچہ کی ضد پر ایسا کرے تو یہ

عمل بچہ کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ کھاتے ہی بچہ مر جائیگا۔ حق تعالیٰ کی شفقت اپنے بندوں پر بہت پیار کرنے والے باپ سے لاکھوں گناہ زیادہ ہے اِس کی حکمت کے مقابلے میں انسان کے عِلم حکمت کا تذکرہ ہی لغو ہے۔ وہ علیم وخبیر ہے، سمیع وبشیر ہے۔ وہ ہمارے حالات جانتا ہے۔ ہماری پکار سنتا ہے۔ ہماری ضرورتوں سے باخبر ہے۔ اور ہم نادان بچّہ کی طرح بالکل بے خبر، ایسی حالت میں حق تعالیٰ کی رحمت وشفقت نقصان کی چیزوں سے ہمیں بچالیتی ہے تو حقیقتاً یہی ہمارے لئے رحمت ہے۔

آٹھویں مجلس

۱۱ر محرم الحرام ۸۶ ھ مطابق ۳ر مئی ۶۶ء بروز منگل بعد نماز ظہر مرزا پور ضلع دربھنگہ
(بہار)

ایک انگریزی داں طالبِ علم نے قرآن پاک کی دو آیتیں لکھ کر پیش کیں۔ جو ذیل میں درج ہیں۔

ترجمہ قرآن پاک کے مطالعہ سے غلط فہمی:

(۱) اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَالَّذِینَ ھَادُوا وَالنَّصٰریٰ وَالصَّابِئِینَ۔

(۲) اور دوسری آیت وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیرَ الاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ اور لکھا کہ مجھ کو اِن دونوں آیتوں کے مفہوم میں تضاد معلوم ہوتا ہے میں نے اُردو کے جو ترجمے دیکھے ہیں۔ ان سے سمجھ میں نہ آسکا۔ حضرت والا نے تضاد کی تقریر دریافت کی تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی آیت میں مسلمان یہودی عیسائی اور صابی میں سے جو شخص ایمان رکھتا ہو سب کے لئے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اور دوسری آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دوسرا

دین عند اللہ قابل قبول ہی نہیں۔ تو ایسی حالت میں سب کیلئے جنت کا وعدہ کیونکر فرمایا۔

حضرت والا نے قرآن پاک منگوا کر دونوں آیتوں میں غور فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ

اس مقام پر دو سلسلہ بیان مختلف مذاہب کا چلا آرہا ہے۔ اس آیت میں یکجا سب کو فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ کوئی بھی مذہب رکھے۔ یہودی، عیسائی، صابی، بلکہ مسلمان بھی ہو تو اس کے لئے یہی فیصلہ ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ ایسی حالت میں جو کوئی بھی اس صفت سے متصف ہوگا۔ اس کی نجات یقینی ہے۔ اس دوسری آیت میں صراحۃً اس کو ارشاد فرمایا گیا۔ مذہبِ اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے والا آخرت میں ضرور خسارہ میں رہیگا۔

پہلی آیت دوسری آیت کا مضمون التزاماً نکلتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت سے پہلی آیت کا مضمون التزاماً نکلتا ہے۔

قرآن پاک نصیحت کی کتاب ہے۔ عربی زبان میں جتنے فصیح ترین الفاظ تھے۔ حق تعالیٰ نے قرآن پاک کے لئے منتخب فرمائے اور فصیح ترین زبان میں قرآن پاک کو نازل فرمایا۔

قرآن پاک کا معجزہ: یہی سبب ہے کہ اہلِ مکّہ قرآن پاک کا مفہوم خوب سمجھتے تھے۔ کوئی شخص ایسا نہ نکلا جس نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی ہو کہ یہ تو ایسی زبان ہے جس کو ہم نے نہیں سمجھا۔ سب سمجھتے تھے۔ خوب سمجھتے تھے۔ پھر جس کا دل مان لیتا تھا اور ایمان کی توفیق ملتی تھی وہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ جس کا دل نہیں مانتا تھا اور توفیق سے محروم ہو جاتا تھا ایمان نہیں لاتا تھا۔ سمجھنے کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ گو دوسری طرح سے صاف انکار کر دیا۔ قرآن پاک کو حق تعالیٰ نے ایسی فصاحت و بلاغت اور معجزہ عطا فرمایا کہ باوجودیکہ سب لوگ عربی زبان جانتے تھے۔ بڑی مہارت رکھتے تھے ان میں بڑے بڑے فصحاء بلغاء اور شعراء تھے۔

مگر قرآن پاک کے مقابلہ میں نہ اُتر سکے۔ ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت بھی بنا کر مطالبۂ قرآن کے باوجود پیش نہ کر سکے۔ دشمنی کیسی تھی بغض کے ساتھ۔ کیا کچھ نہ چاہتے ہوں گے۔ مگر قرآن پاک کے مقابلہ میں مجبور تھے۔ عاجز ہو کر رہ گئے۔

ترجمۂ قرآن پاک سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھنا چاہئے : پھر ان ہی مسائل صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ نے مَنۡ اٰمَنَ مِنۡھُمۡ بِاللّٰہِ پر نظر نہیں فرمائی۔ اس لفظ نے تو بالکل صاف کر دیا ہے کہ کوئی شخص ہو جو ایمان لائیگا نجات پائیگا۔ بات یہ ہے کہ محض اردو میں ترجمہ دیکھنا قرآن پاک کے محاورہ کے مطابق مفہوم کو سمجھنے کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ بلکہ ترجمہ کو بھی سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھنا چاہئے ورنہ اس قسم کے بہت شکوک پیدا ہو سکتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہیں قسم کے بہت سارے تجربات تھے جنکی بناء پر حضرت رحۃ اللہ فرمایا کرتے تھے میں صرف اردو خوانوں کو اردو ترجمے پڑھنے اور دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ ترجمے اس لئے نہیں لکھے گئے ہیں کہ اردو خواں اسے خود سے پڑھیں۔ یا مطالعہ کریں۔ بلکہ اس لئے کہ اگر شوق ہو تو کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لیں۔ اس صورت میں انہیں ترجمہ سے یہ سہولت ہوگی کہ کچھ مفہوم ان کے ذہن میں تو اس عالم کے سمجھانے سے رہیگا۔ اور کچھ ترجمہ سے سمجھ میں آئیگا۔ تعلقات اور ربط وغیرہ کا علم صحیح حاصل ہو سکے گا۔ اور اس طرح کسی عالم سے پڑھنے والا قرآن پاک کا غلط مفہوم نکالنے سے بچ سکے گا۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا

ترجمہ سے غلط فہمی کا ایک واقعہ : ایک صاحب اردو کا ترجمہ دیکھا کرتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے جب اس آیت پر پہونچے لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی تو دیکھا کہ ترجمہ میں لکھا ہوا ہے "نماز کے قریب بھی نہ جاؤ" اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو۔ بس فوراً

نماز سے توبہ کرلی۔ حالانکہ نماز اور تلاوت کے بیحد پابند تھے۔ نماز پابندیٔ جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ مگر ترجمہ پڑھتے ہی یہ خیال پیدا ہوگیا کہ جب قرآن پاک میں نماز کی ممانعت ہے تو پھر نماز سے فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ میں نے اتنے دنوں سے نمازیں پڑھیں یہ تو بڑی غلطی ہوگئی۔

تو دیکھئے! ترجمہ دیکھتے ہی نماز سے توبہ کرلی۔ ایسی غلط فہمی ہوگئی۔ اللہ کے بندے آگے نہ دیکھا ربط کو نہ سمجھا کہ أَنْتُمْ سُكٰرٰى اپنے ماقبل سے تعلق رکھتا ہے اس پر کچھ غور ہی نہ کرسکے۔ ظہر کا وقت آیا۔ آپ مسجد سے غائب ہیں۔ عصر میں بھی مغرب میں بھی عشاء میں بھی۔ غرض آپ نے مسجد کی آمد و رفت ہی بند کردی۔ جب فجر میں بھی نہ آئے تو نمازیوں کو خیال پیدا ہوا کہ اِتنے پابند جماعت کے ہیں پھر مسجد آتے کیوں ہیں۔ بات کیا ہے۔ ذرا تحقیق تو کیا جائے بیمار تو نہیں ہوگئے۔ آخر ہوا کیا جو مسجد نہیں آرہے ہیں۔ غرض ان کے گھر آئے دریافت کیا بات کیا اور آپ مسجد تشریف نہیں لاتے؟ بولے۔ بات یہ ہے کہ جب خدا نے نماز سے روکا ہے تو پھر نماز پڑھوں کیوں خدا کی نافرمانی کروں۔ قرآن پاک کا ترجمہ کھول کر دکھلا دیا۔

ان لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب تو تھا نہیں۔ قریب ہی کوئی عالم تھے۔ ان کی خدمت میں سب لوگ حاضر ہوئے۔ اِن سے عرض کیا کہ ان صاحب کو یہ شکوک پیدا ہوگئے ہیں۔ ہم بے چاروں سے تو ان کی باتوں کا جواب نہیں دیا جاتا۔ اب آپ اِن کو سمجھا دیں۔ مولوی صاحب نے ترجمہ نکال کر اِن سے کہا کہ وانتم سکٰریٰ کے ترجمہ کو پہلے پڑھو۔ اس کے بعد **ولا تقربوا الصّلٰوۃ** کا ترجمہ کرو۔ تو اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے مسلمانوں جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو اس حالت میں نماز کے قریب بھی مت جایا کرو۔ یہ وہ وقت تھا کہ شراب کی حرمت نہیں نازل ہوئی تھی۔ بہر حال اس عالم کے سمجھانے سے ان صاحب کی گتھی سلجھ گئی۔

ورنہ اپنے طور پر مطالعہ سے تو ایسی غلط فہمی پیدا ہو چکی تھی کہ ایمان کے لالے ہی پڑ رہے تھے۔ محض اردو داں کو مطالعۂ ترجمہ سے یہ غلط فہمیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اب آپ اپنے ہی کو دیکھئے کیسی غلط فہمی ہوئی ہے۔

غلط فہمی کا ایک اور واقعہ: ایک صاحب الہ آباد میں تھے۔ امیر آدمی تھے۔ اردو ترجمہ دیکھنے کا انہیں شوق تھا۔ ایک مقام پر سمجھنے میں غلطی ہوگئی۔ انہوں نے بالواسطہ میرے پاس اپنے شکوک کہلا بھیجے۔ اور جواب مانگ بھیجا۔ میں نے ان صاحب سے کہا کہ ان سے کہیے کہ خود سے درخواست کریں اور بالمشافہ جو شکوک پیدا ہوئے ہیں انہیں اپنی زبان سے بیان کریں، اور جواب خود سن کر سمجھ لیں، ورنہ یہ ممکن ہے کہ آپ کے واسطہ سے ان کے شکوک دور نہ ہوسکیں۔ یا میں جو کچھ جواب دوں تو جواب کی تقریر میں کسی اور طرح سے کروں اور آپ ان تک کسی اور طرح سے قدرے تبدیلی سے پہنچائیں تو انہیں تشفی نہیں ہوگی۔ اور ان کا ذہن ان شکوک سے صاف نہیں ہوسکے گا۔

مگر امراء کو عموماً علماء سے عار و استنکاف ہوتا ہے، خصوصاً ایسے علماء سے جو صاحب ثروت اور ذی وجاہت نہ ہوں اسلئے انہیں اس کی توفیق نہ ہوئی اور نہ آئے۔ اردو ترجمے محض اردو یا انگریزی جاننے والوں کو قرآن پاک کی اصطلاح کے مطابق بغیر کسی جاننے بوجھے آدمی کے سمجھائے ہوئے صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آتے، کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ترجمہ سے غلط سمجھ لیا۔ اور یہ اعتقاد کئے بیٹھے رہے کہ میں نے بالکل صحیح سمجھ لیا ہے، بھلا ایسی صورت میں اصلاح کیوں کر ممکن ہے، کیوں کہ اصلاح تو اپنی غلطی کے احساس پر موقوف ہے۔ اس لئے انگریزی جاننے والوں یا محض اردو خواں حضرات کو اگر ترجمہ کلام اللہ شریف کا شوق ہو تو وقت نکالیں اور عربی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کریں۔

محض عربی لغت کے علم سے بھی ترجمہ نہیں ہوسکتا:

محض عربی لغات سیکھ کر قرآن پاک کا ترجمہ کرنا قرآن پاک کے اصطلاحی مفہوم تک ہرگز نہیں پہنچا سکتا ہے۔ بہت سے انگریزی دانوں کو اس میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ انہوں نے عربی لغات کی مدد سے ترجمہ کیا، جو محاورۂ عرب کے بالکل خلاف ہے، پھر کیوں کر وہ قرآن پاک کے اصطلاحی مفہوم کے مطابق ہو سکتا ہے، جس کی زبان ہے اس کے محاورہ کا اعتبار تو کرنا ہوگا۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ علی گڈھ کالج کے طلبہ سے فرمایا تھا کہ مذہب اسلام یا قرآن پاک کی آیتوں میں آپ حضرات کو جو شکوک پیدا ہوں میرے پاس لکھ دیا کریں۔ میں اِن شکوک کے جوابات آپ کو لکھا کروں گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں سے اتنی بھی تکلیف گوارا نہ ہو سکی۔ اگر وہ لوگ ایسا کرتے تو جدید علم کلام کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ تیار ہو جاتا۔

اصل اعتبار خاتمہ کا ہے: کسی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یقینی طور پر کسی کافر کو بھی دوزخی کہنا جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو یقینی طور پر جنتی کہنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر کافر کی موت کفر پر ہو اور مسلمان کی موت ایمان پر ہو تو یقینی دوزخی اور جنتی کہنا جائز ہے۔ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے، کیا معلوم کہ کس کی موت کس حالت میں آئی ہے۔ ایک شخص کی اچھی حالت ہوتی ہے۔ عمر بھر دیندار رہتا ہے مگر بعد میں کوئی ایسی بدعملی کر بیٹھتا ہے کہ ایمان کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اور خاتمہ خراب ہو جاتا ہے، دوزخ کا مستحق بنتا ہے۔ ٹھیک اسی کے برعکس ایک شخص زندگی بھر کفر و شرک اور بداعمالیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ مگر آخری عمر میں ایمان کی توفیق مل جاتی ہے۔ بخشش ہو جاتی ہے تو اصل اعتبار خاتمہ کا ہے۔ ذاکرین کو بھی اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ خود اگر ذکر و فکر نصیب ہو تو اس معاملہ میں دوسرے کو ہرگز ہرگز حقیر نہ سمجھے۔ نہ کسی کا مذاق اڑائے۔ کیا معلوم کہ تمہیں جو توفیق ملی ہے وہ سلب کر لی جائے اور جس پر تم ہنس رہے ہو اس کو یہ توفیق عطا

ہو جائے اور تم تکتے ہی رہ جائے۔

اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ

توفیقِ الٰہی کا ایک عجیب واقعہ: ڈاکوؤں کا ایک گروہ تھا جو ایک بڑے ڈاکو کے ماتحت برابر ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔ یہ گروہ چالیس افراد پر مشتمل تھا۔ یہ سب کے سب کسی شہر میں گئے اور صوفیوں کا لباس پہن لیا۔ ڈاکوؤں کا سردار صوفیوں کا پیر بنا اور وہ سب کے سب اس کے بناوٹی چیلے کی طرح رہنے لگے۔ شہر میں بڑی شہرت ہوئی کہ بزرگوں کا ایک قافلہ آیا ہے یہ شہر اپنے ملک کا دارالسلطنت بھی تھا اور بادشاہ وہیں رہتا تھا۔ اتفاق سے شاہزادہ بیمار پڑ گیا۔ ہر چند علاج معالجہ کیا گیا مگر صحت نہ ہوئی۔ وزیر نے بادشاہ سے اس قافلہ اور درویش کا ذکر کیا کہ ان میں ایک بڑا کامل فقیر ہے جو کسی سے کچھ نہیں چاہتا ہے۔ اسی سے رجوع کیا جائے۔ بادشاہ سے سواری بھیج کر طلب کیا۔ ڈاکوؤں کا یہ سردار فقیرانہ لباس میں شاہی دربار میں پہنچا۔ بادشاہ نے اس کا استقبال کیا۔ شاہزادے کا حال کہا اور اسے دکھلایا کہ کوئی تدبیر اس کی صحت کی فرما دیجئے۔ فقیر نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ جا نماز بچھائی۔ دو رکعت نفل پڑھی اور حق تعالیٰ سے عرض کیا۔ الٰہی! میں جیسا ہوں اس کی انھیں خبر تو نہیں ہے مگر آپ کو تو سب خبر ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ میں نے آپ کے مقبول بندوں کی وضع قطع اور لباس اختیار کر لیا ہے جو آپ کو بھی پسند ہے۔ بس انھیں مقبول بندوں کے طفیل میں میری یہ دعا قبول فرما لیجئے۔ اور شاہزادہ کو صحت عطا فرما کر میری لاج رکھ لیجئے۔ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اسکا ظہور بھی فوراً ہو گیا۔ اسی وقت شاہزادہ اٹھ بیٹھا۔ اسے ہوش آ گیا اور رفتہ رفتہ بالکل تندرست ہو گیا۔ یہ فقیر وہاں سے واپس آیا۔ راستہ میں اپنے اور حق تعالیٰ کے معاملہ کو سوچ کر دل میں ایک چوٹ لگی۔ حق تعالیٰ کے فضل واحسان کا تصور اور اپنی نالائقی کا خیال غالب آ گیا۔ یہ خیال پیدا ہوا کہ میری حالت ایسی ناگفتہ بہ اور پھر اسکے باوجود حق تعالیٰ کا یہ فضل کہ میری درخواست

فوراً ہی قبول فرما کر مجھ کو عزت عطا فرمائی۔ اور یہ فضل محض میری ظاہری صورت پر ہے کہ میں نے ان کے مقبول بندوں سے تشبہ پیدا کر لیا ہے۔ بڑی احسان فراموشی ہوگی اگر اب بھی اپنے ظاہر و باطن میں فرق باقی رہنے دوں فوراً دل سے توبہ کر لی اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا۔ میں اب تمہارے کام کا نہیں رہا! پورا واقعہ بتلایا۔ اور کہا کہ میں نے تو اب سچے دل سے تمام برائیوں خصوصاً اپنی ڈکیتی کے عمل سے توبہ کر لی ہے۔ اور عزم کر چکا ہوں کہ بقیہ زندگی اپنے محبوب پروردگار کی اطاعت و بندگی میں گذاردوں میں تم لوگوں پر زور بھی نہیں ڈالتا۔ تمہارا جو دل چاہے سو کرو مگر میں تو اب تمہارے کام کا نہیں رہا۔

ساتھیوں نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ ہم لوگوں نے ہمیشہ آپ کی اطاعت کی ہے آپ کے ہر حکم کو مانا ہے۔ جب ایک بری بات ظلم و تعدی اور ڈاکہ زنی میں بھی ہم لوگ آپکے فرمانبردار رہے تو اب جبکہ آپ نے حق تعالیٰ کی پسندیدہ راہ اختیار کر لی ہے۔ ایسی حالت میں ہم کیوں کر آپ کو چھوڑ سکتے ہیں اور سب نے توبہ خالص کر کے اطاعت و بندگی اور ذکر الٰہی کو اپنا شعار بنا لیا۔ اور سب کے سب کامل اولیاء اللہ میں سے ہو گئے۔ تو کسی کے حال پر مذاق اڑانا یا اسے اپنے سے کمتر سمجھنا بہت نازیبا بات ہے۔ کیا خبر ہے۔

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ دارد

☆

نویں مجلس

۱۲؍محرم الحرام ۸۶ھ ۴؍مئی ۶۶ء بروز بدھ
موضع دھمسائن، ضلع دربھنگہ بہار۔ صبح آٹھ بجے سے ۱۰ بجے تک

دھمسائن پہونچ کر حضرت والا نے دریافت فرمایا۔ اب یہاں سے روانگی کا کونسا وقت آپ کے پروگرام میں ہے۔ کیا کل صبح کو روانگی ہوگی۔ عرض کیا گیا آج ہی شام کو پوہدی کیلئے روانگی ہے دریافت فرمایا کتنی دور ہے عرض کیا گیا۔ ایک کوس ہے۔ فرمایا۔ یہاں کا کوس یا ہمارے یوپی کا کوس؟ مزید فرمایا۔ یہاں کا کوس بھی بڑا ہے اور زمین کا بیگھہ بھی یوپی کے بیگھ سے رقبہ میں بڑا ہے۔ احقر نے عرض کیا۔ حضرت یوپی والوں کا علم بھی بڑا، ان کا دین بھی بڑا تو کم سے کم بہار کا کوس بھی بڑا نہ ہو۔ فرمایا

بہار کے اکابر: ایسی بات نہیں ہے۔ بہار میں بھی بڑے بڑے اہلِ علم گزرے ہیں۔ سلم العلوم جو منطق کا مشہور متن ہے مقبول بھی ہے مستند بھی ہے اور جس کی بڑی بڑی شرحیں بڑے بڑے علماء نے لکھی ہیں۔ حمد اللہ، ملا حسن وغیرہ اس کی مشہور شرحیں ہیں۔ اس کا متن بہار ہی کے ایک زبردست علامہ مولانا محب اللہ بہاری نے لکھی ہے۔ اسی طرح مسلم الثبوت۔ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب بھی بہار ہی کے عالم مذکور کی لکھی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ بھائی بڑائی ایک اضافی چیز ہے۔ دراصل بڑائی تو حق تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ خود فرماتے ہیں۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بڑائی اسی ذات باری کا حق ہے آسمانوں اور

زمینوں میں ۔

احقر نے عرض کیا۔ بہار کے ایک عالم مولانا شوق نیموی نے جن کا اصل نام ظہیر احسن ہے۔ حنفیہ کے مسلک کے مطابق حدیثوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ صرف دو جلدیں مرتب فرمائی تھیں۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ اور اس طریقہ پر ترتیب مکمل نہ ہو سکی۔ اگر مکمل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا۔ احقر نے کتاب کا نام آثار السنن بتلایا تھا۔ مگر حضرت والا کے سننے میں احیاء السنن آیا۔ فوراً ارشاد فرمایا۔

اعلاء السنن کا ذکر: تھانہ بھون میں اس کی تکمیل کرائی گئی جس کا نام اعلاء السنن ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے یہ کام پہلے مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی کے حوالہ فرمایا تھا۔ ان کے مزاج میں آزادی تھی۔ آزادانہ روش کو اس ترتیب میں بھی اختیار کر لیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا کام اس طرز پر پسند نہ آیا تو ان سے اس کام کو لے کر مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے حوالہ کیا تھا۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے بڑی جاں فشانی سے مسلکِ حنفیہ کے مطابق حدیثوں کو جمع کیا اور مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی کے آزادانہ رویہ کا بھی جواب دیا۔

احقر نے دریافت کیا کہ یہ کتاب ملتی بھی ہے یا نہیں۔ سنا تھا مصر میں چھپی ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا۔ مولوی شبیر علی صاحب تھانویؒ نے اسے خود چھپوایا تھا۔ دوبارہ نہیں طبع ہوئی۔ اب پاکستان میں طبع ہو چکی ہے۔

مسالکِ اربعہ کی بنیاد: امام ابوحنیفہؒ نے اس کی کوشش کی۔ اور انتہائی محنت اٹھا کے لوگوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور حدیثوں کے مطابق زندگی اختیار کی۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انتہائی محنت اٹھائی کہ طریق سنت جاری ہے۔ دوسرے ائمہ کرام نے بھی اپنی انتہائی کوشش اور تحقیق سے جن باتوں کو اور طریقوں کو حدیثِ پاک کے مطابق سمجھا اپنا اپنا مسلک بنا دیا۔

بات یہ ہے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات پاک میں کوئی حکم فرمایا اس کا رواج ہوگیا وہی حکم جاری وساری ہوگیا۔ بعد کو خود ہی آقائے نامدار ﷺ نے اس حکم کو منسوخ فرمایا اور دوسرا حکم ارشاد فرمایا تو اب جن لوگوں تک یہ حکم نہیں پہنچا تو ان کے علم و تحقیق میں تو وہی پہلا حکم جو اَب منسوخ ہو چکا تھا۔ اصل حکم رہا اور جن لوگوں کو یہ دوسرا حکم معلوم ہوا انھوں نے قبل والے حکم کو منسوخ سمجھا اور دوسرے حکم کو اصل سمجھ کر اسے ہی جاری کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رائے اور اجتہاد کی بنیاد پڑی۔ صحابہ کرام کی رائے کے یہی اختلافات آگے کو بڑھتے رہے۔ اسی اصول پر ائمہ کرام میں جن کو جو تحقیق ہوئی اسی پر عمل فرماتے رہے۔ اور اس طرح پر مسالکِ اربعہ، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ رائج ہوگئے۔

جنت کی سڑک کا لقب ہدایت ہے: مسالکِ اربعہ میں سے ہر مسلک، مذہب حق ہے سب کی راہ جنت تک جاتی ہے۔ میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی مقام کو ایک سڑک جاتی ہے جو فرلانگ دو فرلانگ چوڑی ہے۔ بہت سارے لوگ اس مقام کا قصد کئے اس سڑک پر چل رہے ہیں۔ کچھ لوگ دائیں سے جا رہے ہیں کچھ بائیں کنارے سے، کچھ وسط سے، کچھ وسط کے دائیں بائیں سے، تو ظاہر ہے کہ جتنے لوگ بھی اس پر چل رہے ہیں اس مقام تک ضرور پہونچ جائیں گے۔ اسی طرح جنت کی بھی ایک سڑک ہے جس کا لقب ہدایت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے جناب رسول ﷺ سے اس کا علم وعرفان حاصل فرمایا۔ اپنی اپنی تحقیق اپنے اپنے فہم اور اپنی اپنی رائے کے مطابق جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے مطابق چلتے رہے ہیں۔ اور اسی اعتبار سے ائمہ اربعہ بھی اپنی تحقیق حدیث کے اعتبار سے اور اپنے اجتہاد سے چل رہے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی چلا رہے ہیں۔ تو یقیناً سب کے سب اس راہ پر چلنے والے ہیں۔ ہدایت کی سڑک پر چل کر جنت تک پہنچیں گے۔ اور جو شخص بھی کسی امام کی اتباع

کرے گا وہ ہدایت کی اسی سڑک پر چلے گا جو جنت تک پہنچتی ہے۔

مسالک اربعہ نہروں کی شکل میں: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک بہت بڑے عالم درویش صاحبِ کشف بزرگ گذرے ہیں انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

مجھ کو مسالکِ اربعہ نہروں کی شکل میں مکشوف ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نہر نہایت وسیع اور چوڑی چکلی ہے اور بہت سے لوگ اس سے پانی پی رہے ہیں اور پاکی حاصل کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اتنی وسیع نہر کسی امام کی بھی نہیں ہے۔ باقی ائمہ یعنی حضرت امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی چھوٹی چھوٹی نہریں ہیں اور کم لوگ ان سے پانی پیتے اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔
باوجود اس کشف کے پھر بھی امام شعرانی شافعی المسلک ہی رہے۔ حنفی مسلک قبول نہیں فرمایا۔ اس کیوجہ یہی ہے کہ مقصود تو حاصل ہے۔ مقصود تو ہدایت پانا اور حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنا ہے جو اس مسلک پر بھی چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت والا نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں۔ کوئی بڑا تالاب ہے اور کوئی چھوٹا حوض۔ ایک شخص نے اس چھوٹے سے حوض سے طہارت حاصل کرلی ہے اور اب اس کا گذر اس بڑے تالاب پر ہوا تو اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ اس تالاب میں پھر غسل کرے۔ پاکی تو اسے چھوٹے ہی سے حاصل ہو چکی ہے جو مقصود ہے۔

اختلاف اور خلاف کا فرق: مذاہبِ اربعہ کا اختلاف احادیث کی بنیاد پر ہے۔ یہ اختلاف اجتہادی ہی ہے ہر امام کا اپنی تحقیق پر عمل ہے۔ ایسا اختلاف جائز ہے بلکہ رحمت ہے خود جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ میری امت میں رائے کا اختلاف خدا کی رحمت ہے۔ ایک ہوتا ہے اختلاف اور ایک ہوتا ہے خلاف اور

مخالفت ۔ مخالفت کی بنیاد ضد، عناد اور بغض و دشمنی پر ہوا کرتی ہے ۔ اور اختلاف کی بنیاد محض رائے کا درجہ رکھتی ہے ۔ اس کی حقیقت ہے اپنی تحقیق پر کسی رائے کی بنیاد رکھنا ۔ اختلاف رائے کے باوجود آپس میں سب کا رشتہ قائم ہے ۔ اخلاص ہوتا ہے ۔ تعلق ہوتا ہے ۔ ایک دوسرے کا احترام ہوتا ہے ۔ ایکدوسرے کی عظمت پیشِ نظر ہوتی ہے اور خلاف و مخالفت میں اس کے برعکس ۔ ان ائمہ اربعہ میں بھی اور دوسرے ائمہ میں بھی باوجود اختلافِ رائے کے ایک دوسرے کا پورا پورا احترام پایا جاتا ہے ۔ پوری پوری محبت پائی جاتی ہے ۔

ائمہ ثلاثہ اصطلاحِ فقہ میں : امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے استاذ ہیں ۔ اصطلاحِ فقہ میں جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں تو شیخین کے لفظ سے اور امام صاحب اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو طرفین کے لفظ سے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمدؒ رحمۃ اللہ علیہ کو صاحبین کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔

دیکھئے حضرتِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان اماموں کے استاذ ہیں ۔ پھر بھی یہ حضرات اپنی اپنی تحقیق سے بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف کرتے ہیں ۔ بہت سی مثالیں اس کی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں ۔ مگر کبھی بھی امام اعظم رحمۃ اللہ نے اس اختلاف پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم شاگرد ہو کر اختلاف کیوں کرتے ہو ۔ باوجود اختلاف کے احترام و عظمت میں، نسبت و خلوص میں ذرہ برابر فرق موجود نہیں ہے ۔ گو رائے اور اجتہاد میں اختلاف ہے ۔

حکیم الامّت کا طریق: حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں میں نے دیکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے خدام کو اختلاف رائے میں بڑی وسعت عطا فرماتے تھے ۔ رائے کے اختلاف کے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے خدام کے تعلق میں فرق نہیں آنے دیتے تھے ۔

تھانہ بھون میں عید کی نماز عیدگاہ میں ہوتی تھی ۔ اس وقت خانقاہ کی مسجد میں

عیدین نہیں ہوتی تھیں اور حضرت عیدگاہ میں ہی عیدین کے لئے تشریف لیجاتے تھے عیدین کے امام ایسے آزاد تھے کہ ظاہراً بھی فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہ نیتِ تحصیل فضیلت عیدگاہ میں ہی عیدین ادا فرماتے۔ حضرت والا کے خدام میں کچھ حضرات ایسے تھے جن کی نظر میں ان کی امامت مناسب نہیں تھی۔ وہ لوگ تھانہ بھون سے تین میل قصبہ جلال آباد جا کر عیدین پڑھتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خیال پیدا ہوا کہ خوشی کے دن میں بھی یہ لوگ باہر جا کر عیدین کی نماز پڑھتے ہیں۔ اگر خانقاہ میں عیدین کی نمازیں پڑھی جائیں تو سہولت ہوگی اور مجھ کو فضیلتِ امامت کا بھی ثواب ملے گا۔ اس خیال کے اظہار و اعلان کے لئے حسب ذیل مضمون تیار فرما کر جامع مسجد میں لگوا دیا۔ مضمون تقریباً یہ تھا۔

ایک فضیلت ہے عیدگاہ کی اور دوسری فضیلت ہے امامت کی۔ میں اب تک بہ نیتِ ثواب عیدگاہ عیدین کی نمازیں عیدگاہ میں پڑھتا رہا ہوں۔ میری تحقیق میں فضیلتِ امامت فضیلتِ عیدگاہ سے افضل ہے۔ اس لئے اس عید سے عیدین کی نمازیں خانقاہ میں ہی ادا کیا کروں گا جن صاحبوں کو میری اس تحقیق سے اتفاق ہو تو فبہا۔ ورنہ اپنی تحقیق پر عمل کریں۔

جمعہ کا دِن تھا۔ بعد نماز جمعہ خانقاہ میں مجلس ہوا کرتی تھی۔ اس میں ارشاد فرمایا کہ سب لوگ اپنی اپنی تحقیق کے مطابق اس پر عمل کریں۔ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ کسی کی اپنی تحقیق تو فضیلتِ عیدگاہ کے متعلق تھی اور اس نے محض مجھ کو خوش کرنے کے لئے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو مجھکو اس سے خوشی نہ ہوگی۔ رنج ہوگا۔

حضرت والا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جذبۂ احترام: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں حدیث شریف کا درس دیتے تھے۔ اسوقت نابینا نہیں ہوئے تھے۔ سلسلۂ درس حدیث میں ایک تقریر کے دوران کچھ ارشاد فرما رہے تھے۔ اتفاق سے ایک حدیث

امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق بھی سامنے آئی۔ حضرت نے اس پر ایسی تقریر فرمادی کہ وہی حدیث عین حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہوگئی۔ طلباء کو اس تقریر سے بڑی مسرت ہوئی۔ ایک طالبِ علم غایتِ جوش میں بول اٹھا۔ واہ حضرت واہ۔ آپ نے تو اس حدیث شریف کی ایسی تقریر فرمادی ہے کہ اگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ بھی اس کو سنتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ سنتے ہی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ فرمایا کہ او بے ادب وگستاخ! خبردار! آج اگر امام شافعی رحمۃ اللہ باحیات ہوتے تو میں ہر گز ہر گز حنفی نہیں ہوتا۔ ان ہی کی تقلید کرتا۔ تو نے امام شافعی رحمۃ اللہ کا مقام کیا سمجھ رکھا ہے؟ میں جو حنفی ہوں اپنی رائے اور اپنی تحقیق سے ہوں اور امام شافعیؒ کا مسلک ان کی اپنی رائے اور اپنی تحقیق سے ہے۔ میں اپنی رائے کے مقابلہ میں ان کی رائے کو ہی ترجیح دیتا۔ یہ ہیں ہمارے اکابرین جن کی نگاہیں بہت وسیع ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا تھانویؒ کے استاذ ہیں۔ دونوں حضرات کی رائیں سیاسیات میں مختلف ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کو علٰحدہ منظم کرنے کے حامی تھی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مشترک تنظیم کے قائل تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مشترک تنظیم سے یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اپنی کوئی قوت تو حاصل نہ ہوگی اس لئے کہ جب ملک آزاد ہوگا اس وقت برادرانِ وطن اپنی اکثریت کے بل پر آزادی کے بعد کچل ڈالیں گے۔ مسلمانوں کو مغلوب کردیں گے۔ وہ اپنی اکثریت کی منظم قوت سے انھیں طرح طرح سے ستائیں گے۔ اس لئے مشترک تنظیم مناسب نہیں ہے۔

اس کے برعکس حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا۔ مشترک تنظیم کے بغیر آزادی

ملنی دشوار ہے اور انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانا بے حد ضروری ہے۔ اس لئے ہندؤں اور مسلمانوں کی مشترک تنظیم کر کے انگریزوں کے مقابلہ میں اپنی جدو جہد کو خرچ کرنا چاہئے۔ دونوں بزرگوں کی نیتیں نیک تھیں۔ محض رائے اور اجتہاد میں اختلاف تھا۔ آپس میں کوئی ضد، عناد اور مخالفت نہیں تھی۔ جس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی قید سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ آپ کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا کہ امورِ حاضرہ میں کچھ فرما دیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جواب دیا کہ چونکہ وہ میرا بہت لحاظ کرتے ہیں۔ اس لئے اپنی طرف سے میں کچھ نہ کہوں گا۔ اور اس موضوع پر گفتگو نہیں کروں گا۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اگر حضرت شیخ الہندؒ کچھ فرماتے تو میں سن کر صرف اتنا عرض کر دیتا کہ حضرت میں ان امور میں غور کروں گا۔ یہ تھے حالات ان اکابر کے کہ باوجود اختلاف رائے کے ایک دوسرے کے دل میں کیسی محبت و عظمت موجود تھے۔

☆

دسویں مجلس

...... ۱۲ر محرم ۴ر مئی بروز بدھ بعد نماز ظہر ......

ظہر کی نماز پونے دو بجے ختم ہوئی۔ حضرت والا اپنے کمرے میں تشریف لائے اور اپنے مرض کے متعلق ایک معالج سے مشورہ فرمانے لگے۔ مشورہ سے فارغ ہو کر مجلس میں رونق افروز ہوئے مکتب کے بچوں نے قرآن پاک کا ایک ایک سبق حضرت والا سے تبرکاً

پڑھا۔ اس کے بعد ایک بچہ دم کرانے کے لئے لایا گیا۔ حضرت والا نے اس کو دم کر دیا۔ پھر فرمایا۔

اللہ پاک کے نام میں اثر: الفاظ میں جب اثر ہے تو اللہ پاک کے نام میں کیوں اثر نہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی نعمت ہے۔ فرماتے ہیں وَلَذِكرُ اللّٰهِ اكبَر اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ دیکھئے ایک ذاکر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ یہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھ لیا اور کیا سے کیا ہو گئے۔ اللہ پاک کے نام میں بڑی برکت ہے۔ بہت اثر ہے۔ ذاکر ذکر کرتا ہے اس کے دل میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا کا قُرب نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کی معیّت نصیب ہو جاتی ہے۔ اسکا دل بھی اس پاک نام کے ذکر سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بار جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ یکا یک درمیان خطبہ میں ہی فرمانے لگے۔ يَاسَارِيَةُ الجَبَلُ۔ يَاسَارِيَةُ الجَبَل اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھ! سامعین حیران و ششدر رہ گئے کہ معاملہ کیا ہے آج خلافِ معمول خطبہ میں دو بے ربط کلمے استعمال فرما رہے ہیں۔ جن کا ربط نہ آگے سے ہے نہ پیچھے سے۔ ادھر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں مجاہدین کی سپہ سالاری فرما رہے تھے۔ خود بھی جہاد میں مشغول تھے کہ یکا یک ٹھیک اسی لمحہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ آواز کانوں میں پڑتی ہے يَاسَارِيَةُ الجَبَل۔ يَاسَارِيَةُ الجَبَل آواز کو اچھی طرح پہچان لیا۔ فوراً پشت پر جو پہاڑ تھا اس کی طرف دیکھا تو دیکھتے ہیں کہ اس کے ایک کنارے سے دشمن کی فوج کا ایک دستہ بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ مسلمانوں کا اک دستہ جو مقابلہ میں ہے پسپا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دشمنوں نے اس گھات کو آخری گھات سمجھ کر اختیار کرنا چاہا تھا۔

دیکھتے ہی حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے ایک دستہ کو پہاڑی پر چڑھ کر دشمن پر حملہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

اب دونوں طرف سے مجاہدین اسلام نے دشمنوں پر جو حملے شروع کئے تو وہ اسکی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر اپنا سارا مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بہت سارا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

میدانِ جنگ سے جب حضرت ساریہؓ مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہیں تو لوگوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے اس لفظ یَاسَارِیَۃُ الْجَبَل۔ یَاسَارِیَۃُ الجبل کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ٹھیک اسی وقت یہ آواز کانوں میں پڑی اور حضرت امیر المومنین کے اس ارشاد پر عمل کرنے کی برکت سے ہی فتح نصیب ہوئی۔

رحمتِ الٰہی ذکرِ الٰہی پر موقوف: سوچئے ذرا! آخر یہ عنایت و رحمت صحابہ کرامؓ کو کس چیز کی بدولت عطا فرمائی گئی تھی۔ حق تعالیٰ نے انھیں اپنے نام پاک کے ذکر کی دولت نصیب فرمائی تھی۔ اور یہ فضل و احسان اسی ذکرِ الٰہی کا ثمرہ نہیں تھا تو اور کیا تھا۔

اللہ پاک کی یاد میں ایسا ہی اثر ہے کہ اگر دل سے کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں دل پر نازل ہوں گی اور اگر زبان سے کی جائے تو وہ بھی ثمرات سے خالی نہیں ہے۔ باقی زبان سے تو اللہ کا ذکر کیا جائے اور دل میں مخالفت اور عناد کی آگ سُلگ رہی ہو تو اس کا اثر بھی کیا ہوگا۔ منافقین زبان سے کلمہ پڑھتے تھے۔ ظاہر میں نمازیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے مگر جو کچھ کرتے تھے ان میں چونکہ خلوص نہ تھا۔ صدق سے خالی تھا۔ سب کچھ محض لوگوں کو دکھانے کو کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان میں تو کچھ بھی فائدہ نہ ہو سکا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جو کچھ کیا دل سے کیا۔ صدق و خلوص کے ساتھ کیا تو انھوں نے اپنے آقا و مولیٰ کو راضی ہی کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خوش کر لیا۔ اپنی آخرت

درس کر لی۔

ذکر اللہ کی جدید ترتیب میں اثرِ جدید: حق تعالیٰ کا ذکر ترتیب سے بھی کیا جاتا ہے ترتیب میں بھی حق تعالیٰ نے ایک خاص اثر رکھا ہے۔ اس کی مثال بدیہیات میں یوں سمجھئے جیسے دوائیں ہیں کہ مفرد ادویہ کے مخصوص اثرات ہوتے ہیں جو مقرر ہوتے ہیں اور تحقیق سے ثابت ہو چکے ہوتے ہیں۔ مگر کوئی طبیب اپنے تجربے سے چند مفرد ادویہ کو جب کسی نئی ترکیب سے ترتیب دے کر تیار کرتا ہے تو اب اس مرکب کے اندر ایک جدید اثر حق تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں۔

دراصل اطباء کی سوچی ہوئی جدید ترکیبوں میں جو جدید اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی حق تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہی ہے کہ بندوں کی سوچی ہوئی ترتیب میں ایک جدید اثر پیدا فرما دیتے ہیں۔ دیکھئے یہ ہوائی جہاز کس قدر تیز اڑتے ہیں۔ ان سے بھی تیز اڑنے والے راکٹوں کا آپ دن رات مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک مشین امریکہ یا لندن میں فٹ کر دی گئی ہے۔ مقرر وہاں جو کچھ بولتا ہے آپ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ایک مشین کا بٹن دباتے ہی سننے لگتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے لوہا، تانبا، پٹرول، بجلی کے تار اور مختلف قسم کے مفرد سامان پیدا فرمائے۔ پھر اپنے بندوں کو اتنی عقل عطا فرمائی کہ وہ انھیں خاص ترتیب سے فٹ کر کے نئی نئی ایجادات کرتا ہے۔ اللہ کے بندے ان کی ان جدید ترتیبوں سے نئے نئے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔

انسان چند چیزوں میں ایک خاص ترتیب دیتا ہے تو بجلی پیدا ہوتی ہے۔ پھر چند چیزوں کو دوسری ترتیب سے رکھتا ہے تو آواز پیدا ہوتی ہے۔ کبھی کسی اور ترتیب سے ہوائی جہاز فضا میں سیکڑوں مَن کا بوجھ لے کر اڑتا ہے۔ یہ سب عطیاتِ الٰہی ہیں۔ بس اسی طرح بعض اذکار کو بھی اللہ کے نیک بندے کسی خاص ترتیب سے کرتے ہیں تو اس سے خاص طرح کے

فائدے حق تعالیٰ اس پر مرتب فرماتے ہیں۔

ملکِ شام کے ایک عامل کی حکایت: ملکِ شام کے ایک عامل بغرضِ سیاحت ہندوستان آئے۔ سیر کرتے کرتے ان کا سب روپیہ ختم ہوگیا۔ جب قصبہ چرتھاول پہنچے تو اب بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی دولت مند مسلمان ہیں تو ان کا پتہ بتلائیے۔ لوگوں نے پتہ بتلا دیا۔ ان سے ملاقات کی۔ کہا کہ میں یہاں ملکِ شام سے بغرضِ سیر و تفریح آیا ہوا ہوں میں جو کچھ اپنے وطن سے ساتھ لایا تھا سب خرچ ہوگیا۔ اب میرا ہاتھ بالکل خالی ہے۔ میرے پاس واپسی کا خرچ نہیں ہے۔ میں سائل نہیں ہوں۔ آپ مجھ کو دو سو روپئے بطور قرض کے دیں۔ مَیں اپنے وطن پہونچ کر آپ کے یہ روپئے بھیج دوں گا۔ وہ مالدار شخص بھی اتفاق سے نہایت صاف گو شخص تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ روپئے تو میرے پاس موجود ہیں مگر آپ کو دینے کی ہمیت نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ملک شام کے رہنے والے ہیں۔ مجھ کو یہ اطمینان کسی طرح نہیں ہے کہ آپ سے یہ روپئے وصول کرلوں گا۔ ہاں اگر آپ عامل ہوں اور اپنے عمل سے کچھ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تو میں آپ کو پانچ سو روپئے سہارنپور کے کلکٹر سے دلوا سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ میں عامل ہوں اور کر سکتا ہوں۔ میرے ساتھ چلئے۔ دونوں سہارنپور کے کلکٹر کے پاس گئے۔ کلکٹر صاحب نے کہا کہ میرا ایک دشمن انگلینڈ کے ایک شہر میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہلاک ہوجائے۔ اگر آپ کوئی ایسا عمل جانتے ہوں تو کر دیجئے۔ میں آپ کو پانچ سو روپئے دوں گا۔ عامل شام نے کہا۔ آپ کے پاس ایک بڑا سا آئینہ ہو تو منگوا لیجئے۔ سامنے ہی بڑے بڑے آئینے دیوار میں فٹ تھے۔ کلکٹر نے فوراً ہی ایک آئینہ منگوا کر عامل کے سامنے رکھ دیا۔ انھوں نے اس آئینہ پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ فوراً ہی اس آئینی میں انگلینڈ کا وہ شہر سامنے موجود تھا۔ جس میں کلکٹر کا دشمن رہتا تھا۔ عامل نے پوچھا۔

کہیے! یہ سامنے آئینے میں انگلینڈ کا وہ شہر ہے یا نہیں؟ کلکٹر نے کہا ہاں! اس نے کہا۔ دیکھئے سے یں پردہ اپ کا دشمن بھی ہے جسے آپ ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ کلکٹر نے جواب دیا کہ ہاں وہ فلاں بازار میں اس وقت فلاں دکان پر کچھ خرید رہا ہے۔ عامل نے کہا کہ فوراً آپ اپنی رائفل منگوائیے۔ اس میں گولی بھر کر اپنے دشمن کے سینے میں گولی مار دیجئے۔ کلکٹر نے ایسا ہی کیا۔ اس عمل سے آئینہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور اس نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ گولی اس کے دشمن کے سینے میں پر جالگی۔ وہ گر چکا ہے۔ اس کے سینے سے خون جاری ہے۔ اسکی روح پرواز کر چکی ہے۔

وہاں کی متعینہ پولیس نے فوراً سیٹی بجائی۔ سیٹی بجتے ہی آس پاس کی پولس بھی جمع ہوگئی۔ قاتل کی کھوج میں سب لوگ دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ پورے محلہ کا۔ دکان کا محاصرہ ہو رہا ہے مگر قاتل کا پتہ نہیں چلتا۔ آئینے کے اندر سارے حالات کو کلکٹر اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اسے یقین آگیا کہ میرا دشمن ضرور ہلاک ہو چکا ہے۔ اس نے کہا کہ اب آپ اپنا روپیہ لے لیجئے مجھ کو یقین ہو چکا کہ آپ کا عمل کامیاب رہا۔

اس نے جواب دیا کہ نہیں ابھی نہیں مَیں یہیں بیٹھتا ہوں۔ انگلینڈ میں اگر آپ کا کوئی دوست ہو تو اسے ٹیلیگرام دیجئے اور پوچھئے کہ آپ کے دشمن کا کیا حال ہے جب آجائے اور وہ آپ کے دیکھے ہوئے حالات کی تصدیق کر دے تب آپ یقین کیجئے۔ کلکٹر نے فوراً تار دیا وہاں سے اس کے دوست نے جواب دیا کہ آپ کے اس دشمن کو فلاں وقت میں جب کہ وہ فلاں بازار میں فلاں دکاندار سے کچھ خرید رہا تھا کسی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وہ مارا گیا۔ گولی سینہ پر لگی ہے پولس ہر چند قاتل کا پتہ چلا رہی ہے مگر ابتک کوئی پتہ نہیں لگ سکا ہے۔

کلکٹر نے خوش ہو کر پانچ سو روپئے ٹیبل پر لا کر رکھ دیئے۔ مگر اس عامل نے صرف دو سو روپئے اٹھالئے اور باقی واپس کر دیئے اور کہا کہ یہ میرا پیشہ نہیں ہے۔ میں

مسافرت میں ضرورت مند ہوگیا تھا۔ اس لئے ایسا کیا ہے۔ بس یہی دوسو روپے میری ضرورت کو اس وقت کافی ہیں۔

ذکر کی بدولت دائمی رحمت: حاصل یہ ہے کہ ترتیب سے یا بلا ترتیب کے اللہ کا ذکر کرنے میں اثر ہے۔ سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی یاد کرنیوالوں کا تذکرہ فرشتوں کی جماعت میں فرماتے ہیں۔ ذکر ہی کی بدولت حق تعالیٰ کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ اسکی رضامندی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کا قُرب خاص اور اس کی معیت حاصل ہوتی ہے اور ذاکر مرنے کے بعد ایسے مقام سے مشرف ہوتا ہے جہاں پہونچ کر اسے دائمی راحت مل جاتی ہے۔

☆

گیارہویں مجلس

(مجلسِ اتفاقیہ)

۱۲رمحرم ۲۴رمئی بعد نماز عشاء مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ)

نمازِ عصر پڑھ کر حضرت اقدس اور آپ کے رفقاء مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی تشریف لائے (یہ مدرسہ عرصہ دس سال سے قائم ہے اور حضرت والا کی ہی سرپرستی میں اس وقت کام ہو رہا ہے۔ اس مدرسہ کا قیام مجمع الفیوض والبرکات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کے حکم واجازت سے عمل میں آیا تھا۔ عرصہ دس سال سے تعلیم وتبلیغِ دین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ محض حق تعالیٰ کے اعتماد وتوکل پر مدرسہ کا کام موقوف ہے اور اسی سے کام بھی چل رہا ہے۔ حکومت سے کسی قسم کی اعانت حاصل نہیں کی جاتی۔ اور نہ کوئی مقررہ آمدنی اور متعینہ جائداد ہے۔ محض اہلِ خیر حضرات اس کے تمام اخراجات کی

کفالت فرماتے ہیں۔ فجزاھم اللہ)

احقر نے عرض کیا کہ جوارش جالینوس استعمال فرمائی جائے۔ وہ اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ اور اپنے ہاتھ کی تیار کردہ ہے۔ فرمایا۔ بہت بہتر! مگر تھوڑی دیر بعد سوتے وقت کھلا دیجئے گا۔ آدھ گھنٹہ بعد احقر نے جوارش جالینوس پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ مفرد دوائیں دہلی سے منگوا کر عمدہ اور صاف شہد میں تیار کی ہے۔ کھانے کے بعد فرمایا۔ واقعی نہایت عمدہ اور بے حد لذیذ بھی ہے۔ دواخانوں میں جو دوائیں تیار ہوتی ہیں عموماً پورے اجزاء نہیں ڈالے جاتے ہیں۔ شکر میں تیار کر لیتے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت نے ڈاکٹر محمد زاہد خانصاحب امروہی کا ذکر فرمایا۔ انکے علاج ومعالجہ میں دیانتداری۔ دواؤں کی عمدگی قیمتوں کی کمی اور ان کے حسن اخلاق ومعاملات کا ذکر فرماتے رہے پھر فرمایا ان کے ساتھ حق تعالیٰ کا عجیب وغریب معاملہ ہے۔ خواب میں حق تعالیٰ کی زیارت کر چکے ہیں۔ ابھی حال میں ہی مجھ سے کہہ رہے تھے۔

خواب میں حق تعالیٰ کی رویت: خواب میں پھر حق تعالیٰ کی زیارت ہوئی ہے۔ احقر نے عرض کیا وہ صاحب تربیت واصلاح کا تعلق کن سے رکھتے ہیں؟ کیا حضرت والا سے ہی تعلق ہے۔ حضرت والا نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

خادمائیں بھی ذاکر وشامل: ان کی اہلیہ بہت بیمار ہیں۔ جن کی خدمت کے لئے وہ آٹھ عورتوں کو مقرر کئے ہوئے ہیں۔ یہ عورتیں سب کی سب ذاکر وشاغل ہیں۔ دو دو عورتیں باری باری سے ان کی اہلیہ کی خدمت میں لگی رہتی ہیں۔ ان خادماؤں کا حال یہ ہے کہ ایک ہاتھ سے پنکھا چلا رہی ہیں تو دوسرے ہاتھ میں تسبیح ہے۔ ہاتھ پنکھا چلانے میں اور زبان ذکر وتسبیح میں اِس طرح کی عورتیں ان کی اہلیہ کی خدمت کرتی ہیں۔ پورے گھر کی فضا ہی

بدل گئی ہے۔

ایک اللہ والی بی بی کا ذکر: حضرت والا نے پھر ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ ایک مرتبہ میں اندر گیا دیکھا کہ اہلیہ چند عورتوں سے دنیا کی باتوں میں مشغول ہیں۔ میں نے زبان سے انھیں کچھ نہیں کہا۔ اندر جاتے ہوئے اپنے معمول کے خلاف میں نے انھیں مخاطب نہیں کیا۔ ان سے کچھ بات چیت نہیں کی اور چپ چاپ بیٹھا رہا۔ معمول کے خلاف سے اہلیہ پر اثر اہوا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگی۔ کیا آپ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں؟ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ تو معاف کر دیجئے۔ میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

کچھ نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ آپ مجھ سے ضرور خفا ہو گئے ہیں۔ اسلئے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ اندر آتے ہی مجھ سے مخاطب نہ ہوں۔ اندر آتے ہی آپ سب سے پہلے مجھ سے بات کرتے تھے۔ پھر کچھ اور مگر آج اس معمول کے خلاف ہوا۔

میں نے کہا ہاں! بات یہ ہے کہ ذکر اللہ میں تم کو میں نے مشغول نہ پا کر چند عورتوں کے ساتھ دنیا کی باتوں میں مشغول پایا۔ مجھ کو اس کا بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کہ تم ایسی بیمار ہو کہ گویا قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔ دل نیچے لٹک آیا ہے جس کا علاج مشکل ہے۔ تمہاری خدمت و راحت کا سب سامان موجود ہے۔ تمہارے ذمہ گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تمہیں تو اپنی آخرت ہی کی فکر میں اپنا سارا وقت خرچ کرنا چاہئے تھا ایسے اچھے موقع کی قدر نہ کرنا اور ذکر اللہ کو چھوڑ کر عورتوں کے ساتھ دنیا کی باتوں میں اپنا وقت خرچ کرتے رہنا کون سی خوبی کی بات ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ میری ان باتوں کو سنتے ہی انھوں نے فوراً ہی توبہ کر لی اور کہا کہ اب ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ معاف کر دیجئے۔ اب یہ حال ہے کہ برابر ذکر اللہ میں مشغول رہتی ہیں۔

احقر نے بے ساختہ عرض کیا۔ مَاشَاءَ اللہ، سُبْحَانَ اللہ پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔ مریضہ بھی ذکر اللہ میں مشغول اور خادمائیں بھی اللہ کی یاد میں لگی ہوئی۔ کچھ عجیب کیفیت رہتی ہے۔

حضرت والا نے پھر ارشاد فرمایا۔ میں نے انھیں کسی بات پر کبھی نہیں ٹوکا۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ آپ مجھ کو تو کسی بات پر ٹوکتے نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ کچھ دیکھوں تو ٹوکوں! جب دیکھونگا تو ضرور ٹوک دونگا۔ انھیں اپنی اہلیہ سے بیحد محبت ہے۔ سات آٹھ سو روپئے ماہانہ اسکے علاج پر اسوقت خرچ کر رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ کو بھی ان سے بے حد محبت ہے۔ عشق کے درجے میں ہے۔

دو دو گھنٹے تک آہ زاری میں: یہ صاحب داڑھی نہیں رکھتے تھے۔ اب رکھ لی ہے۔ ابھی چھوٹی سی ہی داڑھی ہے۔ قصہ یوں ہوا کہ ابتداء میں ان کی اہلیہ نے داڑھی منڈا کر رکھنے کا وعدہ لے لیا تھا کہ مجھ کو داڑھی اچھی نہیں لگتی ہے۔ بیوی کی محبت تو ایسی کہ اس کے وعدہ کے لحاظ سے اپنی داڑھی منڈاتے تھے اور حق تعالیٰ سے ایسا تعلق کہ اپنی اس حرکت سے دل سے نالاں رہتے۔ اور پچھلے پہر رات کو اٹھ کر دو دو گھنٹے تک روتے رہتے۔ آہ وزاری میں لگے رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ الٰہ العٰلمین مجھ سے بڑی بھاری نافرمانی ہو رہی ہے۔ میری اس معصیت کو معاف فرما دیجئے۔ بہت روتے اور توبہ کیا کرتے۔

اب جب کہ اہلیہ کی حالت ایسی نازک ہوگئی کہ صحت سے مایوسی ہو چکی ہے تو ایک ان سے کہا کہ اب تمہاری تو یہ حالت ہے کہ سارے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ اور میں تمہاری محبت میں تمہارے وعدے کے لحاظ سے داڑھی منڈا منڈا کر حق تعالیٰ کی معصیت کر رہا ہوں اب جب کہ تمہیں خود ہی آخرت ہی کی تیاری میں لگ پڑنا چاہئے۔ پھر مجھ کو حق تعالیٰ کی معصیت پر کیوں مجبور کرتی ہو۔ ان کی اہلیہ نے جواب دیا کہ ہاں آپ ٹھیک ہی کہتے

ہیں۔ داڑھی ضرور رکھ لیں۔ ڈاکٹر صاحب اب بھی بہت رویا کرتے ہیں۔

حضرت والا نے پھر ارشاد فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب بیعت تو ہیں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ مگر ان کے وصال کے بعد ادھر آ کر مجھ سے تربیت کا تعلق پیدا کر لیا ہے۔ بہت ہی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ عجیب ہے۔

محترمہ پیرانی صاحبہ کا مفید مشورہ: ماسٹر صاحب وغیرہ نے جو امروہہ آنے کے متعلق خط لکھا تو ڈاکٹر صاحب بے حد خوش تھے کہ اب ملاقات ہو جائے گی۔ ان حضرات میں سے بعض کو عذر پیش آ گیا۔ اور سفر نہ ہو سکا۔ پھر فرمایا کہ گھر میں پڑھی لکھی ہیں۔ آپ لوگوں کے جو خطوط جاتے ہیں کبھی کبھی وہ بھی پڑھ لیا کرتی ہیں۔ انہوں نے اس موقع پر یہ مشورہ دیا کہ ان حضرات کو عذر پیش آتا رہتا ہے اس لئے آتے نہیں ہیں۔ اور اگر آئیں بھی تو دو ایک صاحب کو نفع ہوگا۔ باقی وہ شائقین و محبین جو مجبوریوں کی وجہ سے سفر ہی نہیں کر سکتے۔ استفاضہ سے محروم ہی رہ جائیں گے۔ اس لئے آپ پروگرام مرتب کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

پھر احقر کو خطاب فرمایا۔ آپ نے ماسٹر صاحب کے خط میں میرا جواب تو پڑھا ہوگا؟ احقر نے عرض کیا جی حضرت! فرمایا۔ یہ پروگرام انھیں کے اس مشورہ کے مطابق ہے۔

میں ہی ساتھ چلتا: جب پروگرام بن گیا اور طے ہو گیا کہ اب سفر کرنے کو تیار ہوں۔ تو ڈاکٹر صاحب جن کا ذکر ہو رہا ہے میرے پاس آئے اور کہا کہ اس سفر میں مجھ کو ہی ساتھ لے چلیں۔ کون ساتھ جائے گا؟ میں نے امتزاج سلمہ کا نام لیا۔ کہنے لگے کہ اگر وہ نہ جاتے تو میں ہی ساتھ چلتا اور خدمت کرتا۔ فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب بے حد مشغول ہیں۔ فن ڈاکٹری میں اچھی شہرت رکھتے ہیں امروہہ کے کسی ڈاکٹر کی اتنی نہیں چلتی جتنی انکی چلتی ہے۔ حق تعالیٰ نے دستِ شفا عطا فرمایا ہے۔ بڑی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ انھیں فرصت ہی نہیں رہتی۔

ان ہی باتوں میں رات کے گیارہ بج گئے تھے۔ ارشاد ہوا کہ گیارہ بج چکے ہیں۔ آپ بھی آرام کیجئے۔ میں نے مجلس سے اُٹھتے ہوئے عرض کی کہ حضرت یہاں تو ہر رات گیارہ بجے سے ہی آرام کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے اپنے معمول کے خلاف بھی نہیں ہے۔ پھر حضرت والا آرام فرما ہوئے اور ہم لوگ بھی سو گئے۔

☆

بارہویں مجلس

۱۳؍محرم الحرام ۸۶ھ ۵؍مئی ۶۶ء بروز جمعرات صبح آٹھ بجے سے ۱۰ بجے تک

مدرسہ اشرفیہ پوہدی بیلا

جمع کردہ جناب ماسٹر محمد قاسم صاحب سلمہ

صبح کے کھانے سے حضرت فارغ ہو کر چائے نوش فرما رہے تھے کہ گاؤں کے ایک مولوی صاحب اپنی اہلیہ اور صاحبزادی کو بیعت کرانے کی غرض سے تشریف لائے اور حضرت والا سے ان دونوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کی درخواست کی۔ مجھ سے فرمایا۔ مولوی صاحب کا مکان مدرسہ سے کتنے فاصلہ پر ہے۔ عرض کیا گیا۔ بہت ہی قریب ہے۔ فرمایا بہت اچھا۔

حضرت والا مولوی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اور دونوں کو داخل سلسلہ فرما کر واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں ایک حافظ صاحب سے جن کا مکان مدرسہ کے پڑوس میں ہے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے میری وساطت سے حضرت والا کی خدمت میں اپنی پریشانیوں کا اظہار کیا اور کہا۔ احقر کے مکان میں حال ہی میں چوری ہوگئی۔ چور کافی

سامان اٹھالے گئے۔ چوروں کا حملہ اکثر رہتا ہے۔ مکان بستی سے علاحدہ ہے۔ اس لئے ہمیشہ پریشانی رہتی ہے۔ دعا فرمادی جائے کہ حق تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔ فرمایا۔ تنہائی تو واقعی پریشانی کی چیز ہے۔ کیا آبادی میں کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکتی جہاں حافظ صاحب مکان بنا کر رہیں۔ عرض کیا گیا۔ تنگی ہی کی وجہ سے آبادی سے باہر مکان بنانا پڑا ہے۔ فرمایا۔ دعا سے کیا انکار ہے۔ حق تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔

مدرسہ پہونچ کر ارشاد فرمایا۔

چوری سے حفاظت کی ایک ظاہری تدبیر: حافظ صاحب کو اس سلسلہ میں ظاہری تدبیر کرنی چاہئے۔ موٹا موٹا سامان اور ضرورت کے لائق غلہ اپنے گھر میں رکھیں۔ باقی قیمتی سامان مثل زیورات وغیرہ کے بستی پر ہی اپنے کسی قرابتدار کے گھر میں رکھدیں۔ ضرورت کے وقت وہاں سے منگوالیا کریں۔ نیز یہ بھی کریں کہ اپنا سامان اپنے گھر سے علی الاعلان منتقل کریں۔ تاکہ عام لوگوں کو اس کی خبر بھی ہو جائے کہ حافظ صاحب کے گھر میں اب کوئی چیز رکھی نہیں جاتی۔ اس تدبیر سے انشاء اللہ چوروں کی ہمت پست ہو جائیگی اور ہمیشہ کے لئے خطرات دور ہو جائیں گے۔

چور اپنی قسمت کا لے جاتا ہے: چور اپنی قسمت کی چیز لے جاتے ہیں۔ بہ ظاہر تو صاحب مکان کا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت کچھ نقصان نہیں۔ جتنا چور کی قسمت کا رہتا ہے لے جاتا ہے۔ نیز چیزوں کے ضائع ہونے پر جو صبر کیا جاتا ہے اس پر ثواب ملتا ہے۔

حدیثوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ کاشتکاروں کا غلہ کھیتوں سے چوری ہو جاتا ہے۔ مویشی کھا جاتے ہیں۔ راستے پر دانے گرتے ہیں چڑیاں انھیں چگتی ہیں۔ یہ سب صدقہ ہے۔ اِس پر بے انتہا ثواب ملتا ہے۔ مومن کی کوئی چیز ضائع نہیں جاتی۔ نیتوں کی درستگی سے

معمولی معمولی باتوں پر حق تعالیٰ اپنے فضل سے انسان کے وہم وگمان سے کہیں زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔

مولانا شاہ اسحق رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا ایک واقعہ: اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ دہلوی کا ایک واقعہ نقل فرمایا۔ مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے۔ دہلی کا کام دار جوتا پہنا کرتے تھے۔ جوتا بہت قیمتی ہوتا تھا۔ شاہ صاحب ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حرم شریف نماز پڑھنے جاتے اور جوتوں کو مسجد کے دروازوں پر ہی چھوڑ جاتے۔ دوسرے لوگ اپنے جوتوں کو بحفاظت رکھتے تھے ورنہ جوتے چوری ہو جاتے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوتے جیوں کے تیوں ہی پڑے رہے۔

ایک دن حیرت سے کسی نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ میں اپنے جوتوں کو چوروں کیلئے مباح کر کے چھوڑتا ہوں اور تب مسجد میں داخل ہوتا ہوں یعنی میں چوروں کے لئے انھیں جائز کر دیا کرتا ہوں۔ جائز کر دینے سے ان کے لئے حلال ہو جاتا ہے۔ اور چوروں کی قسمت میں حرام چیزیں ہوتی ہیں لہٰذا وہ حلال چیز نہیں لے سکتے لیکن ہے یہ ہمت کی بات!

ناچیز نے اس واقعہ کو سن کر عرض کیا کہ حضرت میں نے بھی ایک صاحب سے شاہ صاحب کی مذکورہ تدبیر کے مطابق عمل کرنے کو کہا۔ ان کے باغ سے اکثر کیلے چوری ہو جایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس تدبیر پر عمل کیا۔ اس کے بعد کیلوں کی چوری بند ہو گئی۔

حضرت والا نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ دیکھئے ماسٹر صاحب بھی اس سلسلے میں اپنا تجربہ بتلا رہے ہیں۔ بس ہمت کی ضرورت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہو گا۔

دنیا کے لئے دین اختیار کرنا: کچھ خاموش رہ کر ذکر میں حضرت والا مشغول رہے۔ پھر فرمایا کہ لوگ دین کو دنیا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے کسی

ملازمت کے واسطے انٹرویو دیا تھا۔ اس ملازمت کے سلسلے میں کیریکٹر کی تصدیق کی ضرورت تھی۔ بس انٹرویو کے فوراً ہی بعد آپ نے جماعت کی پابندی، تسبیح وتہلیل شروع کر دی تھی۔ محلہ میں ان کی دینداری کی شہرت ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد محکمۂ پولیس کی جانب سے کریکٹر کی تحقیقات شروع ہوئی۔ محلہ والوں نے ان کی ظاہری حالت کے اعتماد پر تصدیق کر دی۔ بس اس دن سے نماز وتسبیحات سب کو یکم قلم خیرباد کہدیا۔

غور کیجئے کہ تحصیل دنیا کے لئے اس نے کیا طریقہ اختیار کیا جو اپنا مقصود تھا یعنی دنیا کا جاہ ومال جب وہ حاصل ہوگیا تو دین کو چھوڑ دیا۔ انسان کو دین محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہی حاصل کرنا چاہیئے۔

☆

تیرہویں مجلس

۱۳؍محرم الحرام ۸۶ھ ۵؍مئی ۶۶ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر
مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہد بیلا، ضلع دربھنگہ

نماز ظہر کے بعد حضرت والا مجلس میں رونق افروز ہوئے۔ فرمایا شربت منگوائیے۔ عرض کیا گیا کہ دوا بھی جاری ہی۔ خیال ہے کہ شربت اس کے ساتھ پلایا جائے۔ فرمایا۔ بہت اچھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوا تیار ہو کر آئی اور شربت کے ساتھ حضرت والا نے نوش فرمالیا۔ ماسٹر غلام مصطفیٰ صاحب ذرا دیر میں آئے حضرت والا نے انھیں یاد فرمایا تھا احقر نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کہاں دیر کر دی۔ انھوں نے کہا کہ میں دوا پی رہا تھا۔ حضرت والا نے

مسکرا کر فرمایا کہ کوئی اپنے لئے دوا بناتا ہے اور کوئی دوسرے کے لئے۔

اسی سلسلہ میں ارشاد ہوا

تخلیقِ انسانی کا مقصد: انسان محتاج ہے۔ اسے اپنی احتیاج کیوجہ سے اپنی فکر ہوتی ہے۔ اپنی ذات کے لئے کرتا ہے۔ مگر حق تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے وہ کوئی کام اپنے لئے نہیں کرتا۔ اس کا سب کام بندوں کے نفع کے لئے ہوتا ہے۔

من نکردم خلق تا سُودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

میں نے مخلوق کو اپنے نفع کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ بندوں پر احسان فرماؤں۔

دنیا کی جتنی مخلوقات ہیں وہ سب انسان کے فائدے کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ انسانوں کو ان سب چیزوں کی احتیاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے بہت ہی پہلے دنیا کی ساری چیزیں جو انسانی ضروریات کی ہیں پیدا فرمادیں۔ زمین آسمان، چاند تارے، درخت، پتھر اور قسم قسم کے دھات اور دوسری اَن گنت چیزیں جو انسان کی ضرورت کی تھیں سب کو حق تعالیٰ نے تخلیق انسانی سے بہت پہلے دنیا میں پیدا فرمادیا تھا۔

سوچئے تو سہی! اگر زمین نہ ہوتی، آسمان نہ ہوتا، سورج چاند تارے نہ ہوتا، ہوا نہ ہوتی، پانی نہ ہوتا تو یہ انسان آدم علیہ السلام کی اولاد کہاں بستی، کیا کھاتی، ان کے کھیتوں کی بالیوں اور باغوں کے پھلوں کو گرمی، شبنم، ہوا، رطوبت کہاں سے ملتی۔ کیسے ان میں غذائیت پیدا ہوتی۔ مٹھاس کہاں سے آتی۔

ان کے بدن کو چھپانے اور گرمیوں اور سردیوں کے لئے مناسب کپڑے کیوں کر تیار ہو سکتے۔ اور یہ حضرتِ انسان اپنی زندگوں کو کس طرح قائم رکھ سکتے۔ اس لئے انسان جن

چیزوں کا محتاج تھا حق تعالیٰ نے اپنے جود و کرم سے سب کو پہلے ہی سے پیدا فرما دیا تھا۔ ان انسانوں کی تخلیق صرف ایک مقصد کے لئے فرمائی اور وہ یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی بندگی و اطاعت میں اپنی زندگی گذاریں۔ اور اس کی لَا تَعُدّ وَلَا تُحصی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں۔ وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونْ میں نے انسان اور جنّ کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اس کے اندر تخلیق انسانی کی منشاء کو صراحتہً فرما دیا گیا ہے۔ مگر انسان اپنی اس منشاءِ تخلیق سے بالکل غافل ہے۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہو چکے ہیں۔ کفر کی منزل میں اُتر کر سرگرداں ہیں۔ وہ تو اسی دنیا کی زندگی کو اصل زندگی سمجھ بیٹھے ہیں۔ آخرت کی زندگی کے منکر ہو گئے ہیں۔

کفّار کی غلط بینی: ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مشرِک آیا۔ اس کی چٹکی میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی۔ وہ اسے اپنی چٹکی سے مسلتا تھا اور کہتا تھا مَن یّحیِ العِظَامَ وَھِیَ رَمِیم کون زندہ کر سکتا ہے ہڈی کو جب وہ ایسی بوسیدہ ہو جائے۔ ایسی بوسیدہ ہڈی میں کون جان ڈال سکتا ہے۔ جسے چٹکی سے مسلا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک نے جواب دیا قُل یُحیِیھَا الَّذِی اَنشَأھَا اَوَّلَ مَرَّۃٍ آپ جواب دیجئے کہ اسے وہ ذات دوبارہ زندہ کریگی جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔ سنو! انسان ناپاک چیز سے پیدا ہوا ہے پانی کے چند قطروں سے۔ یہ جو عورت اور مرد کی منی ہے پانی ہی تو ہے۔ بالکل بیجان جس میں زندگی کا کوئی اثر تک موجود نہیں ہے۔ جب ایسی بے جان چیز سے جیتے جاگتے باشعور انسان کو پہلی بار پیدا فرمایا تو کیا ایسی قادر علیم و خبیر ذات سے احیاءِ عظام (ہڈیوں کا زندہ کرنا) مستبعد ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیسی بے عقلی ہے۔ شرک اور کفر کا سبب دراصل بے عقلی ہی تو ہے۔ اسی بے عقلی کے سبب ہی تو کفار کہا کرتے تھے اِن ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنیَا ہماری اصل زندگی یہی دنیاوی زندگی ہے۔ کہ یہی ہماری موجودہ دنیاوی زندگی اصل زندگی ہے۔

راحت کی طلب : حق تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں راحت کی طلب رکھ دی ہے۔ ہر انسان راحت کا طالب ہے۔ خواہ بچہ ہو بوڑھا ہو جوان ہو عورت ہو مرد ہو۔

دیکھئے! تکلیف کے وقت بچہ روتا ہے۔ کیوں روتا ہے محض اسلئے کہ وہ زبان سے اظہارِ تکلیف نہیں کر سکتا۔ نہ راحت کی طلب کر سکتا ہے۔ اس لئے فطرتاً رو رو کر ازالۂ تکلیف اور طلب راحت کی درخواست کرتا ہے۔ جب معالجہ و تدابیر سے تکلیف دور کر دی جاتی ہے فوراً ہی کھیلنے مسکرانے لگتا ہے۔ ہر انسان اپنی راحتوں کی طلب میں مشغول ہے۔ یہ جو جلتے ہوئے بھنتے ہوئے کسان دھوپ کی تیزی میں ہل چلاتے ہیں۔ کھیتی میں سخت سے سخت محنت برداشت کرتے ہیں کس واسطے! یہ جو دکاندار اپنے نفس کو مار کر اپنے خویش و اقارب کی شادی و غمی کی شرکت کو بھی تَرک کر کے اپنی اپنی دُکان پر بیٹھے رہتے ہیں کس لئے!

یہ سب راحتوں کی طلب ہی میں تو مشغول ہیں اور اسی کی طلب میں ان کی ساری محنتیں سہل ہو جاتی ہیں۔ شوق میں ساری تکالیف مسرتوں سے بدل جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں راحت کی طلب رکھ دی ہے لیکن حقیقی اور دائمی راحت کا مقام دنیا کو نہیں بتلایا ہے۔

ہر انسان حضرت آدم علیہ کی صُلب میں اسوقت موجود تھا جب کہ وہ جنت میں آرام کی زندگی گذار رہے تھے۔ ہر انسان نے اس عالم میں جنت کا مزہ چکھا ہے۔ اس کی راحتوں کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ بس اسی کی طلب اسے کشاں کشاں حقیقتاً لئے پھرتی ہے مگر شعور نہیں ہوتا۔ احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ راحت دنیا میں نہیں کسی دوسرے مقام میں ہو گی جسکی خبر تمام انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں نے بالاتفاق دی ہے کہ وہ مقام عالم آخرت ہے کہ انسان دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اپنے اعمال کی جزا سزا پائے گا۔

دنیا مجمع الاضداد ھے : دنیا میں راحت بھی ہے مصیبت بھی ہے آرام بھی

ہے تکلیف بھی کوئی انسان ہمیشہ راحت ہی میں رہتا ہے نہ کوئی ہمیشہ مصیبت میں ہی۔ دنیا مجمع الاضداد ہے۔ راحت وتکلیف بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ بھی حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے اِضداد کو جمع کر دینا کمال ہے۔ بڑے سے بڑا دولتمند اپنی خواہش کی تکمیل نہیں کرسکتا۔ اس کی ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ یہ ممکن نہیں کہ اسے تکالیف سے دو چار نہ ہونا پڑے۔

ہمارے امروہہ میں ایک صاحب بڑے دولتمند ہیں۔ بڑی جائداد کے مالک ہیں۔ عالیشان لمبی چوڑی عمارت، باغات، کوٹھیاں غرض ظاہر میں راحتوں کا ہر سامان انھیں حاصل ہے مگر خود مونگ اور موٹھ کے پانی پر ہی گزارہ کرتے ہیں۔ انھیں ایسی بیماری ہے کہ اطباء نے غذائیں روک دی ہیں۔ پانی بھی ممنوع ہے۔ سوڈا وغیرہ کی اجازت ہے۔ نوکر چاکر، بیوی، بچے خوب مزے سے کھاتے ہیں۔ ان کے گھر میں اچھے اچھے کھانے پکتے ہیں مگر وہ کھا نہیں سکتے بس ترستے ہی رہتے ہیں معلوم ہوا کہ دولت بھی راحت کا حقیقی سبب نہیں ہے۔

حقیقی راحت اللہ یاد میں: ہیچ کنجے بے دو بے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مصیبت سے خالی نہیں، سوائے تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے راحت رساں کوئی چیز دوسری نہیں ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ: خبردار! اللہ کی یاد سے ہی چین پاتے ہیں دِل۔ دلوں کا چین اللہ کی یاد سے ہی ممکن ہے۔ دنیا کا حال تو یہ ہے کہ اسکا کوئی بسنے والا غم سے خالی نہیں ہے۔

دریں دنیا کسے بے غم نباشد　　اگر باشد بنی آدم نباشد

راحت کی جگہ جنت میں ہے: میں نے جو کچھ ابھی تک کہا ہے اس کا

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں راحت کی طلب رکھ دی ہے۔ اور راحت حاصل کرنے کے لئے ایک خاص جگہ پہلے سے بنا رکھی ہے جہاں پہنچ کر حقیقی اور دائمی راحت نصیب ہوگی اس کا نام ہے جنت۔

یہ جو ہمارے اندر راحت کی طلب ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے خواہش اپنی مرضی کے مطابق پوری ہوں۔ اور اپنی مرضی اور پسند کے مطابق خواہشوں کے پورا کرنے کی جگہ حق تعالیٰ نے صرف جنت ہی کو مقرر کر دیا ہے۔ جنت کے علاوہ کہیں بھی انسان اپنی خواہش اپنی مرضی کے مطابق پوری نہیں کر سکتا۔ فرماتے ہیں وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۔ تمہاری خواہشات اور مانگ وہیں پوری ہو سکے گی۔ دنیا میں ایسی امید لگانا خام خیالی اور بے عقلی کی بات ہے۔

اب کوئی حسرت بھی باقی نہیں رہی : ایک حدیث پاک کا مضمون یاد آیا۔ جنتی کو جب حق تعالیٰ ہر طرح کی بے انتہا نعمتیں عطا فرما چکے ہوں گے اور وہ ان نعمتوں میں خوش خوش ہوگا۔ اُسے ہر طرح کی راحت حاصل ہو رہی ہوگی۔ ایسے وقت میں حق تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائیں گے۔ بتلاؤ یہاں آ کر تمہاری خواہشیں اور آرزوئیں پوری ہو چکیں یا نہیں؟ جنتی عرض کرے گا۔ الٰہ العٰلمین۔ ہماری سب خواہشیں یہاں آ کر پوری ہو چکی ہیں اب مجھ کو کوئی خواہش کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔ آپ نے مجھ کو ساری نعمتیں دے رکھی ہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ اب جو حسرتیں ہوں وہ مانگو! پھر اس کو حسرتوں کا الہام کیا جائے گا اور وہ مانگنا شروع کر دیگا۔ ارشاد ہوگا خوب یاد کر کے مانگو۔ پھر مانگے گا اور کہے گا اب تو کوئی حسرت ہی باقی نہیں رہی۔ ارشاد ہوگا پھر یاد کرو۔ دنیا میں کوئی حسرت رہ گئی ہو تو وہ کہے گا اب تو کوئی حسرت یاد بھی نہیں آتی۔

پھر حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر تجلّی فرمائیں گے۔ وہ اپنی آنکھوں سے حق

تعالیٰ کی زیارت کریگا۔ یہ نعمت ایسی ہوگی کہ جنت کی ساری سار نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ نظر آئیں گی۔

تو حضرت! یہ جو راحت کی طلب ہمارے اندر حق تعالیٰ نے بطور فطرت کے ودیعت کر رکھی ہے۔ اس کی منشاء یہ ہے کہ جنت جہاں حقیقی اور دائمی راحت کی لذت نصیب ہوگی ہم اس کی طلب کریں۔

جنت کی راہ صراطِ مستقیم ہے : جنت کی راہ ہے ایمان و اسلام! اس کا ایک نام ہے صراطِ مستقیم اور اسی کا لقب ہدایت ہے۔ بغیر اس پر چلے ہوئے جنت کی راہ طے نہیں ہو سکتی۔ دائمی رحمت نصیب نہیں ہو سکتی۔

دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے براہِ راست جنت میں فروکش فرمادیا۔ مگر اس نزول فی الجنۃ میں دوام نہ رہ سکا۔ حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے اور صراطِ مستقیم پر خود چلے۔ اور دوسروں کو بھی اس پر چلایا۔ پھر عالم آخرت میں تشریف لے گئے۔ اور جنت میں پہونچے تو اب وہاں دائمی قیام ہے۔ خلود ہے۔ اب وہاں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی راہِ ہدایت کو بتلانے کے لئے اور جنت کی راہ پر چلنے اور چلانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ ان حضرات نے تبلیغ کی تعلیم کی۔ راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم کی وضاحت فرمائی۔ جنت کی راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ اور اپنے اپنے فرائض منصبی کو پورا فرما کر اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف تشریف لے گئے۔ ان کے نائبین علماء صلحاء اور اولیاء اللہ سب کے سب اسی کام کو کر رہے ہیں۔ اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

راہِ دوزخ کا لقب ضلالت ہے : مگر ہر زمانے میں انسانوں میں سے بہت تھوڑے سے لوگ اپنے نفس کی خواہشات کو مار سکے۔ اور صراطِ مستقیم یا جنت کی راہ پر چل سکے۔ بیشتر انسانوں نے اپنے نفس کی خواہشات کو نہ مارا بلکہ اپنی انھیں خواہشات کو اپنا معبود

بنالیا اور اپنے آپ کو تباہ و برباد کرلیا۔ وہ راحت ہی راحت کا مقامِ بلند ہے جس کا نام جنت ہے۔ اس سے محروم ہی رہ گئے۔ اور ضلالت اختیار کر کے ایسے مقام پر پہونچ گئے جہاں دکھ ہی دکھ ہے۔ تکلیف ہی تکلیف ہے۔ دائمی عذاب ہے کتنا ناسمجھ ہے انسان کہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ تھوڑا سا غلہ پیدا کرنے کے لئے سال بھر کیسی کیسی مصیبتیں اٹھاتا ہے۔ اپنے نفس کو مارتا ہے۔ مگر دائمی زندگی کی دائمی راحت کے لئے اپنے نفس کو نہیں مارتا۔ جس طرح جنت کی سڑک کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ اس کا لقب ہدایت ہے اِسی طرح دوزخ کی بھی ایک نہایت چوڑی چکلی سڑک ہے۔ جس کا نام شرک و کفر، فسق و فجور اور بدعت ہے۔ اور اسی کا لقب ضلالت ہے۔ یہ ضلالت والی سڑک اپنے اوپر چلنے والوں کو سیدھے دوزخ میں پہنچا دیتی ہے۔ شرک و کفر کیوجہ سے خلود فی النّار ہوگا۔ یعنی ہمیشہ ہمیش دوزخ میں ہی اوندھے منہ پڑے رہنا ہوگا۔ وَالعیاذ باللہ۔ اَللّٰھُمَّ انا نعوذُبِکَ مِنَ النَّارِ۔

نفسانی لذتیں دوزخ کی راہ پر: دوزخ کی جو راہ ہے اس میں نفس کو لذت ملتی ہے۔ نفس کو خوشی ملتی ہے۔ نفس کی پرستش ہوتی ہے اور دوسرے لفظوں میں اپنے اوھام و خیالات اور اپنی اپنی نفسانی خواہشات کو ہی معبود بنالیا جاتا ہے۔ نفس جو کچھ کہتا ہے اسی پر چلتا رہتا ہے۔ بس اسی نفس کے مارنے پر جنت ملتی ہے۔ انسان دنیا کیلئے اس فانی زندگی کے لئے ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے اس کی راحت کی موہوم امیدوں پر مشقتوں میں لگاتا ہے تو کیسی بے عقلی کی بات ہے کہ آخرت کی دائمی اور لازوال راحتوں کے لئے نفس پر جبر کرنے سے بھاگتا ہے۔

جنت کا ذکر گھروں میں بکثرت کیجئے: اپنے اپنے گھروں میں بکثرت جنت اور دوزخ کا ذکر کیجئے اس سے آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا سے دِل پھرتا ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فنا ہوتے نظر

آنے لگتی ہے۔ آدمی آخرت کی تیاری میں لگ پڑتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بکثرت اپنے گھروں میں جنت دوزخ کا ذکر فرماتے تھے۔ جنت کے ذکر سے انسان آخرت کی دائمی راحتوں کا یقین پیدا کرتا ہے۔ اس سے اپنے نفس کے مارنے میں مدد ملتی ہے۔ سہولت ہوتی ہے۔ چھوتے چھوٹے بچے سادہ لوح ہوتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ بالکل صاف ستھرے اور خالی ہوتے ہیں۔ ابتداء میں اس پر جو کچھ نقش کر دیا جاتا ہے پختہ اور پائدار ہوتا ہے جب آپ جنت کا ذکر اپنے گھروں میں کرتے رہیں گے تو آپ کے بچوں کے کانوں میں یہ پڑتی ہوئی بات ان کے ایمان اور اسلام کی پختگی کا سبب بنے گی۔

☆

چودھویں مجلس

۱۴؍محرم ۸۶ھ ۶؍مئی ۶۶ء قبل نماز جمعہ
مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ

(اطلاع)۔ اس مجلس میں حضرت والا سے اجازت لیکر احقر ایک ضرورت سے باہر چلا گیا تھا۔ اس لئے جناب ماسٹر قاسم صاحب نے اس وقت کے ملفوظات اپنی یاد داشت سے لکھ کر دیئے ہیں۔

اور باقی نصف مولانا محمد عیسیٰ صاحب سلمہ مدرس مدرسہ عارفیہ سنگرام نے جمع کئے ہیں۔ (جامع و مرتب)

رحمتِ الٰہی کی دو قسمیں: اپنے اکابر میں سے بعض کے علوم و معارف پر گفتگو ہو رہی تھی حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔

یہ علومِ خاصہ ہیں حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنے فضل سے عطا فرماتے ہیں۔ یہ علوم کتابوں میں نہیں ملتے ہیں۔ حق تعالیٰ سے صحیح تعلق اور کسی صاحبِ دل کی صحبت کی برکت سے تم اپنے اندر وہ علوم پاؤ گے جو انبیاء علیہم اسلام کو عطا ہوئے ہیں اور ان میں تمہیں مُمد و معاون کتاب اور استاذ کی بھی حاجت نہ ہوگی۔ اسی کے متعلق عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء　　　بے کتاب و بے معید و اوستا

آگے ارشاد فرمایا

حق تعالیٰ کی رحمت کی دو قسمیں ہیں۔ رحمتِ عامہ اور رحمتِ خاصہ۔

رحمتِ عامہ تو حق تعالیٰ اپنے سارے ہی بندوں پر نازل فرماتے ہیں۔ بارش کا ہونا۔ ہوا کا چلنا۔ آفتاب کی روشنی سے پیڑ پودوں کو مستفیض کرنا۔ چاند تارے سے نفع پہونچانا۔ یہ سب رحمتِ عامہ میں داخل ہیں۔ جن سے بلا امتیاز نیک و بد ساری مخلوقاتِ خدا کو فائدہ ہوتا ہے۔ ایک ہوتی ہے رحمتِ خاصہ۔ یہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ہی عطا فرماتے ہیں۔ ریاضت، مجاہدہ نیز اللہ والوں کی نظرِ عنایت سے یہ علوم حاصل ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں ارشاد فرمایا۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے حضرت مرزا صاحبؒ کی صحبت میں نہایت ہی سخت مجاہدے کئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؒ نہایت ہی لطیف المزاج بزرگ تھے۔ بات بات میں حضرت مرزا صاحبؒ حضرت غلام علی صاحبؒ کو ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ مگر شاہ غلام علی صاحبؒ بہت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ اس ڈانٹ کو برداشت کیا کرتے تھے۔ ذرا بھی ناگواری نہ ہوتی تھی۔

ایک موقع پر حضرت مرزا صاحبؒ نے شاہ غلام علی کو مٹھائی عنایت فرمائی۔ انھوں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر مٹھائی لینی چاہی۔ مرزا صاحبؒ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ تم بڑے بدسلیقہ ہو مٹھائی کہیں اس طرح لی جاتی ہے۔ طشتری یا طباق میں سلیقہ سے لینی چاہئے۔ شاہ صاحبؒ نے مٹی کی سینک میں مٹھائی لی۔ اور مرزا صاحبؒ کے سامنے سے ہٹ کر اسے کھالیا۔ بعد میں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ میاں غلام علی! تم نے مٹھائی کھالی؟ کیسی تھی؟ عرض کیا جی ہاں کھالی۔ بہت ہی مزے دار تھی۔ فرمایا کیسے کھائی۔ بولے۔ حضرت ایک ہی بار میں سب کھالی۔ فرمایا کہ تم بڑے ہی بدذوق ہو۔ مٹھائی کہیں اس طرح کھائی جاتی ہے۔ تھوڑی تھوڑی کھانا چاہئے۔ حضرت مرزا صاحبؒ کی اس قسم کی باتوں کا شاہ صاحبؒ پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ان کے لئے گنوار کا لفظ بھی مجاہدہ تھا۔ وہ اس سختی کو بڑی خوش دلی سے برداشت کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس کے عوض میں ان پر اپنا فضل فرمایا۔ اور حضرت مرزا صاحبؒ کی جانب سے خلافت سے فراز ہوئے۔

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لطافتِ مزاجی: ایک سرحدی پٹھان حضرت مرزا صاحبؒ کے مرید تھے۔ وہ کھانا بہت زیادہ کھایا کرتے تھے۔ سال میں دو بار حضرت مرزا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا معمول تھا۔ ایک بار انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے عرض کیا کہ مجھ سے کچھ فرمائش کی جائے تا کہ میں اسے پورا کروں۔ فرمایا تم سے یہی فرمائش ہے کہ سال میں دو بار آنے کے بجائے صرف ایک بار آیا کرو۔ وہ ڈر کر کہنے لگے۔ حضرت مجھ سے کیا تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا اور تو کچھ نہیں لیکن تمہارے زیادہ کھانے کے تصور سے مجھ کو قبض ہو جایا کرتا ہے اور اس وجہ سے دو بار ہر سال میں مسہل کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ تم ایک بار آیا کرو گے تو صرف ایک بار مسہل لینے کی ضرورت ہو گی جسے میں برداشت کر لیا کروں گا۔

فرمایا۔ حضرت مرزا صاحبؒ بہت ہی نازک مزاج تھے۔ ایک دفعہ دہلی کا بادشاہ حضرت مرزا صاحبؒ کی خدمت میں تنہا حاضر ہوا۔ حضرت کے پاس بھی اسوقت کوئی خادم نہ تھا۔ بادشاہ کو پیاس لگی۔ مرزا صاحبؒ نے فرمایا۔ گھڑے میں پانی موجود ہے۔ پی لو۔

بادشاہ نے پانی پی کر پیالہ سیدھا رکھدیا۔ جیسے پہلے اُلٹا رکھا تھا ویسے نہیں۔ مرزا صاحبؒ کو بادشاہ کی اس حرکت سے سخت اذیت پہونچی۔ مگر ضبط وتحمل سے بیٹھے رہے۔ روانگی کے وقت اُس نے درخواست کی۔

”اگر اجازت ہو تو خدمت کے لئے کوئی خادم بھیج دوں۔“

بس اس جملہ پر حضرت مرزا صاحبؒ غصہ سے سُرخ ہو گئے۔ اور فرمایا۔ جب تمہارے اندگھڑے کو پیالے سے ڈھکنے کا بھی سلیقہ نہیں تو تمہارے خادم کا کیا حال ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اتنی بڑی سلطنت کا انتظام کس طرح سے کرتے ہوگے۔ بھلا پیالہ کو سیدھا رکھنے میں کونسی مصلحت ہے۔ کھلے ہوئے سیدھے پیالے میں دھول پڑے گی۔ مکھیاں بیٹھیں گی اور پھر اس میں پانی پیا جائیگا۔ گھڑے پر اُلٹ کر پیالہ رکھنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس پر پیالہ اچھی طرح جمتا ہے۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ خاموش ہو گیا۔

واقعہ حضرت غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ : حضرت نے فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحبؒ جو حضرت مرزا صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ انھیں ابتداء میں بڑی تنگی پیش آئی اکثر فاقے ہوتے رہتے تھے لیکن کبھی کسی سے سوال نہیں فرمایا۔ ایک بار بھوک کی شدت سے پریشان تھے کہ ایک شخص ایک ٹکا (دو پیسے) لیکر حاضر ہوا۔ اور پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس سے سامان خریدنے چلے۔ خانقاہ کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر رہے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی۔ اللہ کے واسطے کچھ دے دو۔ شاہ صاحبؒ نے وہ ٹکا اسے دے دیا۔ اور خانقاہ واپس آ گئے۔ نماز عشاء کے بعد ایک شخص ایک طباق میں کھانا لے کر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ

یہ کھانا خانقاہ والوں کے لئے ہے۔ اس جملہ سے شاہ صاحبؒ یہ سمجھے کہ یہ کھانا میرے لئے نہیں آیا ہے۔ اسلئے باوجود فاقہ کے خود نہیں کھایا۔ تھوری ہی دیر میں چار شخص آپ کی خدمت میں آئے اور کھانے کا سوال کیا۔ شاہ صاحبؒ نے کُل کھانا انھیں کھلا دیا۔ خود صبر کئے بیٹھے رہے۔ تھوری دیر بعد پھر ایک شخص کھانا لے کر حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کیا کہ یہ کھانا خانقاہ والوں کے لئے ہے۔ بعد میں تین آدمیوں نے آکر کھانے کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ نے طباق کا کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔ تینوں نے خوب سیر ہو کر کھالیا اور عرض کیا۔ یہ کھانا آپ کے فلاں صاحب نے پیش کیا ہے۔ شاہ صاحب نے آدھا اس میں سے خود کھالیا اور آدھا صبح کیلئے چھنکے (کہر) پر رکھنا چاہا۔ فوراً دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس اللہ نے ایسی بھوک کی شدت میں اتنا نفیس کھانا بھیجا ہے وہی کل کو بھی عنایت فرمائے گا اس کھانے کو تقسیم کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی پسماندہ کھانا لے کر خانقاہ سے باہر نکلے لیکن کوئی سائل نہ ملا۔ کھانا لے کر آگے بڑے۔ بہت دور جا کر ایک مسجد کے سامنے پہنچے۔ فوراً مسجد کا دروازہ کھلا۔ ایک مجذوب نہایت مہیب شکل میں باہر نکلا۔ اُس نے کرخت آواز میں حضرت شاہ صاحبؒ سے کہا۔ ادھر آؤ۔ کھانا میرے پاس لاؤ۔ یہ کھانا میری قسمت کا ہے۔ اور مجھے خود سے کھلاؤ۔ وہ کھانا کھا رہا تھا اور کہتا تھا کہ غلام علی مارا گیا تھا۔ اگر کھانا چھینکے پر رکھا ہوتا۔ اب کبھی تنگی پیش نہ آئے گی۔ چنانچہ اس کے بعد سے حق تعالیٰ نے شاہ صاحبؒ کو فراخی دی۔ اور خانقاہ میں لنگر خانہ قائم ہو گیا۔

اصل طریق اطلاع واتباع: ایک صاحب نے تعلق اصلاح کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ایک عریضہ پیش خدمت کیا۔ اسے پڑھ کر حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔ بہت سے لوگ تعلق اصلاح کی اجازت تو حاصل کر لیتے ہیں مگر اس تعلق کو جاری نہیں رکھتے ہیں اور کبھی کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ تعلق باقی بھی نہیں رکھتے ہیں۔ سمجھتے یہ ہیں کہ تعلق اصلاح کی اجازت مل جانا ہی کافی

ہے۔ شیخ سے اصلاح کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے ظاہری جسمانی بیماریوں میں شفاء حاصل کرنے کی نیت سے کسی طبیب سے رجوع کرنا۔ کسی طبیب سے رجوع کرنے کے بعد مریض نے نہ تو اپنے اصل حالات اسے بتلائے ہوں۔ نہ اس سے تشخیص کرائی ہو نہ تجویز، یا تشخیص تجویز بھی کرائی ہو۔ مگر دوائیں استعمال ہی نہیں کیں یا دوا بھی استعمال کی مگر طبیب کی ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے غذا پرہیزی میں اس کے خلاف عمل کرتا رہا۔ تو ان تمام صورتوں میں جسمانی بیماریوں سے شفا ہونا کیونکر ممکن ہے۔ اور بدن کی اصلاح و تندرستی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح قلبی روحانی بیماریوں کی اصلاح کے لئے جسکا حاصل ہے حق تعالیٰ کا صحیح تعلق پیدا کرنا۔ اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا اس کے لئے مشائخ سے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اب اگر کوئی شخص شیخ سے تعلق پیدا کرے۔ اور اگر اپنے صحیح حالات اور اندرونی خرابیوں کی اسے اطلاع ہی نہ کرے۔ یا اطلاع کرے مگر شیخ و مصلح جو کچھ تجویز کرے اس پر عمل نہ کرے۔ یا تدابیر تو کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ بد پرہیزی بھی کرتا ہی چلا جائے۔ تو ظاہر ہے کہ ان تمام صورتوں میں روحانی اور قلبی بیماریوں سے شفا کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اور کامیابی کیونکر ممکن ہے۔

تو اس راہ کی اصل دو چیزیں ہیں۔ اطلاع و اتباع۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے شیخ کو تمام حالات سے بلا کم و کاست خواہ جس طرح کے بھی حالات ہوں۔ یعنی اچھے ہوں یا خراب۔

ل اس عنوان سے حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آباد کے واقعہ کے عنوان تک جو مضمون ہے۔ اس کے مختصر اشارے مولانا محمد عیسیٰ مدرس مدرسہ عارفیہ سنگرام نے اپنی یاد داشت میں لکھے تھے۔ اِن اشاروں کی مدد سے احقر نے اس مضمون کو مرتب کیا ہے۔

برابر مطلع کرتا رہے اور مصلح جو کچھ تجویز فرمائے اس پر پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ عمل کرتا رہے اور پوری زندگی اس کی اتباع کو اپنا شعار بنائے۔ البتہ اتنا خیال رکھے کہ حالات کے لکھنے میں طوالت اختیار نہ کرے۔

اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔

جاہل پیروں کے مفاسد: اس راہ کو یعنی درویشی کی راہ کو خراب کرنے میں بہت دخل دنیادار جاہل پیروں کا ہے۔ مزاحاً ارشاد فرمایا۔ زمینداروں کی زمینداری تو ختم ہو چکی۔ مگر ان دنیادار پیروں کی زمیں داری ختم نہیں ہوئی ہے۔ ان کی زمینداری ایسی ہے کہ اگر حکومت بھی ختم کرنا چاہے تو ختم نہیں کرسکتی۔ ان کی زمیں داری گویا پتھر کی لکیر ہے۔

ایک دنیادار پیر کی حکایت بیان فرمائی۔

ایک دنیادار پیر کا قصہ: پچھم کے کسی گاؤں میں ایک دنیادار پیر آتا تھا۔ اتفاق سے ایک بار جو وہاں پہنچا تو نہایت لاغر اور کمزور تھا۔ گاؤں والوں نے ازراہِ محبت پوچھا۔ پیر توں (تو) کیوں دُبلا؟

پیر صاحب بولے۔ بھئی میں کیسے کمزور اور دبلا پتلا نہ ہوجاؤں۔ تم لوگ نمازیں نہیں پڑھتے ہو۔ تمہاری طرف سے ساری نمازیں مجھ کو پڑھنا پڑتی ہیں۔ تم روزے نہیں رکھتے سب کی طرف سے مجھ کو روزے رکھنے پڑے ہیں۔ سب کی طرف سے مجھ کو پل صراط پر چلنا پڑتا ہے۔ تہیں کیا فکر ہے تم تو دن رات اپن دنیاوی ترقیوں کے کاموں میں لگے لپٹے رہتے ہو۔ اور خوب مزے اڑاتے ہو۔ ساری بلائیں اور مصیبتیں تو میرے سر پر آپڑیں تو بھلا میں کیوں کر دبلا نہ ہوجاؤں۔ گاؤں کے چودھری اور دوسرے لوگوں نے جو سنا تو بے حد متاثر ہوئے۔ جوش میں آکر چودھری نے کہا۔

جا پیر! ہم سب کی طرف سے تو بہت مصیبت اٹھائے ہے۔ ہمارے لئے دبلا ہوگیا

ہے تو میں نے مونجی کا اپنا فلاں کھیت تجھے دے دیا۔

پیر صاحب دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے کہا اچھا داؤ ہے۔ بس فوراً کھیت پر قبضہ ہی کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ چودھری کا جوش ٹھنڈا ہو جائے اور اپنی بات سے پھر جائے۔ کہنے لگے۔

اچھا چودھری! وہ مونجی کا کھیت جو تو نے دیا ہے چل مجھ کو بھی دکھلا دے۔

چودھری ساتھ ہوا۔ اس نے کہا۔ اچھا تو چل میں تجھے دکھلاؤ۔ اب چودھری آگے آگے اور پیر اُنکے پیچھے پیچھے چلتا ہوا۔ کھیت کی مینڈھیں بہت پتلی اور قدرے اونچی نیچی تھیں چلتے چلتے کسی باریک مینڈھ سے پیر جی نیچے آپڑے۔ مینڈھ سے پیر کو پھسلتے ہوئے دیکھ کر چودھری کی آنکھیں کھل گئیں۔ مارے غصے کے پیچھے مڑ کر ایک لات رسید کی اور کہا۔

او سسرے (گالی) جھوٹے پیر تو نے کہا تھا کہ پل صراط پر تم سب کی طرف سے مجھ کو چلنا پڑتا ہے۔ پل صراط تو بال سے بھی باریک اور تلوار سے بھی تیز ہوگا۔ تو جب تو اس پر چلتا ہے تو پھر اتنی موٹی چوڑی مینڈھ سے کیوں پھسل کر نیچے آگیا۔ جب تیرے قدم اتنی موٹی مینڈھ پر جم نہ سکے تو پل صراط پر کیا خاک جم سکیں گے۔ جا دور ہو جا! میں تجھے اپنے مونجی کے کھیت نہیں دیتا۔ اب میں نے تجھے اچھی طرح پہچان لیا۔ اگر خیریت چاہتا ہے تو ابھی اپنا سامان اپنے سر پر لاد کر ہمارے گاؤں کو چھوڑ دے۔ ورنہ اچھی طرح سے میں تیری خبر لوں گا۔

حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔ ایسے پیر دین کے رہزن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ تو دین کو برباد ہی کر کے چھوڑیں گے۔ ان سے اصلاح کیا خاک ہوگی۔ بس ان کو تو سالانہ فصلانہ نذرانہ مقررہ اور غیر مقررہ طور پر ملنا چاہئے۔ یہی ان لوگوں کا مقصود بھی ہوتا ہے۔ اسی سے ان کو مطلب ہے کوئی نماز پڑھے نہ پڑھے۔ اس سے ان کو کوئی مطلب نہیں۔ روزہ رکھے یا نہ رکھے اس سے کیا غرض۔ دین پر چلے نہ چلے اس کی کیا پروا۔ حرام کاری و حرام خوری چھوڑے نہ

چھوڑے اس کا انھیں کیا خیال۔ انھیں تو اپنی دنیا سے مطلب ہے۔

مروجہ میلاد کی بنیاد: یہی حال مروّجہ میلاد کا ہے جسے جاہلوں نے رائج کر رکھا ہے۔ حال یہ ہے کہ جو لوگ اسے منع کرتے ہیں انھیں برا سمجھا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ذکرِ رسول سے منع کرتے ہیں۔

بھلا بتائیے تو سہی! ذکرِ رسول ﷺ سے منع کرنے کی جرأت کون کر سکتا ہے جو بات کہی جاتی ہے اسے تو سمجھتے نہیں ہیں۔ اور اتباعِ ہوا میں جو دل چاہتا ہے زبان سے نکالتے رہتے ہیں۔

دیکھئے! اگر کوئی شخص قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھے اور ایک واقف کار اسے روک دے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روکنے والا نماز سے منع کر رہا ہے۔ ہرگز نہیں! کوئی فہیم و عاقل انسان ایسا نہیں کہہ سکتا۔ یا ٹھیک دوپہر کو اگر کوئی نماز پڑھنے لگے تو کیا اسے منع کرنا نماز سے منع کرنا ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح سمجھ لیجئے۔ جو لوگ مروّجہ میلاد سے منع فرماتے ہیں وہ رسولِ پاک ﷺ کے ذکرِ پاک سے ہرگز ہرگز نہیں منع فرماتے۔ ذکرِ رسول پاک ﷺ تو ان کے خون کے ہر ہر قطرہ میں سمویا ہوا ہے۔ وہ تو اس لئے منع فرماتے ہیں کہ اس ذکرِ پاک کو تم نے اتباعِ ہوا سے آلودہ کر دیا ہے۔ تم نے ممنوعات کی اس میں آمیزش کر رکھی ہے۔ تم نے اسے محض ایک رسم سمجھ کر کرنا شروع کر دیا ہے۔ ورنہ بھلا رسول پاک ﷺ کے ذکرِ پاک سے کون منع کر سکتا ہے۔

بھلا یہ کیسی محبت ہے کہ ابھی ابھی تو میلاد پڑھا گیا اور اس مجلس کے ختم ہوتے ہی تم نے ریکارڈنگ شروع کر دی۔ عین میلاد میں بھی روایتوں میں کوئی احتیاط نہیں برتی جاتی۔ غیر محقق اور غیر معتبر مؤلفین نے ایسی ایسی روایتوں کو لکھنا شروع کیا جس کی کوئی صحیح سند نہیں ملتی ہے۔ تو تم ہی سوچو! کہ تمہارے آقا و مولیٰ ﷺ کا ذکرِ پاک ایسی روایتوں سے اور اس طرح

اتباعِ ہوا و ہوس کے ساتھ کیسا ہے۔

حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے کسی نے دریافت کیا۔ حضرت میلاد پڑھنا کیسا ہے؟

فرمایا۔ میلاد کی حقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر کرنا ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ اللہ کا ذکر رسول ﷺ کا ذکر ہے اور رسول ﷺ کا ذکر اللہ کا ذکر ہے۔ تو ایسا شخص جو ہر وقت اللہ و رسول ﷺ کا ذکر کرتا رہے پھر اسے سے یہ پوچھنا کہ میلاد پڑھنا کیسا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے؟

سبحان اللہ! میلادِ حقیقی کی کیسی حقیقت بیان فرمائی۔ برخلاف اسکے کہ آج کا میلاد سوائے باپ دادا کے رسوم کی اتباع کے اور کیا حقیقت رکھتا ہے۔

☆

پندرہویں مجلس

مورخہ ۱۴؍محرم ۸۶ھ ۶؍مئی ۶۶ء بعد نماز جمعہ
مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ بہار

مشائخِ چشتیہ رحمہم اللہ متبعِ سنّت تھے: نمازِ جمعہ کے بعد حضرت والا نے کچھ ہی دیر آرام فرمایا۔ پھر مجلس میں تشریف لائے۔ کچھ ابتداء کی بات چیت کے بعد مشائخ چشت اہلِ بہشت رحمہم اللہ کے متعلق ذکر آیا۔ اس پر ارشاد فرمایا۔ سلسلہ

چشتیہ کے اکابرین و مقبولین الٰہی کے بارے میں لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ حضرات متبع سنت نہیں تھے۔ حالانکہ ان حضرات مقبولین پر غلبۂ اتباع سنت ہی کا ہے۔ باقی بعض اکابر کے بارے میں جو بعض ممنوعاتِ شرعیہ کے استعمال کے واقعات مشہور ہیں وہ عذرِ حقیقی پر محمول ہیں۔

دیکھئے ایک مسلمان بیمار پڑتا ہے۔ علاج معالجہ سے تھک کر اپنی شفا و تندرستی سے مایوس ہو جاتا ہے۔ آخر میں کوئی مسلمان دین دار متقی طبیب اس کے کسی حرام چیز کے استعمال کی اجازت دیتا ہے اور کہدیتا ہے کہ اس حرام دوا کے علاوہ کسی دوا سے شفاء ہونے کی امید نہیں ہے تو ایسی حالت میں تداوی بالحرام (حرام دوا سے علاج کرنا) کی اتنی مقدار میں جو کہ اس کے لئے ضروری ہو شرعاً گنجائش ہے۔ اور اس قدر کی وجہ سے عنداللہ وہ ماجور ہوگا گنہ گار نہ ہوگا۔

اب زمانہ نفس پرستی کا ہے۔ لوگوں نے اپنی اپنی خواہشات نفسانی کو مستی نکالنے کا بہانہ تراشا شروع کیا ہے اور لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لئے اکابر کے ان حقیقی عذر کے واقعات کو اپنے لئے بطورِ دلیل اور حجت کے استعمال کرنے لگے ہیں۔ ان بزرگوں نے تو کسی موقع پر ممنوعات کا استعمال دواءً کیا تھا۔ اپنی بصیرتِ باطنی سے اس کے سوا ان کے خیال میں اس کیلئے کوئی دوسرا علاج نہ تھا۔ اب بغیر عذر کے محض نفس پرستی کے لئے ایسا کچھ کیا جارہا ہے جسے زبان پر لانا دشوار ہے۔ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی پر حق تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا ہے کہ حضرت کے سلسلے میں کبھی بھی کسی پیچیدہ سے پیچیدہ حالت میں بھی اتباعِ سنت سے ذرا بھی انحراف نہیں ہوا ہے۔

کبر کا علاج: ایک بار حضرت تھانویؒ خانقاہ کی سہ دری میں تشریف رکھتے تھے۔ صحنِ مسجد جو سہ دری سے ملا ہوا ہے۔ اور اس کے سامنے ہی ہے۔ اس میں ایک صاحب جو

حضرت کے خادم ہی تھے۔ کسی دوسرے صاحب کو نصیحت کر رہے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ تم جو اس شخص کو نصیحت کر رہے تھے۔ میں سُن رہا تھا نصیحت کرنا ایک اچھی بات ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہاری اس نصیحت سے تمہارا مقصود اپنے کو اچھا نیک اور بڑا سمجھنا ہے اور جس کو نصیحت کر رہے تھے اس کو گنہ گار اور اپنے سے حقیر سمجھنا ہے مجھکو تمہارے طرزِ کلام سے اس کا اندازہ ہوا ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو صاف صاف اقرار کو لو۔ ان صاحب نے اقرار کرلیا کہ حضرت بالکل صحیح فرما رہے ہیں۔ بات ایسی ہی ہے۔ مجھ سے بڑی نالائقی ہوئی ہے۔ واقعی میرے اندر کبر کا مادّہ موجود ہے۔ فرمایا کہ اس کا علاج کرو۔ یہ تو بہت مہلک مرض ہے۔ ان صاحب نے عرض کیا۔ حضرت اس کا علاج فرما دیں۔ اور حضرت کی جو تجویز ہو اس پر میں عمل کروں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔

مرضِ کبر دل کی بیماریوں میں نہایت سخت بیماری ہے بلکہ تمام خبائث کی جڑ ہے اسمیں مبتلا رہ کر اصلاح دشوار ہے۔

معالجۂ کبر کے تین اجزاء: اس کے علاج کے لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں۔

(۱) خانقاہ کے پاخانے صاف کرنے اور دھونے کو جو مہترانی آتی ہے۔ ایک صاحب تنخواہ دار اس کے گھڑے میں پانی ڈالنے پر مقرر ہیں اب سے جب تک تم یہاں رہو روز آنہ مہترانی کے گھڑے میں پانی ڈالا کرو اور تم کو ان صاحب سے کچھ کہہ کر اجازت لے کر اس کام کو کرنا پڑے گا۔

(۲) نمازیوں کے جوتوں کی جوڑیاں علحدہ ہو کر منتشر ہو جایا کرتی ہیں۔ ان جوڑیوں کو لگا لگا کر رکھ دیا کرو۔

(۳) ہر نماز کے بعد کھڑے ہو کر اہلِ جماعت سے تمہیں اعلان کر کے درخواست کرنی ہوگی کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے۔ آپ حضرات دعا کر دیجئے کہ حق تعالیٰ مجھ کو اس سے

نجات دے دیں۔

تواضع کا جوش: ان صاحب نے مدتِ قیامِ خانقاہ میں برابر ان تینوں کاموں کی پابندی کی۔ جب رخصت ہونے لگے تو عرض کیا کہ گھر پر دو کام تو جاری رہ سکتے ہیں مگر چونکہ وہاں پاخانہ دھونے کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے مہترانی کے گھڑے میں پانی ڈالنے کا کام مشکل ہے۔

ارشاد فرمایا۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔ باقی وہ دونوں کام برابر کرتے رہنا۔ کچھ دنوں بعد ان پر تواضع کا غلبہ اتنا ہوا کہ انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ اپنے کو نہایت ذلیل وخوار اور بہت گنہ گار سمجھ رہا ہوں۔ اپنی برائیوں کا تصور اتنا غالب ہو چکا ہے کہ اب اپنی ظاہری دینداری کی شکل وصورت سے بھی وحشت ہوگئی ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ ڈاڑھی بھی منڈوالوں۔ لباس بدل ڈالوں۔ ایسا رہوں جیسا کہ حقیقت میں ہوں۔ تاکہ لوگ میری ظاہری شکل وصورت سے دھوکہ میں نہ پڑیں۔ اور مجھ کو دیندار اور متقی نہ سمجھیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں لکھا کہ یہ تواضع کا جوش ہے۔ انشاء اللہ کچھ دنوں بعد اس کے اندر تعدیل پیدا ہو جائے گی۔ مبارک ہو۔ ہرگز خلافِ سنت کوئی کام نہ کیا جائے۔

حضرتؒ نے اس حالت پر مبارک باد دی۔ اور فرمایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ برکت ہے کہ پیچیدہ حالات کی اصلاح کے لئے بھی کبھی خلاف سنت ترکیب استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

پھر حضرت نے ارشاد فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ: صلحاء واہل اللہ کے ساتھ تشبہ ظاہری بھی باعثِ فضل ورحمت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ مصر سے بخوف فرعون نکل گئے۔ حق تعالیٰ نے انھیں مدین کی راہ پر ڈال دیا۔ اور چلتے چلتے مدین پہونچے تو گاؤں سے باہر ایک

کنواں تھا وہاں پر دو مضبوط آدمی پانی کنویں سے کھینچ کھینچ کر لوگوں کے جانوروں کو پلا رہے تھے تھوڑے سے فاصلے پر دو لڑکیاں بکریوں کو روکے کھڑی تھیں۔ کچھ انتظار کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا۔ تم دونوں کیوں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاتی ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔ جب مردوں کا ہجوم ختم ہو جائے گا تب ہم لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلائیں گے۔ مردوں میں گھسنا ہمیں پسند نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود سے کنویں سے پانی کھینچا۔ ان کی بکریوں کو سیراب کیا۔ یہ لڑکیاں آج قبل از وقت بکریوں کے ساتھ گھر پہونچ گئیں۔ حضرت شعیب علیہ نے فرمایا۔ تم آج سویرے کی کیوں آگئیں۔ تو لڑکیوں نے اس قصہ کا ذکر کیا۔ ایک مسافر نہایت تندرست قوی اور امین نے یہ مہربانی کی ہے۔ اس لئے سویرے پہنچنا ہو گیا۔ اِس نے اکیلے کنویں سے پانی کھینچ کر ہماری بکریوں کو سیراب کر دیا۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک صاجزادی سے فرمایا کہ جاؤ۔ اس مسافر کو بلالاؤ۔ ممکن ہے بذریعہ وحی یا فراستِ نبوت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت معلوم کر لی ہو کہ یہ بھی نبی ہونے والے ہیں۔ جاتے وقت صاجزادی آگے آگے اور حضرت موسیٰ علیہ پیچھے پیچھے تھے۔ ہوا سے صاجزادی کی پنڈلی کھل جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نگاہ نیچی کئے چل رہے تھے۔ فرمایا کہ تم پیچھے چلو اور جہاں راستہ میں غلطی ہو پیچھے سے پکار کر بتلا دیا کرو۔

ان تمام واقعات کو دیکھ کر لڑکی نے دو باتوں کا حضرت موسیٰ علیہ کے متعلق استنباط کیا۔ آخر تو نبی زادیاں تھیں۔ اپنے باپ شعیب علیہ السلام سے عرض کیا۔ اِنہٗ لقویٌ اَمینٌ۔ انکی عفت وقوت دو خوبیوں کا ذکر کیا کہ بڑے عفیف و پارسا اور نہایت طاقتور ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح: حضرت شعیب علیہ نے ان سے حالات دریافت فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے بھاگنے کے اسباب اور اپنے سارے حالات بیان فرمائے۔ انھوں نے انھیں تسلی دی۔ اور مزید یہ کہا۔ میری یہ خواہش

ہے کہ تم میری یہ بکریاں آٹھ سال تک یہاں رہ کر چرایا کرو۔ ان کی خدمت کرتے رہو تو اسی مہر پر میں تمہارے ساتھ میں اپنی ان دو بچیوں میں سے ایک کا نکاح کر دوں۔ اور دو سال اپنی طرف سے یہ کام اور کر دو تو تم کو اختیار ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔ وہیں رہنے لگے۔ دس سال تک وہیں رہ کر حضرت شعیب علیہ کی بکریاں چراتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ کو نبوت: جب دس سال حسب وعدہ پورے ہو چکے۔ اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے کر مصر کے لئے روانہ ہوئے۔ شب کے وقت راستہ بھول گئے اور سردی بھی تھی۔ ذرا فاصلہ پر دیکھا کہ آگ جل رہی ہے۔ دریافت حال اور آگ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو نبوت سے سرفراز ہوئے۔ ارشاد ہوا اِنِّیْ رَبُّكَ نَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ آئیے میں نے آپ کو نبوت عطا فرما دی۔ جائیے فرعون کو ہدایت کیجئے۔ عرض کیا کہ اللہ العٰلمین مجھ کو اس سے ڈر لگتا ہے۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے فصاحت و بلاغت میں ماہر ہے اسے بات چیت کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی گئی ہے تو اپنے فضل سے اس کو بھی نبوت عطا فرما کر میرا معاون بنا دیجئے۔ بارگاہِ ایزدی نے درخواست فوراً ہی تو قبول فرمالی۔ دو معجزے حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو عطا فرمائے۔

دو معجزے: ایک عصا جو سانپ بن جا کرتا تھا۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰؑ جب اپنا داہنا ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو وہ سورج کی طرح روشن ہو جایا کرتا تھا۔ فرعون نے انھیں دیکھا تو کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

ستر ہزار جادوں سے مقابلہ: اس نے موسیٰؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے ستر ہزار جادوگروں کو جمع کیا۔ لاکھوں کے مجمع میں جادوگروں نے ایک ایک رسّی اور ایک ایک لاٹھی اپنی اپنی طرف سے میدان میں رکھ دیا۔ یہ سب رسّیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی شکل

میں نظر آنے لگیں۔

حضرت موسیٰؑ ذرا خوف زدہ ہوئے۔ گھبرائے۔ ارشاد ہوا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ اور وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ۔ تَلْقَفْ مَا صَنَعوا اِنَّمَا صَنَعُوا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔

دیکھو موسیٰ تم ہر گز خوف نہ کرو۔ یہ جو لاٹھی تمہارے ہاتھ میں ہے اسے ڈال کر دیکھو تو سہی کہ ہوتا کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ نے ارشادِ باری سے اپنی لاٹھی میدان میں جو ڈالی تو فوراً ہی ایک بڑا سانپ موجود ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ایک سانپ نے سارے نمائشی سانپوں کو نگل لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کو دیکھتے ہی سارے کے سارے جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور مسلمان ہو گئے۔ مگر بد قسمت فرعون کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ اور کہا کہ موسیٰ تو ان تمام جادوگروں کا استاد معلوم ہوتا ہے۔ تم سب کو محض شکست دینے کیلئے یہ زرگری کر رکھی ہے۔ فرعون نے جادوگروں کو دھمکیاں دیں مگر سب کے سب ثابت قدم رہے۔

حق تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس میں کیا مصلحت تھی کہ صرف ان جادوگروں کو جو ہمارے مقابلہ میں اترے تھے ایمان کی توفیق ملی اور دوسروں کو ایمان کی توفیق نہیں ملی۔

ارشاد ہوا کہ مجھ کو ان جادوگروں پر اس لئے رحم آگیا کہ ان سب نے شکل وصورت تمہاری وضع قطع اور تمہارا لباس اختیار کر رکھا تھا تو میری رحمت نے نے اس کو گوارا نہ کیا کہ دوست کی شکل وصورت میں کوئی دوست کے خلاف ہے۔ مجھ کو ان کی ظاہری شکل وصورت پر پیار آگیا اور میں نے سب کو ایمان کی توفیق دے دی۔

دیکھئے کہ تشبہ بالصالحین کا کتنا بڑا نفع ہوا کہ ایک بیک دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے اور جنت کے حقدار ہو گئے۔

سوچیں وہ لوگ! جو کفار کے ساتھ تشبہ رکھتے ہیں وہ اپنے لئے کیا کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ : پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ پر ایک کیفیتِ خاصہ استغراق کی طاری رہا کرتی تھی۔ جب نماز کا وقت ہوتا۔ خادم حق حق کہتا ہوا آگے آگے چلتا۔ حضرت ان کے ساتھ پیچھے پیچھے ہولیا کرتے۔ مسجد میں صف کی جگہ لا کر وہ خادم کھڑا کر دیا کرتا۔ صف میں پہنچتے ہی وہ کیفیت بدل جایا کرتی۔ پوری نماز ہوش کی حالت میں پڑھتے اور پھر وہی کیفیت پیدا ہو جایا کرتی۔ پھر وہ خادم حق حق کرتا ہوا آگے چلتا۔ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس آواز پر اس کے پیچھے چلا کرتے اور اپنی جگہ پر آ کر اسی کیفیت میں مستغرق ہو جاتے۔

خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ : سلسلۂ گفتگو میں حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ گنگوہی کا واقعہ بیان فرمایا۔ ان کے مرید حضرت شاہ ابو المعالیؒ تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک بار دل چاہا کہ ان کے گھر جا کر ملوں۔ بہت دن ہو گئے ہیں تشریف نہیں لائے۔ تو شاہ ابو المعالی گھر میں نہ تھے۔ اندر خبر ہوئی۔ گھر میں تردد پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ان کے گھر فاقہ ہی رہا کرتا تھا۔ انکے بچے فاقے کو مہمان کہا کرتے تھے لیکن حق تعالیٰ سے سب کو تعلق تھا کہ فاقہ میں خوش رہا کرتے تھے۔

فاقہ میں بھی مسرت : غرض بیوی صاحبہ کو اس کی فکر ہوئی۔ پڑوس میں لوگوں سے آٹا، دال قرض مانگا تا کہ شیخ کی ضافت ہو سکے۔ مگر کسی نے نہیں دیا۔ خادمہ کے بار بار خوشی کے ساتھ باہر جاتے اور مغموم صورت میں واپس آتے ہوئے دیکھ کر حضرت خواجہ صاحب نے خادمہ کو بلایا اور پوچھا کہ بات کیا ہے کہ تم گھر سے خوش جاتی ہو اور واپس آتی ہو مغموم ہو کر خادمہ

نے صاف عرض کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا ہے۔ اور آج بھی فاقہ ہے۔ بیوی صاحبہ کو گوارا نہ ہوا کہ معزز مہمان کو فاقہ کرایا جائے۔ اس لئے میں محلہ میں بار بار گئی تھی کہ کچھ آٹا دال قرض لا کر آپ کے لئے کھانا تیار کر دوں۔ مگر کسی نہیں دیا حضرت خواجہ صاحب نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر دیا اور کہا کہ گیہوں خرید کر لاؤ۔ اور غلے کے ایک برتن میں رکھ دو۔ اور ایک تعویذ بھی دیا کہ اس میں ڈال دو اور اس کا منہ بند کر دو۔ جب ضرورت ہو سب اسی سے پوری کیا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ برکت ہوگی۔ خواجہ صاحب تو ایک دو دن بعد تشریف لے گئے اور

شاہ ابولمال رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ توکّل: کچھ دنوں بعد حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ گھر واپس آئے تو دونوں وقت پابندی سے روٹیاں دسترخوان پر آنے لگیں۔ اب فاقہ ہوتا ہی نہیں تھا۔ شاہ صاحب نے اہل خانہ سے دریافت کیا معلوم ہوا کہ حضرت پیر صاحب تشریف لائے تھے۔ نیز جو واقعات ہوئے تھے تفصیل کے ساتھ بتلایا۔

فرمایا کہ تعویذ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ غلہ کے برتن میں ہے۔ برتن منگوا کر تعویذ اس میں سے نکالا۔ اپنی پگڑی میں رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ اس مبارک تعویذ کا حق یہی ہے کہ وہ میرے سر پر رہے۔ تاکہ اس کی برکت مجھ کو حاصل ہوتی رہے۔ گیہوں فقراء کو صدقہ کر دیا۔

ان کا فاقہ اضطراری نہیں تھا۔ اپنی مرضی اور خوشی سے اتباعِ سنت میں فاقہ اختیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارا فاقہ اختیاری ہے اضطراری نہیں۔

پیر کے نام کا وظیفہ: شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ ان ہی شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ گزرے ہیں۔ ان کا سلسلہ بھی ابھی تک چل رہا ہے۔ ہمارے امروہہ میں ان کے مریدین ہیں۔ یہ لوگ ”یا بھیک یا بھیک“ کا وظیفہ پڑھا کرتے ہیں۔ اسکی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتداء میں لفظ اللہ حرف ندایا کے بعد مذکورہ رہا ہوگا۔ یا اللہ بھیک دے! یا اللہ بھیک

دے۔ کہا کرتے ہوں گے اس میں کوئی حرج نہیں تھا کیوں اللہ سے بھیک مانگنے میں تو ثواب ہی ہے۔ مگر بعد کو بہ سبب غلبۂ جہل اور کثرت استعمال کے اللہ کا لفظ جو منادیٰ تھا اسے حذف کر دیا۔ اور اب یا بھیک یا بھیک کہا کرتے ہیں۔ اس عمل میں جہل اور کثرتِ استعمال کے علاوہ شیطان کا بھی ہاتھ ہے کہ وہ ہر طریقے سے دشمنی کرتا ہے اور اہلِ ایمان سے ایسی حرکتیں کراتا ہے جن سے حق تعالیٰ ناخوش ہو جائیں۔ اب دیکھئے یہی واقعہ کتنا خطرناک ہے۔ اگر لفظ اللہ کو محذوف نہ مانا جائے تو صاف ندائے غیر اللہ ہے جو کھلا ہوا شرک ہے۔ والعیاذ باللہ کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

اِسی طرح کا ایک واقعہ حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔

امتحانِ طالب کا ایک واقعہ: ایک صاحب کسی شیخ سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ شیخ ان کی درخواست کو ٹالتے چلے جا رہے تھے۔ شیخ نے لاکھ ٹالنے کی کوشش کی۔ مگر طالبِ صادق تھے۔ کسی طرح ٹل نہ سکے۔ آخر میں مجبور ہو کر شیخ نے ان سے کہا کہ تم بہت دنوں سے اصرار کرتے چلے آرہے ہو آج عشاء کے بعد تم میرے پاس آنا۔ وہ طالب شیخ کے حسب الحکم نماز عشاء کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے۔ شیخ نے فرمایا۔

یہاں سے اتنی دوری پر ایک مکان فلاں مقام پر ہے۔ جس کا دروازہ بند ہوگا۔ تم وہاں جاؤ۔ کواڑوں پر دستک دو گے۔ اس مکان سے ایک عورت برقعہ پوش باہر آئے گی اسے ساتھ لے کر یہاں پہنچا دینا۔

طالب حسب الحکم وہاں پہونچا۔ کواڑوں پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک برقہ پوش عورت واقعی باہر آئی۔ انھوں نے شیخ کے حکم کے مطابق خانقاہ میں پہنچا دیا۔ وہ عورت سیدھے شیخ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

صبح ہوتے ہیں شیخ نے اسی طالب سے کہا کہ اس عورت کو ساتھ لے جا کر اسی مکان

میں پہنچا دو اور ایک گھڑا پانی بھر کر غسل خانہ میں رکھ دو۔ پھر شیخ نے غسل فرمایا اور جماعت سے نماز پڑھی۔

نماز کے بعد اس طالب کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ تم نے بیعت کی درخواست کی تھی۔ میں نے تمہارے سامنے بہت سی باتیں رکھیں۔ تم سب کی تاویل کرتے رہے۔ اب کہو رات کا واقعہ تمہارے سامنے ہے۔ اس کی کیا تاویل تمہارے پاس ہے۔ عرض کیا! حضرت تاویل تو اس کی میری سمجھ میں واقعی نہیں آئی۔ مگر بات یہ ہے کہ مجھ کو یقین ہے کہ آپ سے حکمِ الٰہی کی مخالفت نہیں ہوگی۔ اور بطورِ فرض تقاضائے بشریت سے اگر ہو بھی جائے تو آپ فوراً تائب ہو کر اپنے اسی مقام پر رہیں گے۔ اسلئے میری درخواست اس واقعہ کے بعد بھی یہی ہے کہ داخل سلسلہ فرمالیا جائے۔ شیخ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا۔

میں نے تمہارا بہت سخت امتحان لیا۔ تم اس میں کامیاب رہے۔ وہ برقعہ پوش عورت میری بیوی ہے۔ تمہارے امتحان کے لئے میں نے سب باتیں اسے پہلے سے ہی سمجھا رکھی تھیں۔ حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا۔

دیکھئے! کتنا سخت امتحان لیا اور طالب بھی کیسا صادق تھا۔ واقعی سچی طلب اور سچے یقین سے ہی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔

مشائخ چشتیہ مقبولانِ الٰہی میں: مشائخ چشتیہ رحمہم اللہ مقبولانِ الٰہی ہیں۔ اور بعض واقعات جو مشہور ہیں۔ ممنوعات کے وہ عذروں پر محمول ہیں۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب مشائخ چشت" کے متعلق لکھی ہے جسمیں اول مسائل فقہیہ لکھے ہیں۔ پھر تفصیل سے ان اعذار کا بیان فرمایا ہے۔ احقر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ نے تو دیکھی ہوگی۔

عرض کیا۔ حضرت بہت دنوں پہلے دیکھی تھی۔ اب مضامین یاد نہیں رہے۔ فرمایا۔ اب دیکھئے بہت ہی مفید ہے۔ نہایت ہی ضروری مضامین ہیں۔

اسی سلسلہ میں ارشاد ہوا۔

عذرِ صحیح معتبر ھے: ان بزرگوں نے تو اعذارِ حقیقی کی بناء پر ان ممنوعات کا استعمال فرمایا ہے اور اب محض تقلیداً اس کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تقلید میں نہیں بلکہ محض اپنی خواہشاتِ نفسانی کی اتباع میں ان ممنوعات و محرمات کو استعمال کیا جارہے۔ وہ حضرات آتش محبت میں جل رہے تھے۔ دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ سماع سے ذرا اسکی تسکین ہوجاتی تھی۔ جان بچ جاتی تھی۔ ورنہ ایسی کیفیت ہوتی کہ جان ہی نکل جائے۔ معذور تھے۔ اب تو یہ حال ہے کہ مسجد میں اذان ہورہی ہے۔ نماز کے لئے اقامت ہورہی ہے۔ نماز جماعت سے پڑھی جارہی ہے۔ اور ادھر قوالی کی مجلس جمی ہوئی ہے۔ باجے بج رہے ہیں۔ اچھل کود ہورہی ہے۔ یہ خوب محبت ہے۔ اللہ کی اور اس کے رسول پاک ﷺ کی نماز کی پرواہ نہیں مسجد کا احترام نہیں۔ جماعت کا خیال نہیں۔ واقعی اگر آتش عشق دل میں ہوتی۔ تو طاعاتِ الٰہیہ کے لئے بے قرار ہوکر اپنا سب کچھ چھوڑ دیتے۔ ان اکابرین کا حال تو یہ تھا کہ دل میں واقعی محبت و اطاعت کی ایک آگ لگی ہوئی ہوتی۔ اور یہاں نمازوں کی یہ قدر ہے تو پھر طاعاتِ نفلیہ ذکر اللہ اور تلاوتِ کلام اللہ وغیرہ کی طرف کیا توجہ ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن بزرگوں کے متعلق یہ واقعات منقول ہیں۔ وہ معذور تھے۔ انھوں نے عذر سے اس کا استعمال کیا تھا۔ انکا عذر مقبول تو ہے بے شک۔ لیکن ان ممنوعات میں ان کی تقلید ہرگز جائز نہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی رحمۃ اللہ کا واقعہ:

ارشاد فرمایا۔ حضرت عبدالقدوسؒ صاحبِ سماع تھے۔ ان کے زمانہ میں گنگوہ میں ایک محتسب

آیا۔ خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا سنا ہے۔ آپ سماع سنتے ہیں، ممنوعاتِ شرعیہ کی اجازت نہیں۔ بند کر دیجئے۔

فرمایا۔ بہت اچھا۔ جب شرعاً اجازت نہیں ہے میں نے بند کر دیا۔ قوالوں کو منع فرمایا۔ سماع موقوف کر دیا۔ اتفاق سے شیخ پر ایک سخت حالت طاری ہوئی۔ قوالوں کو بلایا۔ محتسب کو بھی اطلاع دے دی اور فرمایا۔ بھائی میں اپنی حالت سے مجبور ہوں۔ اب میں سماع سنوں گا۔ تم اگر اس کو بند کر سکو تو بند کر دو۔ وہ درہ لے کر آیا۔ جب دروازے پر آیا سنتے ہی اس پر بھی ایک خاص حالت طاری ہوگئی۔ آپے سے باہر ہوگیا۔ تڑپ اٹھا۔ بہت عاجزی سے درخواست کرنے لگا۔

''حضرت فوراً مجھ کو داخل سلسلہ فرمالیجئے۔ ورنہ میری جان نکل جائے۔ حضرت شیخ نے اُسے داخل سلسلہ فرمالیا۔ تب کہیں اسے سکون حاصل ہوا۔

غرض پہلے بزرگوں کے حالات ایسے ہوتے تھے کہ واقعی وہ معذور ہوتے تھے۔ بحالتِ عذر ہی کسی ممنوعِ شرعیہ کو استعمال فرماتے تھے۔ وہ بھی بطور معالجہ کے۔ جیسا اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ حضرات تمام بقیہ اُمور میں سنت و شریعت کے عاشق ہوا کرتے تھے۔ اوامر و نواہی کے پابند ہوتے تھے۔ بلکہ نوافل اور مستحبات کی پابندی فرماتے تھے۔

یہ نہیں کہ نماز بھی غائب۔ روزہ بھی ندارد۔ ڈاڑھی بھی رخصت۔ جتنی آزادانہ زندگی اتنا ہی دعویٰ بزرگی و ولایت۔ وَالعَیاذ باللہ

بغیر حقیقی عذر کے ممنوعات میں مشغول ہو جانا نفس پرستی کے سوا کیا ہے۔ اور نفس پرستی کے بعد ولایات کا کونسا موقع باقی رہ جاتا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآءُ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

☆

سولہویں مجلس

۱۴/محرم ؁۸۶ھ ۶/مئی ؁۶۶ء
بروز جمعہ۔ موضع درزیا ضلع دربھنگہ بہار

نمازِ مغرب اور دیگر معمولات سے فارغ ہو کر حضرت والا مدظلہٗ مجلس میں تشریف لائے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا۔ رئیس المنتظمین صاحب ماسٹر غلام مصطفی صاحب کہاں ہیں۔ احقر نے عرض کیا حضرت! وہ کہیں انتظام میں لگے ہوں گے۔ پھر احقر نے کہا کہ اب تو اس لقب کو انھوں نے خود بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کیوں کہ اس لقب سے پکارنے پر اب جواب دیا کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ یہ لقب تو انھیں آپ نے ہی دیا ہے۔ وہ انتظام کیا کرتے تھے آپ نے انہیں لقب دیدیا۔

احقر نے عرض کیا۔ حضرت بات تو یہی ہے۔

ایک ضرب المثل: فرمایا ”پنچ کا حکم سر آنکھوں پر“

یہ ضرب المثل بہت مشہور ہے۔ اس کا ایک قصہ ہے۔ ایک شخص نے مکان بنوایا۔ اس کا پرنالہ دوسرے پڑوسی کی زمین کی طرف کر دیا۔ اس نے پنچ بلائے۔ پنچوں نے پنچایت کی، فیصلہ یہ دیا کہ

اگر پرنالہ کی طرف مدعا علیہ کی اپنی زمین ہوتی تو مضائقہ نہ تھا۔ دوسرے کی زمین میں پرنالہ نکالنا سراسر نا انصافی ہے۔ انہیں اس پرنالہ کو بند کر کے دوسری طرف اپنی زمین پر پرنالہ نکالنا ہوگا۔ مدعا علیہ نے کہا۔

پنچوں کا حکم سر آنکھوں پر مگر پرنالہ اسی طرف رہے گا۔ عملی طور پر پنچایت ماننے

سے انکار کر دیا۔ مگر آپ کے یہ رئیس ا منتظمین تو عمل میں ایسا نہیں کرتے ہیں جیسا اس مدعا علیہ نے کیا تھا۔

احکامِ شرعیہ کے ساتھ ناروا سلوک: آج کل شریعت کے احکام مذہبی اور امر و نواہی کے ساتھ یہی معاملہ کیا جا رہا ہے۔ زبان سے تو کلمۂ لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے رسولؐ کے ہر حکم کو ہم نے مان لیا۔ مگر جب عمل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں۔

ہم ایسا کیونکر کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو تو ایسا کرتے دیکھا ہی نہیں تھا۔ آج ہم اپنے آبا و اجداد کے خلاف کیونکر کر دیں۔

رسم نوازی کی ایک لچر دلیل: دیکھو تو سہی! خدا اور رسول کے حکم کے مقابلہ میں ان کے بڑوں کی کیا گنتی ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ اپنے بڑوں کو پوچھتا کون ہے۔ اچھا سوچئے کہ وہ کپڑے جو ہمیشہ ان کے باپ دادا پہنا کرتے تھے اب کیوں نہیں پہنتے۔ اب تو کپڑوں میں جوتوں میں رہن سہن میں۔ غرض اپنے کسی گوشۂ زندگی میں اپنے باپ دادا کے طریقے کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔

ان کی وضع قطع، طرز تمدن، سادگی، کھانے پینے کے سارے طور طریقے کو بالائے طاق رکھ چکے ہیں۔ بس جو کچھ اپنا نفس پسند کرتا ہے وہی لباس، ویسا ہی مکان، ویسا ہی تمدن، ویسا ہی سامان

تو پھر خدائے تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے اوامر و نواہی کے مقابلہ میں ہی اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کو کیونکر دلیل بناتے ہیں۔

یہ تو سراسر نفاق ہے کہ زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اپنے باپ دادا کے جاری کردہ رسم و رواج کی اتباع کرتے ہیں۔

بھلا اِن غریبوں کو جو گذر چکے ہیں۔ یعنی ان کے باپ دادا! انھیں پوچھتا ہی کون ہے۔ محض اپنے نفس کی غلامی ہے۔ لذتِ نفس جس بات سے حاصل ہو پھر اس میں کسی کی پرواہ نہیں۔ باپ دادے کی بات تو محض اسکا بہانہ ہے کہ اپنے اوپر الزام نہ آئے۔ عقل ہوتی تو باپ دادے کا نام بھی نہ لیتے سوچتے لوگ کہیں گے ان کے باپ دادے بھلا کتنے بیوقوف اور احمق تھے جو انھوں نے اللہ اور اسکے رسول کے خلاف طریقہ اختیار کیا۔

کسی ایک کے ہوجاؤ: یہ بیچ بیچ والی راہ نفاق کی راہ ہے یعنی نفاقِ عملی کی۔ اسے چھوڑ دو۔ جس کلمہ کو پڑھ لیا ہے اس پر دل سے ایمان لاؤ عمل سے اس کا ثبوت دو۔

سرمد ایک صوفی گذرے ہیں وہ کہتے ہیں۔

[1]

سرمد گلہ مختصر می باید کرد　　یک کار ازیں دو کاری باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد　　یا قطع نظر ز یاری باید کرد

بیچ والی راہ چھوڑ دو۔ اگر حق تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو پوری غلامی کرو۔ ورنہ انکار کر دو۔ حق تعالیٰ تمہارے ایمان و عمل کا محتاج نہیں ہے جنت تمہارے محتاج نہیں ہے۔ تم ایمان و عمل اور جنت کے محتاج ہو۔ اپنی احتیاج نظر میں رکھو۔ اور جسطرح زبان سے کلمہ کا اقرار کرتے ہو اس پر عمل بھی کرو غالباً سرمد نے کلام پاک کی اس آیت سے اپنی رباعی کا اقتباس کیا ہے۔

[2] فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا

---

[1] اے سرمد شکوہ شکایات مختصر کرنا چاہئے۔ دو کام میں سے کوئی ایک کام کر لینا چاہئے یا تو اپنی جان رضا حق کے لئے سپرد کر دینا چاہئے اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو محبوب سے تعلق اور کنارہ کشی کر لینا چاہیئے۔ لیکن عاشق ایسا کر سکتا ہے؟

[2] جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ مگر بات یہ ہے کہ ہم نے ظالموں کے وسطے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

درِ فیضِ محمد وا ہے آئے جسکا جی چاہے　　نہ آئے، آتش دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے

ستر ہویں مجلس

۱۵؍محرم ۸۶ھ ۷؍مئی ۶۶ء بروز شنبہ۔
موضع درزیا مدھوبنی بہار

بسلسلۂ گفتگو ارشاد فرمایا :

بعض حضراتِ چشتیہ کا سماع عذر پر محمول ہے :

حضراتِ چشتیہ نے جو سماع سنا ہے وہ ضرورت کی بناء پر اگر نہ سنتے تو اس کا اثر ان کے بعض مخصوص حالات کے سبب ان پر اچھا نہیں پڑتا۔

حالتِ عذر میں ایسے ممنوعات کی اجازت مشائخ کاملین بہ طور علاج کے دے دیا کرتے ہیں جس طرح طبیب ظاہری کسی مریض کو جب کہ دوسری دواؤں سے شفاء کی امید نہیں دیکھتے تو تداوی بالحرام کی اجازت دیا کرتے ہیں۔ اور شرعاً اس اجازت سے وہ فعل مباح ہو جاتا ہے۔ بہ شرطیکہ وہ طبیب دین دار اور متقی ہو۔ اسی طرح سے کوئی سالک جب کسی سخت باطنی حالت سے دو چار ہوتا ہے اور اس کا علاج شیخ کامل کی نظر میں بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ ایسے ممنوعات میں مشغول کیا جائے ایسی صورت میں یہ حضرات بھی اس کے اس عذر پر نظر فرما کر بعض ممنوعات کی اجازت دے دیتے ہیں۔ صرف یہ شخص اس شیخ کامل و مکمل کی اجازت سے معذور کے حکم ہوتا ہے؟ مگر دیکھا دیکھی اس کی تقلید کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ورنہ گنہ گار ہوگا۔ اسی طرح کا ایک امر ممنوع سماعِ مروّج بھی ہے۔ ہاں واقعی اس زمانہ میں کبھی کسی صاحب کو اس طرح کا حقیقی عذر ہو۔ اور پھر اس کے مصلح کامل کی اجازت ہو تو اسے معذور سمجھا جا سکتا ہے۔

شرائط سماع کی رعایت نہیں کی جاتی : سماع کی پہلی شرط یہ

ہے کہ حظِ نفس کے لئے نہ ہو۔ اندھی تقلید نہ ہو جس طرح آج کل ہوتا ہے کہ محض نفس پرستی کی غرض سے سماع سنتے ہیں اور جو شرائط مقررہ ہیں ان کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ ایسے نفس پرست لوگ نہ اذان کا لحاظ کرتے ہیں نہ نماز کا۔ نہ جماعت کا۔ اور نہ دوسرے امورِ شرعیہ میں اتباع کا کوئی خیال ہوتا ہے۔ بس گانا اور باجا ہی سارا دین ہے۔ اور ساری بزرگی ہے۔

ایسی حالت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہیکہ نفس پرستی اس کی منشا نہیں ہے۔

شریعت کے احکام عقل کی سلامتی کے وقت عائد ہوتے ہیں جب کسی کی عقل ہی قابو میں نہ ہو تو اس پر احکام کی پابندی نہیں ہے۔ احکام کی ادائیگی کے لئے وجود عقل شرط ہے یہی وجہ ہے کہ حضراتِ مجاذیب احکام شرعیہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا۔

حکومتِ ظاہری اہلِ باطن کے تصرف میں: ظاہری حکومت کی باگ ڈور اور اس کے احکام کا اجراء تابع ہے۔ ایسے حضرات جو مجاذیب اور صاحب تصرف اور صاحبِ باطن ہیں۔ ان کی باقاعدہ جماعت بھی ہوتی ہے۔ عہدیداران اور امیر بھی ہوا کرتے ہیں۔ حکومت ظاہری جو کچھ کرتی ہے انہیں کے فیصلہ کے مطابق کرتی ہے۔ ملک کا نظام بدامنی اور بدنظمی سب کچھ اسی جماعت کے اشارے اور نظام پر موقوف ہے۔ مگر یہ باطنی نظام پردۂ خفا میں ہے۔

اہلِ تصرف میں ایک سبزی فروش: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بدامنی، چوری، ڈکیتی، بدنظمی وغیرہ بہت پھیلی ہوئی تھی۔ کسی خادم نے حضرت سے پوچھ لیا اس کا سبب آپ نے فرمایا۔ شہر کا انتظام آج کل ایک سبزی فروش کے قبضہ میں ہے۔ جو خربوزے فلاں مقام فلاں بازار میں بیچا کرتا ہے۔ وہ ڈھیلا ڈھیلا سا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بدنظمی ہے۔ ایک خادم نے عرض کیا۔ حضرت میں اس سے ملنا

چاہتا ہوں ۔ اجازت ہو تو دیکھ آؤں حضرت نے اجازت دے دی وہ شخص حضرت کے بتلائے ہوئے پتہ کے مطابق وہاں گیا۔ دیکھا کہ واقعی ایک سبزی فروش خربوزے فروخت کر رہا ہے ۔ یہ صاحب اس کے پاس پہونچے اور اس سے کہا۔ خربوزے مجھے چکھاؤ میں خریدونگا اس نے کہا بہت بہتر ہے ۔ انھوں نے ایک خربوزہ کٹوا کر چکھ لیا۔ کہا یہ میٹھا نہیں ہے پھر دوسرے تیسرے اور پھر اسی طرح پوری ٹوکری کے خربوزے کٹوا کر چکھتے رہے ۔ اخیر میں کہا کہ تمہارے خربوزے مجھے بالکل پسند نہیں آئے ۔ اس لئے میں نہیں خریدوں گا ۔ اس نے کہا بہتر ہے جاؤ ۔ اللہ تمہارا بھلا کرے ۔ یہ صاحب حضرتؒ کے پاس آئے اور سارا حال کہہ سنایا اور کہا اخیر میں اُس نے دعا بھی دی ۔ جا اللہ تیرا بھلا کرے ۔

فرمایا یہی وجہ ہے بدنظمی اور بدامنی کی ۔

کچھ دنوں بعد دلی شہر کا نظم بہت باقاعدہ ہو گیا۔ ہر طرف امن و امان اور خوشحالی کی فضا چھا گئی ۔ پھر اسی خادم نے حضرت سے عرض کیا کہ آجکل حکومت بہت ضابطہ ہو گئی ہے ۔

نظام باطنی پر ایک سقہ کا تصرف : فرمایا ۔ آج کل حکومت باطنی کا نظام بدل گیا ہے ۔ اسوقت یہاں کی باطنی حکومت ایک سقہ کے اختیار میں ہے وہ بہت ہی منتظم ہے ۔

ان صاحب نے عرض کیا ۔ میں انھیں بھی دیکھنا چاہتا ہوں ۔ فرمایا ۔ فلاں بازار میں فوارے کے قریب ایک سقہ گشت کرتا ہے ۔ جو ایک دَمڑی لے کر ایک پیالہ پانی جو ایک بار کی پیاس کے لئے کافی ہو دیا کرتا ہے ۔

وہ صاحب اس مقام پر پہونچے تو واقعی ایک سقہ لوگوں کو پانی پلا رہا تھا ۔ انھوں نے اس سے کہا مجھ کو بھی پانی پلاؤ ۔ سقہ نے کہا ۔ ایک دَمڑی لاؤ ۔ دمڑی ان صاحب نے دے دی اس نے دمڑی تو اپنی جیب میں رکھی اور ایک پیالہ پانی دے دیا ۔ انھوں نے فوراً اس پیالہ کو

الٹ کر پانی گرادیا اور کہا پانی صاف نہیں تھا۔ اس میں تنکا تھا۔ اس لئے میں نے بہا دیا ہے۔ دوبارہ پانی لاؤ۔

سقہ نے جواب دیا۔ دوسرے پیالہ کی قیمت ایک دمڑی اور حوالہ کرو۔ انھوں نے کہا وہ پانی صاف نہیں تھا گرادیا۔ دوسری دَمڑی کیسی، سقہ نے ایک چپت رسید کیا اور کہا خربوزے والا سمجھ لیا ہے۔ چل دور ہو یہاں سے بغیر دَمڑی کے پانی نہیں دوں گا۔

اسی سلسلہ میں مزید بیان فرمایا۔

فوجی نقل و حرکت پر ایک کفش دوز کا تصرف:

ایک مجاذیب اہل تصرف کے تصرف سے بھی بحکمِ الٰہی دنیا کے کاروبار چلتے ہیں۔ حتیٰ کہ فوجوں کی نقل وحرکت تک ان کے ہی اشاروں کی رہین منت ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ سے کسی نے دریافت تھا۔ حضرت! فوجوں کی نقل وحرکت ان مجذوبوں کے اشاروں پر کیسے ہوا کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔

اس وقت دلّی میں فوجی نقل وحرکت ایک کفش دوز کے تصرف میں ہے جو دلّی شہر سے باہر فلاں مقام پر چھاؤنی سے متصل ہی جوتے گانٹھا کرتا ہے۔ ان صاحب نے عرض کیا۔ حضرت! میں انھیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ فوجی نقل وحرکت پر اپنا تصرف کس طرح رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ بہت اچھا! ایک پرچہ انکے نام لکھا اور کہا۔ میرا سلام کہنا۔ اور یہ پرچہ انھیں دے دینا۔

یہ صاحب اس مقام پر پہونچے۔ دیکھا کہ ایک درخت کے سائے میں ایک کفش دوز بیٹھا ہوا اپنا تھیلا سامنے رکھے ہوئے اپنے اوزار آلات پھیلائے ہوئے جوتے گانٹھ رہا ہے۔ اس کے سامنے کچھ پرانے جوتے کچھ پرانے چمڑے کے ٹکڑے پھیلے ہوئے ہیں۔

انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کا پرچہ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور سلام بھی پہونچایا۔ اس

کفش دوز نے سلام کا جواب دیا۔ پرچہ پڑھ کر تھیلے میں رکھا۔ اور فوراً ہی اپنے پھیلے ہوئے سامان جمع کرنا شروع کر دیا۔ اپنے آلات و اوزار کو پرانے جوتوں کو پیوند کے بوسیدہ چمڑی ٹکڑوں کو اپنے تھیلے رکھا۔

سامنے ہی فوجی رسالہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ان صاحب نے دیکھا کہ جیوں ہی اس کفش دوز نے اپنے پھیلے ہوئے سامان کو بٹورنا شروع کیا ادھر فوجی کمانڈر نے بگل بجایا۔ بگل بجاتے ہیں سارے فوجی جو آرام و استراحت یا دیگر مشاغل میں مصروف تھے سب نے سارے کام چھوڑ کر اپنا سامان باندھنا شروع کیا اور فوراً سب نے اپنے اپنے گھوڑے کس کر تیار کر لئے۔ کفش دوز تھیلا اٹھا کر کھڑا ہو گیا تو افسر نے سوار ہونیکا بگل دیا۔ سب سوار ہو گئے۔ بس بگل کی دیر تھی کہ سب کے سب روانہ ہو جاتے۔ وہ موچی کھڑے کھڑے خود تماشا دیکھ رہا تھا۔ اور یہ صاحب جو اس حقیقت کی جستجو میں نکلے تھے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنے تھیلے سے آلات اور اوزار نکال کر پھیلانا شروع کیا۔ پھر پہلی ہی طرح پرانے جوتے، پیوندی چمڑوں کے ٹکرے غرض تھیلے کا سامان اپنے ارد گرد پھیلا کر اپنے کام میں لگ گیا۔ اسی طرح دوسری جانب کمانڈر نے پھر بگل بجایا۔ اور سارے کے سارے فوجی اپنے بندھے ہوئے سامان کھول کھول کر رکھنے لگے۔ گھوڑوں سے اُتر کر ان کے زین کھول دیئے اور حسب سابق اپنے اپنے مختلف مشاغل میں لگ پڑے۔

تھوڑی دیر کے بعد موچی نے پھر اپنا سامان بٹورنا شروع کر دیا۔ ادھر پھر بگل بجی اور سارے فوجی کوچ کی تیاری میں لگ گئے۔ موچی تھیلا اُٹھا کر کھڑا ہوا۔ اور فوجی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر تیار ہو گئے۔ پھر موچی نے تھیلا رکھا اور کام میں لگ گیا۔ بس اسی کے مطابق فوج میں بگل بجی۔ اور سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ کفش دوز نے تین بار یہ نقل و حرکت کی۔ اور ٹھیک اسی کے مطابق فوجیوں میں بھی نقل و حرکت ہوتی رہی۔ پھر اس کفش دوز نے کہا۔

تم نے دیکھ لیا نا۔ ! اب یہاں سے چلے جاؤ۔ اور حضرت صاحبؒ سے میرا اسلام عرض کر دینا۔

درزیا سے دلدل تک : پروگرام کے مطابق حضرت والا وقت معین پر بعد نماز عصر درزیا سے بذریعہ کشتی دلدل کے لئے روانہ ہوئے۔ خدام بھی کشتی پر سوار ہوئے۔ حضرت والا کشتی کے سفر کو اکثر سیر دریا اور تفریح سے تعبیر فرمایا کرتے ہیں۔ کشتی کی سواری آپ کو بیحد پسند ہے۔ غرض کشتی دریائی مسافت طے کرتی رہی۔۔ حضرت والا اپنی تسبیح ہاتھ میں لئے ذکراللہ میں مشغول تھے۔ کہیں کسی نے کچھ پوچھ لیا تو جواب سے مسرور بھی فرمایا۔ لگ بھگ ایک میل کشتی سے طے کرنے کے بعد وہ مقام آگیا جہاں سے دلدل جانا تھا۔ حضرت والا کے لئے چند آدمی بیل گاڑی لے کر پہلے ہی سے گھاٹ پر منتظر تھے۔

کشتی سے اُتر کر بذریعہ بیل گاڑی حضرت والا مع اپنے رفقاء کے دلدل پہونچے ابھی نماز مغرب کو ۱۵ / ۲۰ منٹ باقی تھے۔

حضرت اقدس اب تک باوضو تھے۔ تمام رفقاء اور خدام نے حضرت والا کے ساتھ ہی مسجد میں جا کر نمازِ مغرب جماعت سے ادا کی۔ نماز مغرب اور معمولات سے فارغ ہو کر حضرت والا نے رات کا کھانا تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد ارشاد فرمایا۔ تکان زیادہ ہے کئی دنوں سے تقریباً ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتا ہی رہتا ہوں۔ اسلئے آرام کو دل چاہتا ہے۔

خدام نے بھی عرض کیا۔ بات بالکل ایسی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ حضرت والا آرام ہی فرمائیں پھر حضرت والا کا عذر حاضرین سے کہدیا گیا اور کچھ دیر تک تنہائی میں حضرت والا آرام فرماتے رہے۔

کچھ دیر بعد عشاء کی تیاری ہوئی۔ نماز عشا کے بعد فوراً ہی حسب معمول حضرت اقدس لیٹ گئے۔

اٹھارہویں مجلس

۱۶ر محرم ۸۶ھ مئی ۶۶ء بروز اتوار ۸ بجے صبح دس بجے تک

موضع دلدل۔ مدھوبنی بہار

صبح کے کھانے اور چائے سے فراغت کے بعد حضرت والا اپنی مجلس میں تشریف لائے۔ کچھ دیر مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر کوسی بند اور دریائے کوسی اور بلان وکملا وغیرہ سے نقصانات کے ذکر پر فرمایا گیا۔

قحط میں بھی مصلحت ہے: قحط سے جو تکلیف پہنچتی ہے۔ پیداوار کی کمی ہوتی ہے۔ سیلاب سے فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ سب میں ہزاروں مصلحتیں ہیں۔ حق تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہیں۔ اس پر اجمالی طور پر اعتقاد و یقین رکھنا چاہئے۔ اس کی تفصیلات پر غور کرنا مناسب نہیں ہے اس کے مصالح کی تفصیلات کا علم انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اپنی جو بھی حالت ہو اس میں حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اس پر اعتماد و توکل رکھنا چاہئے۔ حق تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ پیداوار کم ہونے میں مصلحتیں ہیں۔ آدمی کو گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ نہیں سوچنا اور سمجھنا چاہئے کہ پیداوار کم ہوئی تو اب کھائیں گے کیا اور کہاں سے۔

ہم کیا کھائیں گے کا جواب: دیکھئے ہندوستان میں پیداوار کم ہوتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ وہاں سے کھینچ کر یہاں پہنچاتے ہیں۔ غلہ کا جو دانہ جس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وہ اسے پہنچتا ہی ہے۔

اچھا آپ کو یہ فکر ہوگئی ہم کیا کھائیں گے۔

مگر جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے تو کون فکر کرتا تھا۔ ماں کے رحم میں ایک نلکی آپ کے ناف سے لگی تھی۔ حیض کا خون جتنا جزوِ بدن بن سکتا تھا اسی نلکی کے ذریعہ حق تعالیٰ آپ کے جسم کی پرورش کے لئے پہونچاتے رہے اس وقت آپ کو کہاں فکر تھی کہ کھائیں گے کہاں سے۔

اور جب آپ آغوشِ مادر میں آئے ہیں تو کوئی آپ میں تین سیر کا کوئی چار سیر کا اور کوئی پانچ سیر تک کا اچھا خاصہ پالا پوسا تھا۔ یہ کس نے کر دیا تھا۔ پھر پیدا ہونے کے بعد بھی آپ کو مناسب غذا کی ضرورت تھی۔ اب آپ کی غذا ماں کے رحم کا خونِ حیض نہیں بلکہ دودھ مناسب تھا۔ یہ ماں کی چھاتی میں دودھ کس نے کس طرح پیدا کر دیا۔

ذرا اور بھی سوچئے! دودھ چوسنا۔ پھر اس چوسے ہوئے دودھ کو نگلنا کس نے سکھلا دیا۔ دودھ پیتے پیتے آپ اتنے بڑے ہو گئے۔ اب ماں کا دودھ بھی آپ کی غذا کے لئے کافی نہیں تھا۔ اس عمر میں آپ کو روٹی چاول کی ضرورت پڑی۔ پھر اس کے چبانے کے لئے دانتوں کی اور ہضم کرنے والی مختلف رطوبات کی! کس نے یہ دانت پیدا کر دیئے اور کس نے آپ کی آنتوں میں ہاضم رطوبات پیدا کر دیں۔

مکہ معظمہ میں پیداوار بہت کم بلکہ نہیں کے برابر ہوتی ہے۔ مگر حق تعالیٰ جو نعمتیں انھیں پہنچا رہے ہیں کسی کو نصیب ہیں۔ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔

مگر اس وادیٔ غیر ذی زرع میں روزی پہنچانے کا یہ حال ہے کہ ٹین کے بند ڈبوں میں قسم قسم کی ترکاریاں آتی ہیں۔ وہاں گھروں میں نہ روٹیاں پکتی ہیں نہ ترکاری۔ عموماً ڈبہ خریدا۔ نانبائی سے عمدہ روٹی خریدی اور کھالیا۔

حق تعالیٰ پر توکّل کیجئے: ہندوستان میں بھی اگر پیداوار پوری طرح

نہیں ہوتی تو یہاں کے لوگوں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے اور یہ نہ سوچنا چاہئے کہ کھائیں گے کہاں سے بلکہ حق تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کرنا چاہئے وہ جہاں سے مناسب سمجھیں گے پہونچادیں گے پیداوار کم ہونے میں ہزاروں مصلحتیں ہیں۔ جن کا ہم کو علم نہیں ورنہ مصلحتیں ضرور ہیں۔

ایک متوکّل کا واقعہ: ایک شخص جا رہا تھا۔ جانے والا شخص موٹا تازہ نہایت خوش تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ قحط کے زمانہ میں تم اتنے خوش اور تازہ نظر آتے ہو بات کیا ہے۔ تم کو کوئی فکر نہیں ہوتی ہے۔ اس نے جواب دیا بھائی! میرا آقا بڑا مالدار ہے جس کے خزانے میں غلہ کا انبار ہے پھر مجھ کو کیا فکر ہے [1]۔

جب کسی کو ایک انسان کے خزانے پر اتنا اعتبار و اعتماد ہے تو بتائیے ایک مسلمان کو اپنے آقائے حقیقی پر کیا اعتماد توکل نہ کرنا چاہئے؟

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور اللہ ہی کے لئے خزانے ہیں آسمان وزمین کے تو جب اپنے آقا کے پاس اتنا بڑا خزانہ ہے کہ کبھی خالی ہو ہی نہیں سکتا تو پھر فکر کیوں ہو۔ غم کاہے کا ہو۔

الغرض کم پیداوار ہونا مصلحت پر مبنی ہے۔ فرض کیجئے پیدوار زیادہ ہو۔ نفس وشیطان گناہوں پر آمادہ کردے یا کوئی بیماری ایسی پیدا ہو جائے کہ غذا اس کے لئے بند کر دی جائے۔ تو ایسی پیداوار سے فائدہ ہی کیا ہوا جو اپنے کام نہ آئی۔

حق تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظام ہے۔ غلہ پیدا ہوتا ہے کہیں اور کھایا جاتا ہے کہیں اس وقت جو غیر ممالک سے ہمارے ملک میں اناج آرہا ہے۔ اور قریب قریب پورے ملک میں اسے کھایا جارہا ہے اسی کو دیکھئے کہ حق تعالیٰ کہاں سے کہاں سے پہونچا رہے ہیں۔

امید کا ثمرہ: فرمایا۔ کوئی بادشاہ سفر میں جا رہا ہے۔ وزیر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس

---

[1] شیخ سعدیؒ نے بوستاں یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ ۱۲

نے دیکھا کہ ایک بڈھا کھجور کا درخت لگا رہا ہے۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا۔ بڈھے! اس بڑھاپے میں کھجور کا درخت تم کیوں لگا رہے ہو۔ کھجور کا درخت تو بہت دنوں میں پھل دیتا ہے۔ تم بڈھے ہو تمہیں کیا فائدہ اس درخت سے پہونچے گا۔

اس نے جواب دیا۔ حضور! یہ درخت میں اسلئے نہیں لگا رہا ہوں کہ خود نفع اُٹھاؤں۔ بلکہ اس غرض سے کہ دوسرے لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے مجھ کو ثواب ملے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا! یہ شخص تو بڑا باہمت معلوم ہوتا ہے۔ اس کو ایک ہزار درہم بطورِ انعام دے دو بڈھے نے انعام لینے کے بعد کہا۔

حضور! کوئی شخص درخت لگاتا ہے تو بہت دنوں بعد اس کا پھل کھاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اسے لگاتے ہی اپنے فضل سے مجھ کو پھل عنایت فرمایا۔ آپ نے کہا تھا کہ تجھ کو کیا فائدہ ہوگا؟ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ ایک ہزار درہم اور انعام دیا۔ بڈھے نے یہ درہم بھی لئے۔ اور پھر کہا۔

حضور! درخت کا پھل لوگ سال میں ایک بار کھاتے ہیں اور مجھ کو تو تھوڑی ہی دیر میں دو بار پھل مل گئے۔ بادشاہ اور بھی خوش ہوا۔ اور تیسری بار ایک ہزار درہم بہ طور انعام دینے کا حکم دیا۔

حضرت والا نے ارشاد فرمایا

توکّل کا ثمرہ: حق تعالیٰ پر اعتماد توکل اور یقین رکھنا چاہئے۔ اللہ سے سچا تعلق رکھنے والے اس پر اعتماد و توکل رکھتے ہیں۔ دیکھئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ سے صحیح اور سچا تعلق تھا۔ انھوں نے اپنے سارے معاملات میں حق تعالیٰ پر اعتماد و توکّل کر لیا تھا۔ ذرہ برابر انھیں تذبذب تھا ہی نہیں۔

ہجرت حبشہ کا حکم ہوا ہے تو انھوں نے یہ سوچا کہ دوسرے ملک میں جائیں گے تو

وہاں نہ کسی کی جان پہچان اور نہ کوئی دوست آشنا وہاں جا کر ہم کہاں رہیں گے۔ کیا کھائیں گے بس حکم ہوا تعمیل حکم میں فوراً ہی چل پڑے۔

صحابۂ کرام حبشہ میں: ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ جس کے امیر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ پہنچے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ مشرکین بھی وہاں پہنچ گئے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ ان مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دیا جائے۔ پھر ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ نجاشی جو حبشہ کا بادشاہ تھا۔ نصرانی مذہب رکھتا تھا۔ مشرکین اس کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس سے کہا کہ ہماری برادری کے مکہ سے بھاگ کر کچھ لوگ یہاں چلے آئے ہیں۔ اور آپ کی پناہ میں ہیں۔ انھوں نے مکہ میں گھر گھر آپس میں تفریق کر دی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس لئے ان کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں دیجئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر: نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر حالات دریافت کئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے بادشاہ! ہم بت پوجتے تھے۔ درختوں کی پوجا کرتے تھے۔ ستاروں کی پرستش کرتے تھے قتل کرتے تھے۔ عفت ریزی کرتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ لوگ کو ستاتے تھے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر اپنا خاص فضل فرمایا اور ہمیں میں سے ایک امین و صادق کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ ان پر وحی نازل فرمائی۔ قرآن پاک ان پر اُترا۔ رسولِ الٰہی نے ہمیں معبودانِ باطل کی پرستش سے روکا۔ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا۔ قتل و خونریزی، ظلم و ستم، آبروریزی سے منع فرمایا۔

نجاشی اپنے دربار کے تیس علماء کے سامنے جو سب کے سب تورات و انجیل کھولے بیٹھے ہوئے تھے۔ سوالات کر رہا تھا۔ حضرت جعفرؓ جواب دیتے جاتے تھے۔ علماء نصاری کتابوں سے علاماتِ ختمِ رسالت سے جو پہلی کتابوں میں مذکور تھے ملاتے جاتے

تھے۔ حضرت جعفرؓ جب اپنا بیان ختم کر کے بیٹھ گئے تو نجاشی نے اپنے علماء سے دریافت کیا کہ تم نے اس بیان سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔ سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم نے اس بیان سے یہ سمجھا کہ یہ نبی وہی ہیں جنکی پیشن گوئی اور علامتیں تورات وانجیل میں موجود ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے بھی یہی سمجھا ہے۔ پھر اہلِ مکہ سے کہا۔

اے مکہ والو! یہ حضرات اب میرے مہمان ہیں۔ خبردار! اگر تم نے ان کے بارے میں آئندہ کوئی غلط پروپیگنڈہ کیا۔ تیس علماء بھی ایمان لے آئے۔

نجاشی بھی ایمان لے آیا۔

دیکھا آپ نے! ان مہاجرین نے کہاں سے کھایا۔ حق تعالیٰ نے لوگوں کے لئے کیا نظم فرمایا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ نہیں سوچا کرتے تھے کہ ہم کہاں سے کھائیں گے۔ کیا کھائیں گے۔ ان کو حق تعالیٰ پر توکل تھا۔ یقین تھا۔ اعتماد تھا۔ وہ اپنے تمام امور میں حق تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھتے تھے۔

پھر حضرت والا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

متوکل کی نگاہ: متوکل کی نگاہ اسبابِ ظاہرہ پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی نگاہ خالق اسباب پر ہوتی ہے۔ وہ اس کا یقین رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اپنی قدرت سے چاہے تو بلا اسباب کے بھی سب کچھ عنایت فرمادے۔ یا کوئی سببِ جدید پیدا فرمادے۔ اسے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ اور یقین ہوتا ہے۔

توکل پر ایک واقعہ: ایک ذاکر وشاغل آدمی جو متوکل بھی تھے۔ کہیں جارہے تھے جاتے جاتے ایک دوراہے سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔ انھیں جس راستہ سے گذرنا چاہئے تھا اسے چھوڑ کر غلطی سے دوسرے راستہ پر چل پڑے۔ کچھ دور کے بعد اس سے دوسرے راستہ پر سڑک کے بیچ میں ایک اندھا کنواں تھا جس پر مَن بنی ہوئی نہیں تھی بالکل زمین کے برابر

تھا۔ ناواقف آدمی اسے پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ انہیں بھی اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اور راستہ چلتے ہی کنویں میں جا پڑے۔ ذاکر و شاغل تھے۔ متوکل بھی تھے خیال ہوا کہ شور مچاؤں کوئی سنے گا تو نکالے گا۔ پھر سوچا کہ میں خود تو گرا نہیں ہوں حق تعالیٰ کی قدرت سے اس کے اندر گر پڑا ہوں جس نے گرایا ہے وہی اپنی مصلحت کے مطابق نکالے گا۔

کچھ دیر بعد دو چار مسافر ادھر سے گزرے۔ انھوں نے وہاں پر کھایا پیا۔ اس متوکل نے جو لوگوں کی آہٹ سنی تو پھر خیال پیدا ہوا کہ ان لوگوں سے مدد چاہوں ممکن ہے وہ اپنے ڈول سے مجھے باہر نکال لیں۔ معاً یہ خیال آیا کہ میں خود کسی انسان سے کیوں مدد مانگوں۔ اسی حالت میں ہماری کچھ مصلحت ہوگی جب چاہیں گے نکال لیں گے خاموش رہو۔

ادھر مسافروں کو خیال پیدا ہوا۔ کنواں بے موقع ہے۔ راستہ چلتے چلتے کوئی بھی اسمیں گر سکتا ہے اس لئے اس پاٹ دینا چاہئے۔ جنگل قریب تھا۔ ان لوگوں نے وہاں سے جھاڑ جھنکاڑ کاٹ کر کنویں کو پاٹ دیا۔ اوپر سے مٹی بھی ڈال دی اور منہ بالکل بند کر کے راستہ کے برابر کر دیا۔ یہ صاحب اسی کنویں میں رہے مگر حق تعالیٰ پر توکل کئے ہوئے اب بھی بیٹھے مشغولِ ذکر رہے۔ کچھ دیر بعد اوپر سے مٹی جھر جھرا کر نیچے گرنے لگی۔ مٹی جھڑتے جھڑتے بیچ سے اتنا خالی ہوگیا کہ ایک آدمی اس سے نکل سکتا تھا۔

اچانک ایک ہاتھ کنویں میں لٹکا بس ایک جھٹکا سا ہوا یکا یک یہ صاحب کنویں سے باہر نکل کر کھڑے تھے۔

اب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شیر ببر سامنے کھڑا ہے. بہت خوفزدہ ہوئے مگر پھر یہ سوچا کہ جس خدا نے کنویں سے نکال کر باہر کر دیا ہے؟ وہی اس دشمن سے بھی بچالیگا۔ تھوڑی دیر میں شیر قریب آگیا اور گردن اور سر ہلا ہلا کر اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرنا لگا۔

یہ صاحب اس شیر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ چلتے چلتے اس سڑک پر آگئے جسے غلطی

سے پیچھے بھول گئے تھے۔ بہت خوش ہوئے کہ حق تعالیٰ نے بڑی مدد فرمائی۔ غیب سے ایک ندا آئی۔

سنو! تم نے ہم پر توکل و اعتماد کیا۔ یقین کے ساتھ اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دیا تو ہم نے تم کو دو موت کے منہ سے بچا لیا۔ ایک کنواں دوسرا شیر ببر۔

اس سلسلے میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔ حق تعالیٰ ہر حالت میں روزی پہنچاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے بعض کیڑے ایسے ہوتے ہیں جو پتھروں کے اندر رہتے ہیں۔ بتایئے! انکے لئے جو غذا مناسب ہے کہاں سے انہیں پہنچائی جاتی ہے جسے کھا کر وہ زندہ رہتے ہیں۔

اندھے سانپ کو روزی: نزہہ التسابین میں لکھا ہے ایک اندھا سانپ ایک کھجور کے درخت پر رہتا تھا۔ نابینا ہونے کے سبب تلاشِ رزق میں کہیں جا نہیں سکتا تھا۔ حق تعالیٰ نے اسے غذا پہنچانے کا یہ نظم فرمایا تھا کہ وقت مقررہ پر شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہوئی اس کے پاس آتی تھیں وہ منہ کھول دتا تھا مکھاں اس کے منہ میں شہد لا کر چھوڑ دیا کرتی تھیں۔ جب اس کا پیٹ بھر جاتا منہ بند کر لیتا اور مکھیاں غائب ہو جاتیں۔

مال و دولت مقدر ہے: سلسلۂ گفتگو میں فرمایا۔ آدمی کو ہر حال میں حق تعالیٰ پر اعتماد توکل کرنا چاہیئے۔ لوگ حرام طریقے سے مال کی بڑھوتری چاہتے ہیں۔ رشوت سے، سود خواری سے، چوری اور ڈکیتی سے۔ دھوکہ اور فریب دے کر اور نہ جانے کن کن طریقوں سے لوگ دولت جمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ اس سے مال میں بڑھوتری ہوگی۔ حالانکہ مال تو جتنا مقدر ہے اتنا ہی ملے گا آدمی حلال سے ارادہ کرے گا تو حق تعالیٰ اسے حلال صورتوں سے بھی اس کی تقدیر کے مطابق عطا فرما دے گا۔ حرام سے چاہے گا تو حرام صورتوں سے بھی مقدر ہی کے مطابق مال ملے گا۔

لوگ حق تعالیٰ پر توکل نہیں کرتے۔ دلوں میں حرص اور محبتِ دنیا بس گئی ہے۔ اس

حبِ دنیا نے اندھا کر دیا ہے۔ آخرت جیسی لازوال دولت جنت جیسی دائمی نعمت و راحت کی طرف سے رُخ موڑ لیا ہے۔

حرص اور قناعت: حرص نام ہے اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے پورا کرنے کی کوشش میں لگ جانے کا۔ اسی کے مقابلہ میں ایک چیز قناعت بھی ہے۔ یعنی جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے مل چکا ہے۔ یا مل رہا ہے۔ خوشی خوشی اسی سے گذر بسر کرنا اور اپنے مولیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا۔

حرص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر بھی موجود تھی۔ اسی طرح قناعت بھی موجود تھی مگر فرق یہ تھا کہ انھیں حرص تھی جنت اور آخرت کے کاموں کی آخرت کے نہایت ہی حریص تھے۔ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کی حرص ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

اور قناعت تھی دنیا اور اس کے مال و متاع سے۔ عزت و جاہ سے۔ خوش عیشی سے ان تمام چیزوں میں سے جو کچھ بھی انہیں حاصل تھا اس پر راضی تھے تو دیکھئے حرص اور قناعت دونوں ہی اچھی چیزیں ہیں۔ بہ شرطیکہ ان کا محل صحیح ہو۔

برخلاف اس کے ہمارا حال یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں دین و مذہب کے بارے میں حق تعالیٰ کی محبت کے بارے میں نیک اعمال کے بارے میں ہمیں پوری قناعت حاصل ہے بس جتنا دین جس کو حاصل ہے اسی پر قناعت کئے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ آگے کی کوئی طلب نہیں ہے۔ نماز جیسی بھی پڑھ لی اسی پر قناعت؟ آگے کچھ شوق نہیں۔ بس ہر شخص اس پر قناعت کیے بیٹھا ہے کہ اگر مسلمان کا لفظ بھی اپنے اوپر بول دیا جائے تو بہت ہے۔

اسی طرح حرص کو ہم نے دنیا، اس کی زندگی، اس کے مال و اسباب، عزہ و جاہ، نام و نمود، وغیرہ سے جوڑ رکھا ہے۔ تو یہی حرص و قناعت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے نعمت تھی محل بدلنے پر ہمارے لئے نعمت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حرصِ آخرت : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا اور اس کے اسباب کے بارے میں قناعت رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ پر پورا توکل رکھتے تھے۔ اعمالِ صالحہ کے نہایت ہی حریص تھے۔ نیک اعمال میں حرصِ آخرت کے باعث ایک دوسرے پر بازی لے جانے کا جذبہ اپنے دلوں میں رکھتے تھے۔ چنانچہ غرباء صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ اُمراء ہم لوگوں سے آخرت کے مقابلہ میں بہت آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ بھی پڑھتے ہیں۔ روزے، حج، ذکر و تلاوت وغیرہ ہماری طرح یہ بھی کرتے ہیں۔ ان کے پاس مال ہے جسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ و صدقات دیتے ہیں۔ اس سے ہم غرباء محروم ہیں۔ کبھی کبھی اسے سوچ کر دل صدمہ سے چُور ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت میں سبقت کر جائیں گے اور ہم پیچھے رہ جائیں گے۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

مغموم و مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک ایسی بات بتلائے دیتا ہوں کہ اگر پابندی سے اسے کرتے رہے تو آگے کو نکل جاؤ گے۔ دیکھو! ہر نماز کے بعد سُبحان اللہ اور الحمدُ للہ ۳۳۔ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار کہہ لیا کرو۔ تعلیمِ نبوی ﷺ کو سن کر وہ غرباء بے حد خوش خوش واپس ہوئے۔ سوچنے لگے کہ اب تو ہم دولتمندوں سے ضرور بازی جیت لیں گے جاکر اس پر پابندی سے عمل کرنے لگے۔ شُدہ شُدہ یہ خبر امراء صحابہ کرام کو ملی۔ تو بس سنتے ہی پابندی سے وہ حضرات بھی اس پر عمل کرنے لگے۔ کیونکہ یہ سب حضرات آخرت کے عاشق تھے خدا اور رسول ﷺ سے سچی محبت کرنے والے تھے۔ سب کی تمنا ایک ہی تھی۔ سب ایک ہی چیز کے حریص تھے کہ آخرت میں سبقت ہم لے جائیں۔ غرباء صحابہ کو جو اس کی خبر ملی کہ امراء بھی ہماری طرح اس کے پابند ہو گئے ہیں تو دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر

عرض کرنے لگے۔

یارسول اللہ ﷺ اب تو امراء بھی وہی عمل کرنے لگے اب تو ہم پیچھے ہی رہیں گے اور یہ حضرات ہم سے ضرور بازی لے جائیں گے۔

سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ اچھا جاؤ اسی طرح عمل کرتے رہو یہ سبقت حق تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عدمِ مساوات میں مصلحت: دولت و غربت کے سلسلۂ گفتگو میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔ حق تعالیٰ کی یہ بھی مصلحت ہے کہ سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا سب کے سب دولت و مال، عزت و جاہ میں مساوی ہوتے تو نہ جانے کیا کیا مصیبت آتی۔ کسی کو مالدار کر دیا۔ کسی کو غریب۔ زیادہ تر انسانوں کو غریب بنایا اور کم کو مالدار۔ اس میں بھی ہزاروں مصلحتیں ہیں۔

اسی طرح آخرت کے بارے میں حق تعالیٰ نے سارے انسانوں کو مساوات کا درجہ عطا نہ فرمایا۔ کسی کو اعلیٰ درجہ کی جنت تو کسی کو اس سے کم درجہ کی اور کسی کو اس سے بھی کم۔ اسی طرح کسی کو دوزخ کی انتہائی تکلیف میں مبتلا فرمایا تو کسی کو اس سے کم اور کسی کو اس سے بھی کم تکلیف میں پھر کسی کو کچھ دنوں عذابِ نار میں جلانے کے بعد صفائی عطا فرما کر جنت کا مستحق فرما دیا۔ غرض سارے امور میں مصلحتیں ہیں۔

سارے صحابہ رضی اللہ عنہم متوکل ہی تھے: یہ سلسلۂ توکل ارشاد فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دونوں طرح کے لوگ تھے کچھ تو ایسے تھے جنھیں توکل کا یہ درجہ حاصل تھا کہ وہ کسی اسباب کو اختیار ہی نہیں فرماتے تھے۔ جیسے اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم بہت سے صحابۂ کرام ایسے تھے جو اسباب معاش کو بھی اختیار فرماتے تھے۔ مگر

انہیں بھی اسباب پر نہیں خالق اسباب پر توکل تھا۔ وہ کھیتی بھی کرتے تھے۔ باغ بھی لگاتے تھے۔ تجارت بھی کرتے تھے۔ ملازمت بھی کرتے تھے۔ مگر ہر حال میں ان کی نگاہ ان اسباب کے بجائے خالق اسباب پر رہتی تھی اور یہ ہونا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ سب کے سب سرورِ عالم ﷺ کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ ﷺ سلطان المتوکلین تھے تو جو آپ کے غلام ہوئے اور جنہوں نے آپ کی صحبت پاک کے فیوض و برکات حاصل کئے وہ ایسے کیوں نہ ہوتے! جنہیں ایک لمحہ کے لئے بھی ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کی صحبت میسر آئی۔ کامل و مکمل ہو گئے۔ متوکل ہو گئے۔ خود آپ ﷺ نے ان کے کمال کی گواہی دی۔ فرمایا۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔

میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

نظر اسباب پر نہیں بلکہ خالقِ اسباب پر: غرض حضور ﷺ کے صحابہؓ تمام متوکل تھے۔ ان میں سے وہ حضرات جو اسباب کو بالکل ترک کئے ہوئے تھے وہ بھی اور جنہوں نے اسباب کو اختیار کر رکھا تھا وہ بھی۔ کیونکہ ان کی نگاہیں اپنے خالق پر تھیں۔ اسباب پر نہیں۔ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں اس کی تو اجازت ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے مگر اس کی اجازت نہیں کہ اپنی نگاہ میں بھی محض اسباب پر رکھی جائے۔ بلکہ اس کا حکم ہے کہ اسباب اختیار کرو اور نگاہ خالق اسباب پر رکھو۔

باقی جو حضرات اسباب کو بالکل ترک فرماتے ہیں وہ اپنی مخصوص حالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ تو ایسے حالت میں ترکِ اسباب کی اجازت ہے۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ: ہمارے مشائخ سلسلہ میں حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ ہیں۔ آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔ دل میں جو آگ لگی ہے تو

بادشاہت چھوڑ کر نکل بھاگے۔ پانی پینے کا ایک پیالہ اور صرف ایک تکیہ اپنے پاس لے لیا تھا اس کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا۔ حق تعالیٰ کے توکل پر اسباب ظاہری کو چھوڑ دیا۔ انھوں نے اس وقت یہ کہاں سوچا ہائے! کھائیں گے کہاں سے آئیگا کہاں سے اور کون دے گا۔

بس اس پر نظر تھی کہ جس نے بادشاہت عطا فرمائی تھی وہی ترکِ سلطنت کے بعد بھی عطا فرمائے گا۔ بہر حال اسی بے سرو سامانی کے ساتھ چل پڑے۔

راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کو موڑ کر سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹا ہے۔ بس تکیہ پھینک دیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آگے چل کر دیکھا۔ ایک شخص چلو سے پانی پی رہا تھا۔ پیالہ بھی پھینک دیا کہ اس کی بھی حاجت نہیں ہے حق تعالیٰ نے دو ہاتھ عطا فرمائے ہیں ان ضرورتوں کو یہی کافی ہیں۔

گھسیارہ بھی متوکل: چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جہاں ایک گھسیارہ کا قیام تھا۔ رہنے سہنے اور پانی کا انتظام تھا۔ گھسیارے سے اجازت چاہی۔ رات کو قیام کا ارادہ ہے تم میری روٹی کی فکر نہ کرنا بس رات بھر آرام کر کے صبح چل دونگا۔

گھسیارہ متوکل تھا۔ اسے روزانہ غیب سے دو موٹی روٹیاں چٹنی کے ساتھ ملا کرتی تھیں۔ اس نے سوچا کہ مسافر اگر رات کو رہ گیا تو اسے کھلاؤں گا کیا۔ کھانا غیب سے ایک ہی آدمی کا آیا کرتا ہے۔ اس کو کھلاؤں گا تو خود کیا کھاؤں گا۔ اس نے کہا۔

روٹیوں کا نظم تو یہاں ہے نہیں تم کھاؤ گے کیا؟

حضرت نے فرمایا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ بس قیام کی اجازت دے دو۔ گھسیارے نے قیام کی اجازت دے دی۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے قیام فرمایا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو حسب معمول گھسیارہ کا کھانا آ گیا۔

ادھر دوسری طرف سے حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بھی ایک طباق

میں ایک خوان پوش سے ڈھکا ہوا نہایت نفیس کھانا غیب سے آ گیا۔ دونوں اپنا اپنا کھانا کھانے لگے۔ گھسیارے نے خیال کیا کہ میں اتنے دنوں سے سب کو چھوڑ چھاڑ کر ذکر الٰہی میں مشغول ہوں۔ میری کچھ قدر نہیں ہے صرف چٹنی اور موٹی موٹی روٹیاں دونوں وقت کھانے کو ملا کرتی ہیں۔ اور یہ مسافر آج ہی آیا ہے اس کی کتنی قدر ہے کہ غیب سے اس کے لئے پر تکلف شاہی کھانے طباق میں رکھ کر بھیجے گئے ہیں۔ غیب سے ایک آواز آئی۔ اے گھسیارے تجھے معلوم بھی ہے۔ یہ مسافر کون ہے۔ یہ ابراہیم بن ادہم شاہ بلخ ہے جس نے ہماری محبت میں شہنشاہی کو لات مار دی ہے۔ اور تخت و تاج چھوڑ کر ہمارے لئے نکل پڑا ہے۔ ہم نے اسکے لئے جو کھانا بھیجا ہے وہ تو ہم اسے زمانہ شاہی میں بھی دیا کرتے تھے۔ کوئی خصوصیت نہیں برتی بلکہ زمانہ شاہی میں اور زائد پر تکلف کھانا ملا کرتا تھا۔

اگر تجھے یہ کھانا جو مل رہا ہے پسند ہو تو بہتر ہے یہی ملا کرے۔ ورنہ نکل جا یہاں سے اور یہ تیز کھرپا اور جالی لے گھاس کھود اور اسے فروخت کر۔ اور کھا کما۔ پھر بھی یہی ملے گا جو مل رہا ہے۔

گھسیارہ نے یہ دھمکی سنی تو مارے ڈر کے کانپ گیا۔ حق تعالیٰ سے توبہ کر کے حضرت ابراہیمؒ سے معذرت کی کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ معاف فرمائیے۔

دل میں آگ لگی نہیں: بات یہ ہے کہ جب تک دل میں آگ لگتی نہیں انسان اصل حقیقت سے بہت دور رہتا ہے۔ ہارون الرشید بہت مشہور بادشاہ گذرا ہے اس کا ایک لڑکا مادرزاد ولی تھا۔ شاہزادگی مزاج میں بالکل نہ تھی آزاد منش تھا۔ جوتے کا خیال۔ نہ ٹوپی کی پرواہ۔

ایک بار ہارون الرشید اپنے دربار میں تھا۔ امراء اور وزراء وہاں بیٹھے تھے۔ یہ لڑکا دربار میں پہنچا اور باپ کے پاس بیٹھا۔ وزیر اعظم نے اسے بہ نظر حقارت دیکھا۔ لڑکے نے فراست سے سمجھ لیا۔ دربار میں دیوار کی منڈیر پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکے نے وزیر کو

مخاطب کر کے کہا۔ وزیر صاحب آپ تو وزیر اعظم ہیں۔ بادشاہ کے نہایت مقرب اور طاقت و قوت کے مالک ہیں۔ ذرا اس چڑیا کو تو بلا دیجئے۔ وزیر نے کہا۔

شاہزادے یہ تو ناممکن ہے۔ لڑکے نے چڑیا کو بلایا وہ آ کر اس کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔

شاهزاده مزدور: اس لڑکے نے اپنے باپ کو بار بار سمجھا بجھایا۔ آخرت کی یاد دلائی۔ ایک بار اس کو نہ جانے کیا خیال غالب ہو گیا کہ گھر سے نکل پڑا چلتے وقت ماں نے ایک بیش قیمت انگوٹھی دی اور کہا۔

بٹیا یہ انگوٹھی نہایت قیمتی ہے اسے لیتے جاؤ۔ وقت پڑے تو فروخت کر کے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا۔

قرآن پاک لیا اور چل دیا۔

چلتے چلتے دمشق پہونچا اور مزدوری کرنے لگا۔ ضرورت کے لائق مزدوری کرتا اور بقیہ وقت کو یادِ الٰہی میں صَرف کرتا تھا۔ شاہزادہ ایک دن مزدوروں کے اڈے پر بیٹھا تھا۔ ایک شخص کو دیوار بنانے کی ضرورت تھی۔ وہ مزدور کی تلاش میں تھا۔ ایسا مزدور جو دیوار جوڑنے، گارا بنانے اور اینٹیں ڈھونے کا کام کر سکتا ہو۔ اسے کوئی مزدور نہ ملا۔ بار بار شاہزادہ پر نظر پڑتی مگر اس کے ناز نعمت سے پالے ہوئے جسم اور خوبصورت چہرہ پر نظر پڑتی تو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ شاہزادے نے اسے محسوس کر لیا۔ اور خود ہی سے اُسے مخاطب کیا۔

آپ کو مزدور کی ضرورت ہے۔ اس شخص نے کہا۔ ہاں! مگر ایسا مزدور جو تین کام کرتا ہو۔ اینٹیں بھی خود لگائے۔ گارا بھی بنائے۔ اور دیوار پر اینٹوں کا ردا بھی جمالے۔

شہزادے نے کہا!

میں مزدوری کرتا ہوں۔ مجھے لے چلئے۔ میں تینوں کام ایک ساتھ کرونگا۔ مزدوری طے ہوئی۔ اور ساتھ جا کر کام میں مشغول ہو گیا۔ شام ہوتے ہوتے اتنا کام کیا کہ تین مزدور بھی نہ

کرتا۔ وہ شخص بہت خوش ہوا۔ اور مقررہ مزدوری سے زیادہ دینا چاہا۔ شاہزادہ نے نہیں قبول کیا اور کہا کہ! مجھ کو اتنی ہی مزدوری کافی ہے جتنی مزدوری طے ہو چکی ہے زیادہ کی حاجت نہیں ہے ۔ اپنی طے شدہ مزدوری لے کر چل دیا۔ کچھ دنوں بعد اس شخص کو پھر مزدور کی ضرورت ہوئی اس بازار میں ہر چند اسے تلاش کیا مگر نہ مل سکا۔ لوگوں سے استفسار کیا تو کسی نے اس سے کہا۔ وہ تو بیمار ہے اور فلاں تکیہ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ شخص بغرضِ عیادت وہاں پہونچا دیکھا۔ دم توڑ رہا ہے پوچھا میرے لائق کوئی کام ہو تو بتلائیے میں کروں گا۔

شاہزادے نے کہا۔

یہ روپئے لو میں نے اپنے کفن اور گورکن کی قیمت محفوظ کر رکھی ہے اسی رقم سے میری تجہیز و تکفین کر دینا۔

اور یہ قرآن پاک اور انگوٹھی بغداد جا کر ہارون الرشید بادشاہ کو دے دینا اور بس۔

اس کے بعد شاہزادہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ وہ شخص شاہزادے کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر بغداد پہنچا۔ اس دن ہارون الرشید کی سواری بڑے دھوم دھام تزک و احتشام کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہی تھی۔ ایک کنارے پر یہ شخص بھی کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ کی سواری جب اسکے قریب پہونچی اُسنے اشارے سے سواری روکنے کو کہا۔ سواری رکی تو یہ قریب آیا۔ سلام بجالایا قرآن پاک اور انگوٹھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا اسے دیکھتے ہی ہارون الرشید ہکا بکا ہو گیا۔ اور حیرت سے اس شخص کا منہ تکنے لگا۔ ہارون الرشید نے پوچھا۔ یہ انگوٹھی تو بیگم صاحبہ کی ہے اور قرآن پاک میری تلاوت کا ہے تمہیں کس نے دیا۔

اس شخص نے شہزادے کا سارا حال کہہ سنایا۔

ہارون الرشید نے کہا۔ تم نے شاہزادے سے مزدوری کرائی؟ اس شخص نے جواب دیا۔ حضور ناواقفیت کیوجہ سے ایسا ہوا۔ ہارون الرشید زار زار روتا تھا۔ اور کہتا تھا ہائے میں نے

شاہزادے کو پہچانا نہیں۔

دیکھا آپ نے! بات کیا تھی بس حق تعالیٰ کی محبت میں شاہزادگی کو لات ماردی۔ حق تعالیٰ سے محبت تھی، اعتماد تھا، توکل تھا، دل میں آگ لگی تھی۔ سب سہل ہوگیا۔ ہمارے دل میں آگ لگی نہیں۔

سلسلۂ گفتگو میں فرمایا۔

فکرِ آخرت: بندے کو چاہیئے کہ اپنے تمام معاملات میں حق تعالیٰ پر توکل کرے جو کچھ حق تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس پر قناعت کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ فکر دولت سے دولت مند ہوجائیں گے۔ حلال پر قناعت کرے حرام سے اپنا منہ موڑے۔ اپنا جو حال ہو اپنا جو مال ہو جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے اسی میں مصلحت سمجھے اسی کو اپنے لئے بہتر تصور کرے۔ دین کے معاملہ میں قناعت سے ہرگز کام نہ لے۔ بلکہ حرصِ آخرت اپنے دل میں بڑھاتا ہی رہے فکرِ آخرت میں لگ جائے۔ دین کی حرص اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے کہ میاں بیوی دونوں کے پاس ایک تہہ بند تھا اور باری باری سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر اسی حال میں خوش تھے اسی میں مست تھے۔ ان کو تو صرف ایک غم، غمِ آخرت اور ایک فکر فکرِ آخرت تھی۔
دولت وغربت ان کی نظر میں برابر تھی۔

بعض صحابہ کرامؓ بڑے ہی خوشحال تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بڑے دولتمند تھے مگر تعلق بالمال نہ تھا۔ جس وقت جناب رسول اللہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر امداد اور انفاق فی سبیل اللہ کا اعلان فرمایا ہے۔ پہلی بار کے اعلان پر آپ نے دوسو اونٹ مع سامان کے پیش کئے۔ دوسری بار پھر اعلان ہوا تو پھر دوسو اونٹ مع سامان پیش کردیئے اور تیسری بار کے اعلان پر دوسو اونٹ مع سامان کے خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کی سعادت

حاصل فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں قحط پڑ گیا۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے پاس غلّہ بہت تھا دکانداروں نے مانگا اور چاہا کہ آپ سے خرید کر اسٹاک (اذخار) کریں اور مہنگے داموں فروخت کریں۔ آپ نے بالکل انکار فرمایا۔ اور فرمایا۔

میں دکانداروں کے ہاتھ اپنا غلہ فروخت نہیں کروں گا۔ لوگوں کو اس سے تکلیف ہوگی ضرورت مند کو خود دیا کرونگا۔ چنانچہ اہلِ حاجت جاتے آپؓ انکو ضرورت کے مطابق اصل قیمت پر غلہ دیا کرتے۔ یہ حال تھا ان حضرات کی فکرِ آخرت کا وہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے۔

☆

انیسویں مجلس

۱۶؍محرم الحرام ۸۶ھ ۸؍مئی ۶۶ھ بروز اتوار بعد نماز ظہر۔
موضع دلدل ضلع دربھنگہ بہار

نماز ظہر کے بعد حضرت والا چند مستورات کو داخل سلسلہ کرنے کی غرض سے اندر تشریف لے گئے۔ مستورات پردہ میں تھیں۔ حضرت والا نے داخل سلسلہ فرمایا بیعت کے بعد موعظت ونصائح فرما کر تشریف لائے۔

خدام والا! حضرت کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ماسٹر محمد قاسم صاحب نے عرض کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب حسنِ اخلاق پر بیان فرمانے کی گذارش

کرتے ہیں۔ فرمایا:

حسنِ خلق اور سوءِ خلق: اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ جس کے معنی خصلت و عادت اور چال چلن کے ہیں۔ اچھی عادتوں اور بہتر خصائل یا اچھے چال چلن کا نام حسنِ اخلاق ہے اور اسی کے مقابلہ میں برے چال چلن اور بری عادتوں کو سوءِ خلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے کو بڑا سمجھنا اور اپنے مقابلہ میں دوسرے کو ذلیل وحقیر تصور کرنا یہ تکبر ہے۔ تکبر ساری بری خصلتوں کی اصل ہے۔

جتنی بری خصلتیں ہیں سب کی بنیاد تکبر پر ہے۔ یہ ایک نہایت ہی برا رزیلہ ہے جو حق تعالیٰ کی نظر میں نہایت ہی مبغوض ہے۔ بدخلقی کی یہ ایک مثال ہوئی۔ اسی کے مقابلہ میں تواضع ایک اچھی صفت ہے جو تکبر کی ضد ہے اور جسکے معنی ہیں عاجزی وانکساری سے دوسروں کے ساتھ پیش آنے کی۔

یعنی اپنے سے دوسرے کو بہتر سمجھ کر انکسار کے ساتھ پیش آنا تواضع ہے۔ تواضع ایک بہترین خوش خلقی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک تکبر بدترین بدخلقی ہے۔ تواضع حق تعالیٰ کو محبوب ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ تواضَعَ للہ رفعَهُ اللہ۔ جوکوئی حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے خاکساری کرتا ہے دوسروں کو اپنے سے افضل و بہتر خیال کرتا ہے۔ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ بھی کرتا ہے حق تعالیٰ اسے بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔

حُسنِ خلق اور سوءِ خلق کی تفصیل بتاتے ہوئے پھر ارشاد فرمایا

بخل و سخاوت: اسی طرح سخاوت ہے جو حق تعالیٰ کو محبوب ہے۔ غرباء پروری، ہمدردی، دینی تعلیم کی اشاعت پر روپیے خرچ کرنا۔ جہاد فی سبیل اللہ میں اپنا مال اور اپنی

جان دینا یہ سب سخاوت ہی کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اس کی ضد ہے بخل۔ جو کہ سیئات میں سے ہے۔ ایک بدترین بد خلقی ہے۔ بخیل اپنے بخل کی وجہ سے حق تعالیٰ کی نگاہ میں مغبوض ہو جاتا ہے۔

صبر و قناعت: اسی طرح صبر و قناعت ایک بہترین حسنِ خلق ہے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کی مرضی کے خلاف جو واقعات پیش آویں مال میں ہو یا جان میں۔ ہر حال میں اس کا یقین رکھے کہ اس میں ہماری مصلحت ہے اور حق تعالیٰ نے ہماری ہی بھلائی کی خاطر ہمیں اس حال میں رکھا ہے۔ وہ قادرِ مطلق اور حکیم علی الاطلاق اپنی قدرت سے چاہتے تو دوسری حالت ہی میں رکھتے چونکہ اس کی حکمت و مصلحت میرے متعلق اسی حالت میں ہے اس لئے اس حالت میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور پورے اعتقاد کے ساتھ حق تعالیٰ کے اس فعل پر راضی رہے۔ گو طبعاً ناگوار بھی ہو مگر نہ دل سے شکایت کرے اور نہ زبان سے۔ بلکہ عملاً باوجود ناگواریٔ طبع کے اپنی حالت سے راضی رہے۔ اور دل میں بھی سمجھے۔ زبان سے بھی اقرار کرے بلاشبہ اسی میں ہماری مصلحت ہے۔

صبر ایک ایسا حسن خلق ہے کہ اس کی بدولت حق تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے خود فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن۔

اللہ تعالیٰ کی معیت صبر کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے بڑی اور کیا دولت ہو سکتی ہے اسی طرح قناعت بھی ایک بڑی دولت ہے نفس قانع عظیم عطیہ الٰہی ہے۔ قناعت بھی ایک بہترین حُسن خلق ہے جس کی ضد ہے حرص و طمع جو نہایت ہی گندہ رذیلہ اور بدترین بداخلاقی ہے جب کہ حرص و طمع تو دنیا کے لئے استعمال کرے اور قناعت کو آخرت کے لئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص کو دنیا عزیز اور پیاری ہے آخرت کو اس کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کی چیز سمجھتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ویسی نہ کی جیسا اس کا حق

تھا۔ واقعی بڑی ناقدری ہے آخرت کی جب کہ طلب آخرت میں قناعت سے کام لیا جائے۔ حرص وطمع اگر آخرت کے لئے ہو، ثواب کے لئے ہو، جنت کے لئے ہو نیک کاموں کے لئے ہو حق تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ ایسے لوگ خیر کی طرف سبقت کرنیوالے ہوتے ہیں۔ بہت اونچے اٹھنے والے ہوتے ہیں۔ انکا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مقابلہ کے دوڑ میں بازی جیتنے والے ہوتے ہیں۔

صحابۂ کرام کی قناعت: دیکھئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر یہ دونوں خلق حُسن اخلاق کی شکل میں بدرجہ اتم موجود تھے انکے اندر حرص بھی موجود تھی اور قناعت بھی لیکن فرق یہ تھا کہ ہم قناعت کو آخرت کے لئے اور حرص وطمع کو دنیا کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور برخلاف اس کے وہ حضرات قناعت کو دنیا کے لئے اور حرص وطمع کو آخرت کیلئے استعمال کرتے تھے۔ یہ دولت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں حسنِ اخلاق اور بدخلقی کی ہیں۔ اخلاقِ حسنہ یعنی عمدہ خصائل کو اپنے اندر اختیار اور ارادے سے پیدا کرنا اور اس کی عادت ڈالنا۔ نیز بداخلاقیوں سے بھی اپنے ارادہ واختیار سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور سالک راہِ حق کو تو اس کے بغیر ایک قدم بھی چلنا دشوار ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تعلیم الدین میں ان تمام فضائل و رذائل کو جمع فرما دیا ہے۔ رذائل سے پاک ہونے اور فضائل حاصل کرنے کے طریقے بھی تجویز فرما دیئے ہیں۔ تفصیلات وہاں سے دیکھ لی جائیں۔

ادب آموزی: حکیم لقمان سے کسی نے پوچھا۔

ادب از کہ آموختی : تم نے ادب اور تہذیب کس سے سیکھی۔ انھوں نے جواب دیا۔ از بے ادباں۔ غیر مہذب لوگوں سے۔ پوچھا یہ کس طرح ؟ انھوں نے جواب دیا۔ جو باتیں انکی

ہمیں ناگوار ہوئیں ہم نے محسوس کیا کہ دوسروں کو ایسی باتوں سے تکلیف پہنچتی ہوگی۔ اس لئے ہم نے وہ باتیں ترک کر دیں۔ فرمایا۔

یہ ایک اچھا معیار ہے کہ جو بات دوسرے کی ناگوار ہے۔ دوسرے کے جس عمل سے تکلیف پہونچے آدمی احساس کرے۔ سوچے کہ یہی بات اگر ہم دوسروں کے ساتھ کریں گے تو اسے بھی تکلیف ضرور ہوگی اور ترک کر دے۔ اگر اس طرح کی عادت ڈالی جائے تو رفتہ رفتہ اس کے اندر حسنِ اخلاق پیدا ہو جائیگا۔

اسی طرح شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے۔ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں میپسند" اہل باطن اس بات پر متفق ہیں کہ دوسروں کی ایذا رسانی سے بہت بچو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ کامل مسلمان ہے وہ جکی زبان اور ہاتھ کی ایذاء رسانی سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

کامل اور سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو مسلمان اس کی ایذاء رسانی سے بے خوف ہوں۔

حبّ وبغض فی اللہ کا ایک واقعہ: آج مسلمانوں سے یہ خوبی جاتی رہی ہے۔ درحقیقت اختلاف اور آپس کے نفاق کی بنیاد اسی پر ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کے دل میں دوسرے کا احترام نہیں ہوتا۔ حقیقی مسلمان تو وہی ہے جو اللہ ہی کے لئے محبت کرتا ہے اللہ ہی کے لئے بغض وعداوت کرتا ہے مجھ کو ایک واقعہ حضرت مرثد غنوی ؓ کا یاد آیا۔

اسلام لانے سے قبل مکہ کی ایک مشہور حسین وجمیل اور مالدار عورت سے جو مشرکہ تھی ان کا تعلق تھا۔ حضرت مرثد غنوی ؓ خود نہایت ہی طاقتور اور قوی تھے۔ ان کی قوت وطاقت بہادری وشجاعت کی بہت شہرت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد چونکہ مکہ

سے ہجرت کرنا مسلمان پر فرض ہو گیا تھا جو مسلمان آتا اس کو ہجرت کر کے مدینہ آنا لازمی تھا۔ اہلِ مکہ کو ناگوار ہوا اسلئے مسلمانوں کو مقید کر دیتے تھے۔ حضرت مرثد غنویؒ مکہ میں ایمان لائے مدینہ جانے سے پہلے انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو قید کیا جا رہا ہے۔ مرثد غنویؒ راتوں رات جاتے مکہ میں پہونچ کر کسی کے مکان کے اندر جا کر اور قیدی کی بیڑیاں کاٹ کر قید سے نکال لاتے۔ ایک رات اتفاق سے جو پہونچے اسی مشرکہ عورت کے دروازہ کے پاس سے گذرے۔ اس نے کواڑ کھولے دیکھا کہ مرثد غنویؒ جا رہے ہیں۔ مرحبا مرحبا کہہ کر اندر بلانا چاہا۔ حضرت مرثد غنویؒ نے نہایت بے رخی سے ایسا تلخ جواب دیا جس کی اسے قطعاً امید نہ تھی۔ وہ خود حضرت مرثد غنویؒ پر عاشق تھی۔ ان کی قوت و طاقت اور خوبصورت جسمانی ساخت کی وجہ سے بے حد محبت کرتی تھی۔ اپنے پچھلے دور میں یہ بھی اسے بہت چاہتے تھے۔

لیکن دیکھئے! جب انھوں نے حق تعالیٰ سے اپنا دل جوڑ لیا تو ایسے پرانے تعلق کو کس طرح توڑ تاڑ کر پاش پاش کر دیا۔ انھوں نے فرمایا:

تم مجھے اندر کیوں بلا رہی ہو! اب مجھے تم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ میں نے مذہبِ اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب میں ایک مسلمان ہوں۔ مسلمان خدا کی بندگی کرنے والا۔ خدا سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔

میں اپنے تمام گناہوں اور بدکاریوں سے اپنے پروردگار سے توبہ کر چکا ہوں اور یہ عہد کر چکا ہوں کہ بقیہ زندگی طاعت و عبادت اور تقویٰ و پرہیزگاری میں گذار دوں گا۔

حضرت مرثد غنویؓ کی اس تقریر سے وہ بالکل مایوس ہو گئی۔ ایسے ان کی قوت اور طاقت کا اندازہ تو پہلے تھا ہی نیز یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ قید سے مسلمان قیدی غائب ہو جاتا ہے اسے یقین ہو گیا کہ سواء مرثد غنویؓ کے اور کوئی اتنی ہمت ہی نہیں کر سکتا یہی موقع ہے اس کی گرفتاری کا۔

زور زور سے چلا کر شور مچانے لگی۔

لوگو! دوڑو جو تمہارے قیدی کو لے جاتا ہے وہ موجود ہے اسے پکڑ لو پھر ایسا موقع نہ مل سکے گا۔ حضرت مرثد غنویؓ وہاں سے بھاگ نکلے اور دشمنوں کو گرفتار نہ کرنے دیا۔

کچھ دیر بعد تشریف لا کر ایک مسلمان قیدی کو اٹھا کر لے آئے۔ بیڑیاں کاٹنے کے موقع نہ مل سکا اس لئے بعد کو مکہ کے باہر لا کر کچھ فاصلہ پر بیڑیاں کاٹ دیں۔ پھر اطمینان سے دونوں صاحب مدینہ پہونچے۔

کچھ دنوں کے بعد اس مشرکہ عورت نے انہیں یہ پیغام دیا کہ اچھا مجھ سے نکاح کر لیں حضرت مرثد غنویؓ نے جواب کہلایا۔

مذہب اسلام میں مشرکہ عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں ہے اس لئے میں نکاح کرنے کو بھی تیار نہیں ہوں۔

غرض جب اسلام لے آئے۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعلق پیدا کر لیا تو سارے تعلقات پر خاک ڈال دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

صحابہ کرام کے بے شمار واقعات احادیث و سیر کی کتابوں میں ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کی دوستی بھی اللہ کے لئے ہوتی تھی دشمنی بھی اللہ ہی کے لئے ہوتی تھی۔ عشقِ الٰہی کی آگ نے غیر اللہ کے
سارے تعلقات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

اخلاص وصدق: ان کے جو کام تھے اخلاص وصدق پر مبنی تھے۔ نفس کی خوشنودی کا ذرہ برابر ان کے اندر اثر بھی نہ تھا۔

خوشی دو طرح کی ہوتی ہے۔ نفسانی اور روحانی، بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن سے نفس تو خوش ہوتا ہے اور روح ناخوش ہوتی ہے۔ اور بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن سے روح

کو خوشی ہوتی ہے اور نفس کو ناگواری ہوتی ہے۔ روحانی کاموں سے دل میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ نفسانی کاموں سے دل کمزور ہوتا ہے۔ ہمت پست ہو جاتی ہے۔ اور حق تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہی کام کرتے تھے جن سے حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی۔ اگر ایسے کاموں میں نفسانی شرکت کا احساس ہوتا تو اسے فوراً ترک فرما دیتے۔

حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجھہ کا اخلاص عمل: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ بہت مشور ہے آپ نے ایک جہاد کے موقع پر ایک زبردست دشمن کو پچھاڑ دیا۔ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ دشمن ہر طرح قبضہ میں آ گیا۔ مجبور ہو گیا تو اس نے منہ پر تھوک دیا۔

آپ کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھی قتل کرنا ہی چاہتے تھے کہ جذبہ اخلاص عمل نے دل میں ایک نیا جذبہ پیدا کر دیا۔ دشمن کو چھوڑ کر علاحدہ کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی کھڑا ہو کر حیرت سے منہ تکنے لگا۔ اس نے پوچھا۔

میں آپ کا دشمن ہو آپ نے مجھ پر قابو پا لیا تھا میں مجبور ہو گیا۔ اور اس ناچاری میں تھوک دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی حالت میں اور بھی جلد ہی میرا کام تمام کر دینا تھا پھر آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

میں اللہ کی راہ میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے جہاد میں نکلا ہوں۔ میں نے اپنے مولیٰ کی خوشنودی کے واسطے تمہیں پچھاڑا جب تم نے منہ پر تھوک دیا تو مجھے بیحد غصہ آیا اور خیال آیا کہ جلد ہی تمہارا کام تمام کر دوں۔ مگر پھر خیال ہوا کہ اس وقت اگر قتل کرتا ہوں تو نفس کو خوشی ہو گی کہ تھوک کا انتقام قتل سے لیا۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح خوشنودی

سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس لئے میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔

اسلام کیوں کر پھیلا: دیکھئے! اخلاص و صدق کا کیا اثر پڑا۔ اسی اخلاص کی برکت سے اسلام دنیا میں پھیل گیا۔

اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے بالکل غلط اور بے اصل بات ہے جہل و نادانی ہے۔ عداوت و بغض پر مبنی ہے۔

واقعات سے بہت دور ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام پھیلا ہے ہمارے بزرگوں کے صدق و اخلاص سے۔ ان کے حسنِ اخلاق سے۔ انکی للّٰہیت اور خدا ترسی سے۔ تاریخ گواہ ہے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

آج بھی ہم اگر حق تعالیٰ کا صحیح تعلق پیدا کریں۔ صدق و اخلاص پیدا کریں۔ اپنے اخلاق و کردار کو درست کریں۔ اللہ کیلئے دوستی و دشمنی کا جذبہ پیدا کریں تو حق تعالیٰ اپنی سنتِ قدیمہ کے مطابق وہی اثر پیدا فرما دیں گے۔ انہیں نتائج کو ظاہر فرما دیں گے۔ جو ہمارے بزرگوں کے ان اعمال کی برکت سے پیدا ہوتے تھے۔ یہی عادۃ اللہ ہے۔ یہی خدا کی سنت ہے۔ حق تعالیٰ کے قوانین میں کوئی تبدیلی پیدا ہو، ناممکن ہے۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبدِيلاً۔

☆

بیسویں مجلس

(۱۶؍رمضان ۸۷ھ بعد نماز مغرب
موضع تلاپت گنج بمکان سلطان خانصاحب)

مہمان نوازی میں احتیاط اور حدود کی رعایت : آج بتاریخ ۱۶؍رمضان بعد نماز مغرب کھانے اور چائے سے فراغت کے بعد احقر نے عرض کیا کہ یہ جگہ جہاں حضرت والا قیام فرما ہیں اور کھانا تناول فرماتے ہیں بہت تنگ ہے۔ اور صرف دو آدمی کی وسعت ہے۔ یہ میں نے اس پر عرض کیا کہ احقر کو بھی اسی دستر خوان پر خانصاحب نے بٹھلا دیا تھا ہم لوگ جب فارغ ہوئے تو بقیہ مہمانوں کے لئے دستر خوان برآمدے میں بچھا کر کھانا چنا جارہا تھا۔ حضرت نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اب بڑا دستر خوان بچھ رہا ہے۔ چھوٹے دستر خوان نے بڑے دستر خوان کے ایک شخص کو اپنی طرف کھینچ کر ملا لیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں جس وقت سنبھل میں ملازم تھا ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ مراد آباد تشریف لائے۔ مجھ کو بھی اطلاع ہوئی تو میں مراد آباد حاضر ہو گیا۔ دس پندرہ مہمان اور مختلف مقامات کے جمع ہو گئے۔ حضرت نے گھر والوں سے یہ فرمادیا کہ جو لوگ میری ملاقات کو آئیں انہیں میری وجہ سے کھانا نہ کھلایا جائے۔ اور مہمانوں سے یہ فرمایا کہ آپ لوگ جو میری ملاقات کو آئے ہوئے ہیں اپنے اپنے کھانوں کا انتظام اپنے طور پر ہوٹلوں میں یا کہیں اور کرلیں جہاں میں مہمان ہوں وہاں نہ کھانا کھائیں۔ چنانچہ گھر والوں نے ان مہمانوں کو نہیں پوچھا اور اپنے دوسرے رشتہ داروں کو حضرت کے ساتھ کھلایا۔ کئی جگہ حضرت کی دعوت ہوئی مگر کسی نے بھی مہمانوں کو نہیں کھلایا۔

سب نے ہوٹلوں میں بطور خود کھانے کا نظم کیا۔ اخیر میں ایک صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی اور حضرت سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں حضرت والا کے مہمانوں کو بھی کھانا کھلانا چاہتا ہوں۔ مگر وہ حضرات آپ کی اجازت کے بغیر نہیں کھائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان مہمانوں کو اگر آپ بطور خود کھلانا چاہتے ہیں اور مجھ پر کوئی احسان نہ سمجھیں تو کھانے سے کیوں منع کروں گا۔ اگر آپ بغیر میرے واسطے کے بہ طور خود کھلانا چاہتے ہیں تو کھلا سکتے ہیں چنانچہ ان صاحب نے سبھوں کو کھلایا۔ پھر فرمایا کہ

شیخ محقق ہی احکام کی تبلیغ کا موقع محل جانتا ہے:

حضرت رحمۃ اللہ بہت بے تکلف تھے ایک بار چرتھاول ضلع مظفر نگر کے ایک بھی صاحب جو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے دوست تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کسی سفر کے موقع پر ریل کے سفر میں اتفاق سے ساتھ ہو گئے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے انکا تعارف کرایا کہ یہ میرے علی گڑھ کالج کے ساتھی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منصف صاحب کو اپنے پاس بٹھلایا اور بڑے ہی لطف و کرم سے باتیں فرمانے لگے۔ راستہ میں مغرب کا وقت ہوا سب لوگ باوضو تھے کسی اسٹیشن پر جب گاڑی رکی سب لوگ گاڑی سے اترے اور مغرب کی نماز جماعت سے ادا کی مگر منصف صاحب اپنی جگہ پر بیٹھے رہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھ کر آئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے تو پھر اسی لطف و کرم کے ساتھ منصف صاحب سے باتیں کرتے رہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا حضرت آپ ہی منصف صاحب سے نماز کو فرما دیجئے۔ حضرت نے فرمایا نماز کی فرضیت سے تو یہ بھی واقف ہیں کسل طبع سے یا کسی اور وجہ سے نماز کے عادی نہیں ہیں۔ اگر اس وقت انہیں نماز کے لئے کہتا ہوں تو میری رعایت سے تو پڑھ لیں گے پھر جا کر چھوڑ دیں گے۔ اس وقت اگر آپ انہیں نماز کے لئے کہنا ضروری سمجھتے ہیں تو آپ خود ہی کہہ دیجئے۔ حضرت کے اس جواب پر

خواجہ صاحب خاموش ہو گئے۔ منصف صاحب کو کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔

منصف صاحب پر حضرت کے لطف و کرم وشفقت کا غیر معمولی اثر ہوا اس وقت تو وہ نماز نہیں پڑھ سکے مگر اس سفر سے واپسی کے بعد گھر جا کر نماز کے بالکل پابند ہو گئے۔ ان کی وضع قطع سراسر شریعت کے مطابق ہو گئی۔ بعد میں حضرت خواجہ صاحب سے ان منصف صاحب کی کہیں ملاقات ہوئی تو ان کے اندر تبدیلی اور دیندار کا حال معلوم ہوا۔

منصف صاحب فرما رہے تھے کہ جس وقت حضرت نماز کے لئے اٹھے اور میں بیٹھا رہ گیا تو دل ہی دل میں شرما رہا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت جب اپنی جگہ پر تشریف لائے اور اسی لطف و کرم سے مجھ سے باتیں کرنے لگے تو میں شرم کے مارے پانی پانی ہو رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ حضرتؒ نماز کے بعد خفگی کا اظہار کریں گے۔ مجھ سے بات نہیں کریں گے۔ مگر معاملہ اس کا برعکس ہوا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ میں ہمیشہ کے لئے نماز اور شرعی امور کا پابند ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ احکام کی تبلیغ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ شیخ محقق ہی اس کا موقع ومحل جانتا ہے۔ علماء ظاہر اس مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زباں روشن گرست
لیک عشق بے زباں روشن ترست

ایسے ہی ام عطیہ کا جو واقعہ ہے کہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی اجازت دی پھر تائب ہو گئیں اور ایسے ہی بنی ثقیف کا واقعہ ہے کہ انھوں نے بیعت کے وقت زکوٰۃ و جہاد کے التزام سے عذر کیا تھا اور آپ نے قبول فرمایا۔ پھر سب ہی کچھ کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جذبات کو روکنے سے طبیعت منقبض ہو جاتی ہے اور اجازت سے کشادہ ہو جاتی ہے۔ اس کو حکیم ہی سمجھتا ہے۔

☆☆☆

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری پچھرا چریا کوٹ ضلع مئو اتر پردیش

ملنے کا پتہ

(۱) القاسمی ایجوکیشنل ٹرسٹ، مقام کھور مدنپور۔ فون: 9570806326

(۲) جناب ابتہاج احمد صاحب، محلہ بٹوال، امروہہ، ضلع مراد آباد

(۳) مکتبہ ضیاء الکتب، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

(۴) حافظ فرحان احمد۔ جلگاؤں۔ فون: 09766814038

(۵) مکتبہ اشرفیہ۔ مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا۔ فون: 9934450409

ABDUS SAMAD BINDER & PRINTER, MALEGAON. 9860122303